امت کے باہمی اختلافات

اوران کا حل (۱)

اتحاد واتفاق کی اہمیت اور اختلاف کی مذمت عقل ونقل کی روشنی میں

علماء ومشائخ اور دینی مدارس، اور مختلف جماعتوں کے باہمی اختلافات اوران کا حل

افادات

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ

انتخاب وترتیب

محمد زید مظاہری ندوی

استاد حدیث دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

ناشر

ادارہ افادات اشرفیہ دوبگا ہردوئی روڈ لکھنؤ

تفصیلات

نام کتاب امت کے باہمی اختلافات اور ان کا حل (۱)
افادات حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ
انتخاب وترتیب محمد زید مظاہری ندوی
صفحات ۲۳۲
قیمت
سن اشاعت اول ۱۴۳۷ھ
ویب سائٹ ..... www.alislahonline.com

ملنے کے پتے:

☆ دیوبند وسہارن پور کے تمام کتب خانے
☆ طوبیٰ بک ڈپو، ندوی منزل، ندوہ روڈ لکھنؤ: 9871302976
☆ مکتبہ ندویہ، ندوۃ العلماء، ٹیگور مارگ لکھنؤ، فون نمبر: 0522-2741225
☆ الفرقان بک ڈپو، نیا گاؤں (مغربی) لکھنؤ، فون نمبر: 0522-6535664
☆ مکتبہ رحمانیہ، ہتھورا، باندہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اجمالی فہرست

باب۱	اتحاد واتفاق سے متعلق آیات قرآنیہ واحادیث نبویہ	۳۲تا۵۱
باب۲	اتحاد واتفاق کی اہمیت وضرورت	۵۲تا۷۳
باب۳	اتحاد واتفاق کے مختلف اسباب	۷۴تا۸۸
باب۴	اختلاف اور نااتفاقی کے اسباب جن سے بچنا ضروری ہے	۸۹تا۱۲۷
باب۵	اتحاد واتفاق کے باطنی اسباب	۱۲۸تا۱۵۵
باب۶	اتحاد واتفاق کے حدود	۱۵۶تا۱۷۷
باب۷	اختلاف کے حدود وآداب	۱۷۸تا۱۹۹
باب۸	اختلاف ختم کیجئے اور مرنے کی تیاری کیجئے	۲۰۰تا۲۱۵
باب۹	مخالفین ومعترضین کے جواب میں	۲۱۶تا۲۳۱

فہرست

مضمون	صفحات
تقریظات واکابر کے تاثرات	۱۰
مقدمہ حضرت مولانا سید محمد رابع صاحب حسنی ندوی ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ	۱۱
مقدمۃ الکتاب از مرتب کتاب	۲۱
باب ۱	
اتحاد واتفاق سے متعلق آیات قرآنیہ واحادیث نبویہ	۳۲
اتحاد قائم رکھنے کا حکم	۳۲
دو جماعتوں میں اختلاف ہوجانے کی صورت میں صلح کرادینے کا حکم	۳۳
اختلاف ختم کرانے اور صلح کرانے کا طریقہ	۳۴
آپس کا اتحاد واتفاق اور باہمی الفت ومحبت اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے	۳۵
حق تعالیٰ کے چند وہ احکام جن کی رعایت نہ کرنے سے آپس میں اختلاف اور باہم کشیدگی پیدا ہوتی ہے	۳۶
رسول اللہ ﷺ کے وہ ارشادات جن سے اتحاد واتفاق قائم رہتا ہے اور جن کی رعایت نہ کرنے سے اختلاف وفساد ہوتا ہے	۳۷
رسول اللہ ﷺ کے وہ ارشادات جن کی رعایت کرنے سے باہمی اختلاف وفساد سے حفاظت رہتی ہے ورنہ اختلاف کی جڑیں مضبوط ہوتی ہیں	۴۲
زبان کی حفاظت کی اہمیت	۴۸
چند وہ خصلتیں وعادتیں جن سے احتیاط بہت ضروری ہے	۴۸
ان باتوں کا لحاظ رکھو بہت سے مفاسد اور فتنوں سے محفوظ رہو گے	۵۰

باب ۲

اتحاد واتفاق کی اہمیت وضرورت اور باہمی اختلافات کے نقصانات ۵۲

اتحاد واتفاق کی اہمیت وضرورت پر سب کا اتفاق ہے ۵۲

امت میں اختلاف کی ابتداء ۵۳

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تین دعائیں ۵۴

امت سے جب اختلاف مٹے گا نہیں تو اتحاد واتفاق کی کوشش کیوں کی جائے؟ ایک اہم اشکال اور اس کا جواب ۵۵

کسی بات کی پیشین گوئی ہوجانے سے اس کا اختیار سے خارج ہونا لازم نہیں آتا ۵۷

چند اشکالات اور ان کے جوابات ۵۹

امت میں اختلاف باقی رہنے کی پیشین گوئی حکم تکوینی ہے تشریعی نہیں ۵۹

اسلام میں نظم واتحاد باقی رکھنے کی اہمیت، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا عمل ۶۰

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا عمل ۶۱

آپس کا اتحاد واتفاق اللہ کی بڑی نعمت ہے ۶۲

آپسی اختلاف سے دین ودنیا دونوں کا نقصان ۶۳

آپسی فساد سے دین کا بالکل صفایا ہوجاتا ہے ۶۴

باہمی اختلاف سے دین کا نقصان کیسے ہوتا ہے ۶۵

باہمی اختلاف سے قلب پر ظلمت چھا جاتی ہے اور سلب ایمان تک کا خطرہ ہوجاتا ہے ۶۶

دشمن کو کبھی بھی کمزور نہ سمجھنا چاہئے ۶۸

معمولی دشمنی سے پورا گھر جل کر خاک ہوگیا ۶۸

گالی دینے کی وجہ سے تین جانیں گئیں گھر اجڑ گیا ٦٩
غیبت سے دشمنی تک ٧٠
معمولی اختلاف سے عداوت ٧١
دشمنی کا دینی و دنیوی نقصان ٧٢
ایسے انسان میں کوئی بھلائی نہیں جس کے اندر محبت کا مادّہ نہ ہو ٧٢
اللہ واسطے محبت کرنے والوں کی فضیلت ٧٣

باب ٣

اتحاد و اتفاق اور رنجش و اختلاف کے اسباب ٧٤
اتحاد و اتفاق کیلئے اس کے اسباب اختیار کرنا ضروری ہے ٧٤
ہمارے کاموں میں استقلال نہیں اس لئے اتحاد و اتفاق میں بھی پائیداری نہیں ٧٤
اتحاد و اتفاق کی تدبیریں اور اس کے مختلف اسباب ٧٦
ملاقات اور نرمی اختیار کرنا ٧٦
سلام و مصافحہ کا اہتمام کرو اس سے محبت ہوتی ہے دل صاف ہوتا ہے ٧٧
آمد و رفت کا اہتمام ٧٧
ہدیہ کا لین دین ٧٨
برے برتاؤں کا بدلا اچھے برتاؤ کے ساتھ ٧٨
اگر دل نہ ملتا ہو تو بتکلّف یہ تدبیریں اختیار کیجئے ان شاء اللہ ضرور اثر ہوگا ٧٨
اتحاد وہی باقی رہے گا جس کی بنیاد ایمان پر قائم ہو ٧٩
اتحاد و اتفاق وہی معتبر اور پائدار ہوگا جو دینی حدود پر قائم ہو ٨٠
کسی کو کسی سے کوئی تکلیف نہ ہو ٨٠
سونے والوں کی نیند بھی نہ خراب کرو ٨١

اتنے زور سے ذکر وتلاوت نہ کرو جس سے لوگوں کی نیند خراب ہو	۸۱
اتحاد واتفاق کے لئے اپنی معاشرت بھی درست رکھو	۸۲
حسن معاشرت اختیار کرو باہم الفت ومحبت پیدا ہوگی	۸۳
معاملات میں آزادی ووسعت	۸۴
حقوق کی ادائیگی	۸۴
دو آدمی تیسرے کو چھوڑ کر چپکے سے باتیں نہ کریں	۸۴
دباؤ ڈال کر سفارش کے ذریعہ بھی کسی کو تکلیف نہ دو	۸۵
معاملات صاف رکھو دل صاف رہیں گے	۸۵
ڈرانے، دبانے اور ہیبت ڈالنے سے محبت نہیں ہوتی بلکہ تواضع وزمی سے ہوتی ہے	۸۶
سادہ معاشرت اور سادہ زندگی سے محبت ہوتی ہے	۸۷

باب ۴

اختلاف اور نا اتفاقی کے اسباب جن سے بچنا ضروری ہے	۸۹
حکایت وشکایت پر یقین کرنے سے پہلے تحقیق کی ضرورت	۸۹
باہم اختلاف کیسے ہوتا ہے	۹۰
بلا تحقیق کے بات کہنے یا یقین کر لینے کا نقصان	۹۰
اگر دوسرے کی شکایت صحیح اور غلطی واقعی ثابت ہے تب بھی نقل کرنے میں ہم خطرے میں ہیں	۹۱
بغیر تحقیق کے محض سنی سنائی بات کی بنا پر کسی سے بدگمان ہونا جائز نہیں	۹۲
علماء ومشائخ سے شکایت	۹۳
اہل مدارس اور علماء ومشائخ کے لئے ضروری ہدایت سنی ہوئی بات پر یقین کرنے کا شرعی دستور العمل	۹۴

حسن ظن کیلئے دلیل کی ضرورت نہیں سوءظن کیلئے دلیل کا ہونا ضروری ہے	۹۵
دوسروں کی شکایت سے اثر نہ لینے کے متعلق حضرت حاجی امداد اللہ صاحب کی حکایت	۹۶
دوسروں کی حکایت وشکایت کا میں کبھی اثر نہیں لیتا	۹۷
شکایت سے اثر نہ لینے کے متعلق حضرت تھانویؒ کی ایک حکایت	۹۸
تمام مردوں کو اہم نصیحت	۹۹
اختلاف اور لڑائی کی بنیاد عموماً بدگمانی اور وہم پرستی پر ہوتی ہے	۹۹
جس کی طرف سے بدگمانی اور شکایت ہو اس کے ساتھ کیا کرنا چاہئے،	۱۰۰
بدگمانی حرام اور باہمی اختلاف کا ذریعہ ہے	۱۰۱
بدگمانی کے نقصانات	۱۰۲
بدگمانی کا علاج	۱۰۳
بدگمانی، بدزبانی، عیب گوئی، عیب جوئی کا علاج	۱۰۳
بدگمانی وبدزبانی حرام ہے جس سے سوءخاتمہ کا خطرہ ہے	۱۰۴
اہل حق پر سب وشتم کرنے کا وبال	۱۰۵
خبردار کسی کو حقیر مت سمجھو	۱۰۶
مرد مسلم کا مقام مسجد اور خانہ کعبہ سے بھی افضل ہے	۱۰۷
مرد مسلم ومؤمن کے ساتھ ہمارا غلط رویہ	۱۰۸
مسلمانوں کو آپس میں متحد رہنا چاہئے	۱۰۹
حرص ولالچ اور خواہش نفسانی کا اتباع بھی اختلاف وفساد کا ذریعہ ہے	۱۰۹
باہمی عداوت کا ایک بڑا سبب غیبت وچغلخوری	۱۱۰
عمومی مرض غیبت	۱۱۱

احکام الغیبت ۱۱۲
نااتفاقی کا بڑا سبب زبان بے لگام ۱۱۳
قلم اور تحریر کے ذریعہ عیب گوئی وعیب جوئی اور غیبت کا مشغلہ ۱۱۴
غیبت کی ایک شاخ ۱۱۶
چغلخور کا علاج ۱۱۷
اپنے کو اچھا اور دوسروں کو حقیر اور گنہگار سمجھنے کا مرض ۱۱۷
دوسروں کے عیوب پر نظر کرنا ۱۱۹
اپنی اصلاح کے بجائے دوسرے کی فکر میں پڑنا ۱۲۰
حالات کی تفتیش اور عیب جوئی کا کس کو حق ہے ۱۲۲
تجسس اور عیب جوئی کے احکام اور جواز کے مواقع ۱۲۳
اصلاح کا طریقہ اور خیر خواہی کا تقاضا ۱۲۳
اپنے کو بھول کر دوسرے کو الزام دینا ۱۲۴
ہمارے اکابر کا انداز فکر، حضرت ذوالنون مصری کا حال ۱۲۵
مولانا اسمٰعیل شہیدؒ کا حال ۱۲۶
بغض فی اللہ کا ایک امتحان ۱۲۷

باب ۵

اتحاد واتفاق اور الفت ومحبت کے باطنی اسباب ۱۲۸
اتحاد واتفاق اللہ تعالیٰ کے پیدا کرنے ہی سے پیدا ہوگا ۱۲۸
حق تعالیٰ باہم الفت ومحبت کیسے فرما دیتے ہیں ۱۲۹
اتحاد ومحبوبیت ایمان وعمل صالح میں منحصر ہے ۱۳۱
ایمان اور عمل صالح کی وجہ سے محبت پیدا ہوتی ہے ۱۳۱

محبت کا باطنی سبب	۱۳۲
محبت کا دوسرا باطنی راز	۱۳۳
اعمال صالحہ کی وجہ سے محبوبیت کیوں ہوجاتی ہے؟	۱۳۴
محبوبیت کے لئے تمام اسبابِ محبت کا جمع ہونا ضروری نہیں	۱۳۶
اختلاف کا باطنی سبب حق تعالیٰ کی نافرمانی کرنا ہے	۱۳۷
اسلامی احکام پر عمل کرو، حقوق کی ادائیگی کرو یقیناً اتحاد پیدا ہوجائے گا	۱۳۸
نماز وروزہ کو بھی اتحاد واتفاق اور محبوبیت میں بڑا دخل ہے	۱۳۹
پیر ومرشد اور بزرگوں سے اس قدر محبت کا راز	۱۴۰
خلوص والی محبت اور دوستی کبھی ختم نہیں ہوتی	۱۴۱
ایک اعتراض اور اس کا جواب	۱۴۲
لوگ نیک اور دیندار شخص کے مخالف کیوں ہوتے ہیں	۱۴۲
بددینوں میں اتحاد اور محبوبیت کی شان کیوں ہوجاتی ہے	۱۴۳
تبلیغ کرنے اور نصیحت کرنے والوں سے لوگ کیوں نفرت کرتے ہیں	۱۴۴
اتحاد واتفاق کی اصل تواضع ہے	۱۴۴
تواضع کی حقیقت	۱۴۶
تواضع حاصل کرنے کا طریقہ	۱۴۷
چھوٹا اور تابع بن جانا کوئی عیب کی بات نہیں	۱۴۸
ایک تواضع نے پورا خاندان بچالیا اور تکبر نے پورا خاندان تباہ کردیا	۱۴۸
حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کا واقعہ	۱۴۹
ایک بزرگ کے تواضع کی حکایت	۱۵۰
حضرت مولانا اسماعیل شہیدؒ کی متواضعانہ حکایت	۱۵۱

حضرت شاہ اسحٰق صاحب دہلویؒ کی حکایت ۱۵۲
سرسید احمد کی وسعت ظرفی ۱۵۳
مروت وصبر اور رعایت سے متعلق دو حکایتیں ۱۵۴

باب ۶

اتحاد واتفاق کے حدود ۱۵۶
ہر اتفاق مطلوب نہیں اور ہر اختلاف مذموم نہیں ۱۵۶
اس مسئلہ کی تفصیل کہ ہر اختلاف مذموم نہیں بعض اختلاف حق اور درست بھی ہوتے ہیں ۱۵۸
ایک دنیادار واعظ اور شہزادہ کی حکایت ۱۵۹
بعض علماء کے باہمی اختلاف کی وجہ سے سارے علماء سے بدگمانی صحیح نہیں ۱۶۱
ایسا اتفاق ہرگز مطلوب نہیں کہ اہل باطل باطل پر جمے رہیں اور اہل حق ان سے اتفاق کرلیں ۱۶۳
اختلاف محمود ومذموم کا معیار اور اختلاف رحمت کا مصداق ۱۶۶
شریعت میں کون سا اختلاف مذموم ہے ۱۶۷
فساد کے معنٰی ۱۶۸
اختلاف کے محمود ومذموم ہونے کا معیار ۱۶۹
اختلاف کی وجہ سے فریقین اور پوری جماعت سے بدگمان ہونا صحیح نہیں ۱۶۹
فیصلہ کرنے اور صلح کرانے کا طریقہ ۱۷۰
اختلاف کی صورت میں فریقین سے بدگمان ہونا صحیح نہیں ۱۷۱
کون سی نااتفاقی مطلوب ہے ۱۷۲
ایسے اتفاق سے دینداروں کو الگ ہوجانا چاہئے ۱۷۲

اتحاد واتفاق کی عقلاً تین صورتیں	۱۷۳
ایک علمی اشکال اور اس کا جواب	۱۷۴
اصلاح کس اتفاق سے ہوتی ہے	۱۷۵
اتحاد واتفاق اور اخوت والفت بذات خود مقصود نہیں بلکہ اصل مقصود اللہ تعالیٰ کی رضامندی ہے	۱۷۶
باب ۷	
اختلاف کے حدود آداب	۱۷۸
عدل وانصاف کی ترغیب	۱۷۸
حد سے تجاوز کرنے والے شخص سے یقیناً مؤاخذہ ہوگا	۱۷۸
محبت وبغض اور رنج وغصہ میں اعتدال	۱۷۹
اتحاد میں بھی احتیاط چاہئے	۱۸۰
جس پر تم نے احسان کیا ہے اس کے بھی شر سے بچو	۱۸۱
دشمن کی نعمت زائل ہوجانے سے خوش ہونا	۱۸۲
ایک مسلمان کے دوسرے مسلمان پر واجبی حقوق	۱۸۲
ایک مسلمان کا دوسرے مسلمان پر یہ بھی حق ہے کہ اس کو دینی نقصان سے بچائے	۱۸۴
اختلاف کے باوجود ادب واحترام کی ضرورت	۱۸۴
پہلے لوگوں کا اختلاف	۱۸۵
اچھوں اور بروں، شریفوں اور غیر شریفوں کے اختلاف کا فرق	۱۸۶
دوسرے مسلک ومشرب والوں کا ادب واحترام اور ان کی رعایت	۱۸۶
بزرگوں اور بڑوں کے ادب واحترام کی اہمیت اور اس کا فائدہ	۱۸۸
حضرت تھانویؒ کا اپنے بڑوں کے ساتھ ادب واحترام	۱۸۸

ہمارے اسلاف ایسے تھے ۱۹۰
شیخ شمس الدین کی حکایت ۱۹۰
ہم لوگوں میں یہی باتیں ہیں جس کی وجہ سے ہم باہمی اختلاف کے شکار ہیں ۱۹۱
مظلوم کے لئے حکایت وشکایت کی اجازت ہے لیکن معمولی بات کو ہر جگہ گاتے پھرنا ظلم کے مرادف ہے ۱۹۳
باہم لڑنے والوں سے دوسرے حضرات کیا برتاؤ رکھیں باہم اختلاف کا ایک اور نقصان ۱۹۴
ضرورت کے موقع پر سختی کی بھی اجازت ہے ۱۹۷
سزا دینے اور سختی کرنے کا طریقہ ۱۹۸
غصہ وانتقام اللہ کے لئے نہ کہ شفاء غیظ کے لئے، حضرت علیؓ کی حکایت ۱۹۹

باب ۸

اختلافات ختم کیجئے اور مرنے کی تیاری کیجئے ۲۰۰
حضرت اقدس تھانویؒ کی امت سے درخواست ۲۰۰
وقت آنے سے پہلے معافی تلافی کرالیجئے ۲۰۱
معافی وتلافی کی فکر، حضرت اقدس حکیم الامت تھانویؒ کا اعلان ۲۰۲
میں اپنے تمام غیر مالی حقوق معاف کرتا ہوں ۲۰۴
ایک طالب علم سے معافی مانگنے کا حضرت تھانویؒ کا واقعہ ۲۰۵
معافی تلافی اور صلح صفائی ہوجانے کے بعد بھی دوستی اور تعلقات کا ہونا ضروری نہیں ۲۰۷
معافی ہوجانے کے بعد بھی بشاشت قلب اور دل ملنا ضروری نہیں ۲۰۸
ضروری تنبیہ ۲۱۰

طبیعتیں مختلف ہوتی ہیں ہر شخص سے الفت ومحبت وبے تکلفی ہونا ضروری نہیں ۲۱۰
سب وشتم کے جواب حضرت اقدس تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا مکتوب گرامی ۲۱۱
نقل خط، حضرت اقدس تھانویؒ کا جواب ۲۱۲
گستاخی اور بیہودہ حرکتوں کا کسی سے تذکرہ نہ کرنا ۲۱۲
جس نوع کی غلطی ہو معافی بھی اسی انداز کی ہونی چاہئے ۲۱۳
ضرورت کے وقت اپنوں کو چھوڑنے اور قطع تعلق کا طریقہ ۲۱۵

باب ۹

مخالفین ومعترضین کے جواب میں ۲۱۶
اللہ والوں کی مخالفت ہوتی ہی ہے ۲۱۶
معترضین کے اعتراضات بھی حق تعالیٰ کی نعمت ہیں ۲۱۶
مخالفین کے طعن وتشنیع کے جواب میں حضور ﷺ کا طرز عمل ۲۱۷
ظالموں کے ظلم کے جواب میں حضور ﷺ کے اخلاق حسنہ ۲۱۸
حسن اخلاق اور نرمی برتنے کا کچھ تو فائدہ ہوتا ہی ہے ۲۲۰
نرمی سے فائدہ نہ ہونے کی صورت میں سختی کی ضرورت ۲۲۲
غلط نظریئے کی تردید میں نرم پہلو اختیار کرنے کی ضرورت اور اس کا فائدہ ۲۲۳
متعصبین ومعترضین کے اعتراضوں کے جواب کے سلسلہ میں حضرت تھانویؒ کا نظریہ ۲۲۵
معترضین کے اعتراض اور طعن وتشنیع کے جواب میں حضرت تھانویؒ رحمۃ اللہ کا معمول ۲۲۶
مخالفین کی مخالفت کے جواب میں، حضرت تھانویؒ کے چند اشعار ۲۲۷
حضرت تھانویؒ کا حال ۲۲۸

اہل محبت کا اصرار اور اس کا جواب ۲۲۹
دینداری و خیر خواہی کا مقتضیٰ ۲۳۰
حضرت تھانویؒ کا ذوق ۲۳۰
اتحاد و اتفاق قائم رکھنے اور اختلاف سے بچنے کی اہم دعائیں ۲۳۱
مآخذ و مراجع ۲۳۲

اکابر علماء کے تاثرات

اس جامعیت کے ساتھ اب تک کام نہیں ہوا تھا

تاثرات حضرت مولانا سید صدیق احمد صاحب باندویؒ

نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

حکیم الامت حضرت مولانا مقتدانا الشاہ اشرف علی تھانویؒ کے بارے میں بزمانہ طالب علمی اکابر امت نے اس کا اندازہ لگالیا تھا کہ آگے چل کر مسند ارشاد پر متمکن ہوکر مرجع خلائق ہوں گے اور ہر عام وخاص ان کے فیوض وبرکات سے متمتع ہوں گے، چنانچہ حضرت اقدس کے کارہائے نمایاں نے اساطین امت کے اس خیال کی تصدیق کی، کہنے والے نے سچ کہا ہے: ''قلندر ہر چہ گوید دیدہ گوید''

خداوند قدوس نے حضرت والا کو تجدید اور احیاء سنت کے جس اعلیٰ مقام پر فائز فرمایا تھا اس کی اس دور میں نظیر نہیں، آج بھی مخلوق حضرت کی تصنیفات وارشادات عالیہ اور مواعظ حسنہ سے فیضیاب ہورہی ہے۔

حضرت کے علوم ومعارف کے سلسلہ میں مختلف عنوان سے ہندوپاک میں کام ہورہا ہے، لیکن بجا طور پر کہا جاسکتا ہے کہ اللہ پاک نے محض اپنے فضل سے عزیزی مولوی مفتی محمد زید سلمہ، مدرس جامعہ عربیہ ہتورا کو جس نرالے انداز سے کام کی توفیق عطا فرمائی اس جامعیت کے ساتھ ابھی تک کام نہیں ہوا تھا، اس سلسلہ کی (سات) درجن سے زائد ان کی تصانیف ہیں، بارگاہ ایزدی میں دعا ہے کہ اس کو قبولیت تامہ عطا فرمائے اور مزید توفیق نصیب فرمائے۔

احقر صدیق احمد غفرلہٗ خادم جامعہ عربیہ باندہ (یوپی)

حضرت تھانویؒ کے علوم ومعارف کا دائرۃ المعارف (انسائیکلوپیڈیا)

تاثرات مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ

فاضل عزیز مولوی محمد زید مظاہری ندوی مدرس جامعہ عربیہ ہتورا (بارک اللہ فی حیاتہ وفی افادتہ) نے جو حضرت حکیم الامت کے افادات وارشادات اور تحقیقات ونظریات کو مختلف عنوانوں اور موضوعات کے ماتحت اس طرح جمع کررہے ہیں کہ حضرت کے علوم وافادات کا ایک دائرۃ المعارف (انسائیکلوپیڈیا) تیار ہوتا جارہا ہے۔۔۔۔۔۔

ان خصوصیات اور افادیت کی بنا پر عزیز گرامی قدر مولوی محمد زید مظاہری ندوی نہ صرف تھانوی اور دیوبندی حلقہ کی طرف سے بلکہ تمام سلیم الطبع اور صحیح الفکر حق شناسوں اور قدردانوں کی طرف سے بھی شکریہ اور دعاء کے مستحق ہیں۔

اور اسی کے ساتھ اور اس سے کچھ زیادہ ہی داعی الی اللہ اور عالم ربانی مولانا قاری سید صدیق احمد باندوی سرپرست جامعہ عربیہ ہتورا باندہ (یوپی) اس سے زیادہ شکریہ اور دعاء کے مستحق ہیں جن کی سرپرستی اور نگرانی ہمت افزائی اور قدردانی کے سایہ میں ایسے مفید اور قابل قدر کام اور ان کے زیر اہتمام دانش گاہ اور تربیت میں انجام پارہے ہیں۔ اطال اللہ بقائہ وعمم نفعہ جزاہ اللہ خیرا۔

ابوالحسن علی ندوی

دائرہ شاہ علم اللہ حسنی رائے بریلی

۱۷ ذی الحجہ ۱۴۱۵ھ

مقدمہ

از حضرت مولانا سید محمد رابع صاحب حسنی ندوی دامت برکاتہم ناظم ندوۃ العلماء لکھنو

باہمی اتحاد کی اہمیت ایک تسلیم شدہ حقیقت ہے، خود اللہ تعالیٰ نے جابجا اس کا حکم فرمایا ہے، ارشاد ہوتا ہے: ﴿وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا﴾ (آل عمران:۱۰۳) (اور اللہ کی رسی کو تم سب مل کر مضبوطی کے ساتھ تھامے رہو اور پھوٹ مت ڈالو) دوسری جگہ ارشاد ہے: ﴿وَلَا تَنَازَعُوا فَتَفْشَلُوا وَتَذْهَبَ رِيحُكُمْ وَاصْبِرُوا﴾ (الانفال:۴۶) (اور آپس میں جھگڑا مت کرنا ورنہ تم ہمت ہار جاؤ گے اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی، اور جمے رہو) لیکن اس کے باوجود یہ امت کا ایک ایسا مرض ہے جو شروع سے چلا آرہا ہے، اسمیں کبھی کمی ہوتی ہے اور کبھی زیادتی اور کبھی کبھی اختلاف وانتشار اتنا بڑھ جاتا ہے لگتا کہ پوری امت خانوں میں بٹی ہوئی ہے، پھر ان اختلافات کی نوعیتیں مختلف ہوتیں ہیں، گھروں کے اختلافات، خاندانی اختلافات، جماعتوں کے جھگڑے، اداروں اور مدرسوں کے نزاعات، پھر مختلف فرقوں کی اپنی اپنی جگہ شدت یہ چھوٹے بڑے جھگڑے مل کر لگتا یہ ہے کہ پوری امت اختلاف کا شکار ہے، اس کا سب سے بڑا سبب خود رائی ہے، ہر شخص اور ہر جماعت اپنے فکر وخیال میں ایسی شدت اختیار کر لیتی ہے کہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ وحی الٰہی ہے اور اس سے ذرا بھی انحراف دین سے انحراف ہے، اس کا دوسرا سبب حبّ جاہ اور

حبِّ مال ہے، اس کے لئے بعض مرتبہ آدمی سب کچھ کرنے کو تیار ہو جاتا ہے، اور اس کو امت کی اجتماعیت کا ذرا بھی خیال نہیں رہتا۔

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ یہ اختلافات اگر حدود کے اندر ہوں تو یہ ایک طبعی تقاضہ ہے اور ایک ضرورت بھی، علمی و فکری رجحانات مختلف ہو سکتے ہیں، اور ان کی بنیادوں پر آدمی رائے قائم کر سکتا ہے، مگر ان میں حدود قائم رکھنا ضروری ہے، کبھی کبھی حالات ایسے ہوتے ہیں کہ اس کا اظہار نامناسب ہوتا ہے، اور کبھی اس کے اظہار کے لئے ایسی شکلیں اختیار کرنی ضروری ہوتی ہیں جو حالات کو نارمل رکھیں، اور یہ چیز انتشار کا ذریعہ نہ بنے۔

موجودہ دور میں پوری اسلامی دنیا ان ہی حالات سے دوچار ہے، ہر فرد اور ہر جماعت کو اپنے اپنے طریق کار اور اپنی اپنی رائے پر اصرار ہے، اور کوئی ایک قدم بھی تنازل کرنے کو تیار نہیں ہوتا، حالانکہ سیرت طیبہ میں اس کی دسیوں مثالیں ملتی ہیں، خود آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی رائے قائم فرمائی لیکن اگر اس سے ہٹ کر کوئی مشورہ سامنے آیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی رائے بدل دی، جنگ احد کے موقع پر یہی صورت حال پیش آئی، آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رائے یہ تھی کہ اندر رہ کر مقابلہ کیا جائے، مدینہ منورہ سے باہر نکلنے کی ضرورت نہیں، مگر وہ نوجوان صحابہ جو غزوۂ بدر میں جانے سے رہ گئے تھے ان کی رائے باہر نکل کر مقابلہ کرنے کی ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی رائے بدل دی، ایسی دسیوں مثالیں سیرت میں مل سکتی ہیں جن سے سبق لینے کی ضرورت ہے۔

پیش نظر کتاب کا یہی موضوع ہے کہ ان اختلافات کے موقع پر کیا حکمت عملی اختیار کی جائے، اور کس حد تک ان کو باقی رکھنا مناسب ہے، اور ان کے

حدود کیا ہیں، حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے اپنی تصنیفات میں مواعظ وملفوظات میں جو کچھ اس موضوع پر کہا یا لکھا ہے، یہ کتاب اسی مجموعہ کا ایک حصہ ہے، جو عزیز گرامی قدر مولوی محمد زید مظاہری ندوی نے مرتب کی ہے، میں عزیز موصوف کو مبارکباد دیتا ہوں کہ انہوں نے اپنے وقت کے ایک حاذق حکیم اور صاحب بصیرت عالم ربانی کی ان تحریروں اور ملفوظات کو اس موضوع پر یکجا کر کے لوگوں کے لئے آسانی پیدا کردی، اللہ تعالیٰ اس کو قبول کرے اور مفید بنائے۔

محمد رابع حسنی

۱۴ر ج ۲ر ۱۴۲۷ھ

جدت وقدامت کا سنگم

مولانا سید سلمان حسینی ندوی مدظلہ، ندوۃ العلماء لکھنؤ

مولانا محمد زید مظاہری ندوی کی جدت وقدامت نے انہیں دوآتشہ بنادیا ہے، یعنی طرز قدیم کے بزرگوں کے ایک ایک ملفوظ کی تحقیق وترتیب جدید میں مصروف ہیں، اور جدید وسائل کتابت وطباعت سے کام لے کر اپنی تصنیفی خدمات کو انہوں نے تحقیقی مقام تک بھی پہونچادیا ہے، اور دیدہ زیب بھی بنادیا ہے۔

مولانا مفتی محمد زید مظاہری ندوی کا تعارف ہی اہل علم میں حضرت تھانویؒ کی نسبت سے ہے، اس میں شک نہیں کہ تھانویؒ علوم معارف کی نسبت سے وہ کسی ''متخصص'' اور ''ڈاکٹر'' سے کم نہیں، یقیناً تھانویؒ علوم کی ترتیب وتحقیق پر انہیں پی، ایچ، ڈی کی ڈگری ملنی چاہئے۔

مقدمہ الکتاب

امت کے باہمی اختلافات اور ان کا حل

اتحاد و اتفاق اور تالیف قلوب اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں سے بڑی نعمت ہے، جیسا کہ آپس کا انتشار و اختلاف اور تفریق قلوب اللہ کی قہروں اور عذابوں میں سے بڑے درجہ کا عذاب ہے، موقع امتنان میں جہاں اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر انعامات و احسانات کا تذکرہ کیا ہے اس میں خاص طور پر اس کا بھی تذکرہ کیا ہے کہ اس وقت کو یاد کرو جب تم ایک دوسرے کے دشمن آپس میں لڑنے مرنے پر آمادہ تھے اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل سے تم میں اتحاد و اتفاق پیدا کر دیا۔

وَاذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖٓ اِخْوَانًا. (آل عمران پ۴)

اور تم پر جو اللہ تعالیٰ کا انعام ہوا ہے اس کو یاد کرو، جب کہ تم باہم دشمن تھے، پس اللہ تعالیٰ نے اب تمہارے قلوب میں ایک دوسرے کی الفت ڈال دی سو تم خدا تعالیٰ کے اس انعام سے آپس میں بھائی بھائی کی طرح ہو گئے۔

(بیان القرآن ص۴۵ ج۱)

وَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ لَوْ اَنْفَقْتَ مَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا مَّا اَلَّفْتَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ اَلَّفَ بَيْنَهُمْ اِنَّهٗ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ۔

(سورہ انفال پ۱۰)

اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے قلوب میں اتفاق پیدا کر دیا، اگر آپ (اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) دنیا بھر کا مال اس کام کے لئے خرچ کرتے تب بھی ان کے

قلوب میں اتفاق پیدا نہ کر سکتے لیکن اللہ ہی نے ان میں باہم اتفاق پیدا کر دیا بے شک وہ زبردست ہیں اور حکمت والے ہیں۔ (بیان القرآن سورہ انفال)

اسی طرح باہم متحد لوگوں کا آپس میں مختلف اور ٹکڑے ٹکڑے ہو جانے کو اللہ تعالیٰ نے موقع عذاب ونکال میں بیان فرمایا ہے، چنانچہ قوم سبا کا تذکرہ قرآن میں آیا ہے اللہ تعالیٰ نے ان کے ظلم اور کفران نعمت کی بنا پر ان کو منتشر اور ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔

وَظَلَمُوْا اَنْفُسَهُمْ فَجَعَلْنَاهُمْ اَحَادِيْثَ وَمَزَّقْنَاهُمْ كُلَّ مُمَزَّقٍ

(سورہ سبا پ۲۲)

اور انہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا، سو ہم نے ان کو افسانہ بنا دیا، اور ان کو بالکل تتر بتر کر دیا۔

علامہ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں:

كيف مكر الله بهم وفرق شملهم بعد الاجتماع والألفة والعيش والهنى تفرقوا في البلاد ههنا وههنا۔ (ابن کثیر ص۶۹۹ ج۳)

قوم سبا کے لوگ باہم متحد ہو کر الفت ومحبت کے ساتھ فراخی اور خوشحالی سے رہتے تھے، اللہ تعالیٰ نے ان کو منتشر کر اور ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔

واقعہ یہ ہے کہ باہمی اختلاف کے نقصانات اس قدر شدید اور سنگین ہوتے ہیں جس کا اندازہ لگانا مشکل ہے، بسا اوقات ایک معمولی سا اختلاف اگر اس کو ختم نہ کیا جائے دو خاندانوں کے اختلاف وبگاڑ کا ذریعہ بنتا ہے، اور نسل در نسل اس کا سلسلہ چلتا ہے، اختلاف کی نحوست کی بنا پر بسا اوقات حکومتیں مٹ جاتی ہیں، خاندان تباہ اور نسلیں ختم ہو جاتی ہیں، آپس کی قوت ختم ہو جاتی اور دشمنوں کے

حوصلے بلند ہونے لگتے ہیں، ایک دوسرے سے خوف و بے اطمینانی کا ماحول پیدا ہوکر ہر ایک بزدلی و پریشانی کا شکار ہوجاتا ہے، دشمن کے مقابلہ میں جو رعب و دبدبہ ہوتا ہے، آپس کے اختلاف کی وجہ سے وہ بھی جاتا رہتا ہے چنانچہ انہیں نقصانات سے اللہ تعالیٰ نے بھی اپنے بندوں کو آگاہ فرمایا ہے تاکہ ان نقصانات کو پیش نظر رکھتے ہوئے اختلافات سے بچیں چنانچہ حق تعالیٰ کا فرمان ہے:

وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَتَذْهَبَ رِيْحُكُمْ۔

اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو، اور باہم نزاع (جھگڑا) مت کرو، ورنہ باہمی نااتفاقی سے کم ہمت ہوجاؤ گے، کیونکہ قوتیں منتشر ہوجائیں گی ایک کو دوسرے پر وثوق نہ ہوگا، اور اکیلا آدمی کیا کرسکتا ہے۔

(بیان القرآن سورہ انفال)

دوسری جگہ مسلمانوں (صحابہ) کی کمزوری کا سبب یہ ذکر فرمایا:

حَتّٰٓى اِذَا فَشِلْتُمْ وَتَنَازَعْتُمْ فِى الْاَمْرِ (پ۴ آل عمران)

یہاں تک کہ جب تم ہی کمزور ہوگئے، اور باہم حکم میں اختلاف کرنے لگے

باہمی اختلاف کا یہ اتنا بڑا نقصان ہے کہ قرآن نے اس کو دوسرے موقع میں شرک کا خاصہ بتلایا ہے، یعنی کم ہمتی، بزدلی، مشرک قوموں میں شرک کی بنا پر پائی جاتی ہے۔

سَنُلْقِىْ فِىْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ كَفَرُوا الرُّعْبَ بِمَآ اَشْرَكُوْا بِاللّٰهِ.

(پ۴ آل عمران)

ہم کافروں کے دلوں میں رعب ڈالے دیتے ہیں اس سبب سے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کیا۔ (بیان القرآن)

یہ پست ہمتی اور مرعوبیت جس کو قرآن نے شرک کا خاصہ بتلایا ہے، باہمی اختلاف اور آپسی انتشار کا بھی یہی خاصہ بتلایا گیا ہے، گویا بعض آثار ونتائج کے لحاظ سے باہمی اختلاف شرک کے مشابہ ہے، اسی سے سمجھ لینا چاہئے کہ آپس کا اختلاف کتنی خطرناک چیز ہے کہ بعض آثار ونتائج کے لحاظ سے شرک کے درجہ میں ہے، اسی سنگینی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو حکم دیا ہے کہ اگر لوگوں میں آپس میں اختلاف ہوجائے تو دوسرے سنجیدہ سمجھ دار لوگوں کو چاہئے کہ ان میں صلح وصفائی کرا کے اختلاف ختم کرادیا کریں، چنانچہ ارشاد خداوندی ہے:

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ فَاَصْلِحُوْا بَيْنَ اَخَوَيْكُمْ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ۔

مسلمان تو سب بھائی ہیں سو اپنے دو بھائیوں کے درمیان اصلاح کردیا کرو (تاکہ اخوت قائم رہے)

(بیان القرآن)

وَاِنْ طَآئِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اقْتَتَلُوْا فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا فَاِنْ بَغَتْ اِحْدٰهُمَا عَلَى الْاُخْرٰى فَقَاتِلُوا الَّتِيْ تَبْغِيْ حَتّٰى تَفِيْٓءَ اِلٰٓى اَمْرِ اللّٰهِ فَاِنْ فَآئَتْ فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا بِالْعَدْلِ وَاَقْسِطُوْا اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ (پ۲۶ سورہ حجرات)

اور اگر مسلمانوں کے دو گروہ آپس میں لڑ پڑیں تو ان کے درمیان اصلاح کردو، (یعنی لڑائی موقوف کرادو) (بیان القرآن، حجرات)

بلاشبہ آپس کا اتحاد واتفاق حق تعالیٰ کی رحمت کو نازل کرنے والا اور باہمی اختلاف ونزاع رحمت کو اٹھانے اور ختم کرنے والا ہے۔

ان ہی سب وجوہات کی بناپر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو امت میں اتحاد پیدا کرنے اور قائم رکھنے کا بڑا اہتمام تھا، اور ہمیشہ آپ نے امت کو اختلاف سے بچانے کی کوشش فرمائی، آپ کی حیات میں بعض موقعوں میں صحابہ کرام میں کچھ اختلاف ہوا آپ تشریف لے گئے اور ان میں صلح وصفائی کرائی، اور ایک موقع پر آپ نے بہت لمبی نماز ادا فرمائی اور نماز کے بعد بڑی لجاجت اور آہ وزاری کے ساتھ تین دعائیں مانگیں جن میں دو دعائیں تو آپ کی قبول ہوئیں تیسری قبول نہیں ہوئی، آپ نے دعاء مانگی تھی کہ یا اللہ میری امت قحط سے ہلاک نہ کی جائے، دوسری دعاء مانگی تھی کہ یا اللہ میری امت پر ایسے ظالم حکمراں کو مسلط نہ کیجئے جو پوری امت کا صفایا کردیں، یہ دونوں دعائیں آپ کی قبول ہوئیں، تیسری دعاء آپ نے فرمائی تھی کہ یا اللہ میری امت میں آپس میں اختلاف نہ ہو، میری امت باہم لڑے جھگڑے نہیں، چونکہ اللہ تعالیٰ کو معلوم تھا کہ یہ امت لڑے جھگڑے گی اس لئے اللہ تعالیٰ نے آپ کی یہ دعاء قبول نہیں فرمائی آپ فرماتے ہیں فمنعنیھا کہ اللہ رب العزت نے اس دعاء سے مجھے منع فرمادیا۔

(مسلم شریف، ترمذی شریف، ابواب الفتن)

اللہ تعالیٰ کے علم میں یہ بات تھی کہ یہ امت باہم لڑائی جھگڑوں اور فتنوں سے محفوظ نہ رہے گی اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ دعاء جو اگرچہ قبول نہیں لیکن اس کے ساتھ ہی جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تشریعی طور پر امت کو ایسی ہدایتیں اور ایسے قیمتی نسخے عطا فرمائے کہ اگر امت ان کو اختیار کرے تو آپس کا کینہ بغض، حسد، رنجش واختلاف سب ختم ہوسکتا ہے، اب امت ان نسخوں سے فائدہ نہ اٹھائے یہ اس کا قصور ہے، تقدیری اور تکوینی طور پر اختلاف کی

خبر دینے سے یہ ہرگز لازم نہیں آتا کہ امت اسبابِ اختلاف سے پرہیز کرنے اور اسباب اتحاد کو اختیار کرنے کی مکلّف بھی نہیں، پوری امت اور امت کے ہر طبقہ پر یہ لازم ہے کہ اختلاف ختم کر کے اتحاد و اتفاق قائم کرنے اور اس کو برقرار رکھنے کی کوشش کرے، اس کا نتیجہ خواہ کچھ بھی نکلے، لیکن امت کو مکلّف بنایا گیا ہے کہ ان اسباب کو اختیار کرے، مثلاً آپ نے فرمایا آپس میں سلام کا اہتمام کرو، اس سے محبت پیدا ہوتی ہے، اس کے بغیر ایمان کامل نہیں ہوسکتا، آپ نے مصافحہ کا بھی حکم دیا اور فرمایا مصافحہ کرنے سے دل کا کینہ اور بغض دور ہوتا ہے، آپ نے فرمایا ہدایا تحائف کا لین دین کیا کرو، اس سے محبت ہوگی، کوئی بیمار ہو جائے اس کی مزاج پرسی کرو، عیادت کرو، خیر و خیریت دریافت کرو، ایک دوسرے کی مدد کرو، انتقال کی خبر ملے جنازہ میں شرکت کرو، چھینکنے والے کو "یرحمک اللہ" کہہ کر جواب دو، چھوٹے اپنے بڑوں کا اکرام کریں، بڑے چھوٹوں پر شفقت کریں، جو ایسا نہ کریں ان سے ہمارا کوئی تعلق نہیں۔ یہ ساری باتیں مختلف موقعوں میں آپ نے بیان فرمائیں۔

بیشک بسا اوقات باہم تکرار اور رنجش کی نوبت بھی آجاتی ہے لیکن آپ نے حکم دیا کہ اب بھی تین دن سے زائد سلام کلام بند کرنے کی اجازت نہیں اور اللہ کے نزدیک افضل اور اللہ تعالیٰ کے زیادہ قریب وہ شخص ہے جو سلام میں پہل کرے (مشکوٰۃ شریف ۴۲۷) آپ نے اپنی امت کو حکم دیا کہ ملاقات اور زیارت کیا کرو، جس میں صرف ملاقات ہی مقصود ہو اور آپ نے خبر دی کہ جو ایسا کریں گے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن عرش کے سایہ کے نیچے ان کو جگہ دے گا۔ (مسلم)

آپ نے بشارت دی اپنے امتی کے ایسے شخص کو جو حق پر ہونے کے

باوجود محض لڑائی جھگڑے سے بچنے اور اس کو ختم کرنے کے لئے اپنے حق سے دستبردار ہو جائے، بڑا ہونے کے باوجود چھوٹا بن جائے غلطی نہ ہونے کے باوجود تواضع اختیار کرلے، آپ نے فرمایا کل قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ایسے شخص سے فرمائے گا کہ جنت کے جس دروزاے سے چاہے داخل ہو جائے، جس حور کو چاہے لے لے۔ (ابوداؤد کتاب الادب)

یہ اور اسی نوع کی بہت سی ہدایتیں اور نسخے آپ نے اپنی امت کو عطا فرمائے ہیں جن کے اختیار کرنے سے اختلاف ختم ہوتا اور اتحاد قائم ہوتا ہے جب چاہے تجربہ کر لیجئے، فکری نظریاتی اور مسلکی اختلافات کے باوجود ان نسخوں کو استعمال کیجئے انشاء اللہ باہم محبت پیدا ہوگی فاصلے کم اور دوریاں ختم ہوں گی۔

اختلاف کسی نوعیت کا ہو اور اس کا تعلق کسی بھی شعبہ سے یا جماعت سے ہو، ہر اختلاف میں حق و باطل، محمود یا مذموم ہونے کا احتمال قائم کیا جاسکتا ہے، شریعت کی رو سے نہ ہر اتحاد محمود ہے اور نہ ہر اختلاف مذموم، چند افراد کسی ایک شخص کی ایذاء رسانی پر، چوری کرنے یا کسی غلط کام پر اتحاد کرلیں دنیا کا کوئی عقلمند اس اتحاد کو محمود نہیں کہہ سکتا اور کسی غلط کام پر متحد ہونے والی جماعت سے چند افراد اختلاف کریں کہ نہیں یہ کام غلط ہے نہیں کرنا ہے، اس اختلاف کو کوئی عقلمند مذموم نہیں کہہ سکتا۔

الغرض نہ ہر اختلاف مذموم اور نہ ہر اتحاد محمود، بہت سے نبیوں نے حق کی دعوت دی، حق کا اظہار کیا جس کے نتیجہ میں اختلاف وانتشار ہوا لیکن اس اختلاف کو ہرگز اختلاف مذموم نہیں کہا جاسکتا، اختلاف کے شریعت نے حدود وقیود مقرر کئے ہیں، کچھ معیار بھی بتلائے ہیں، جن کے ذریعہ سے فیصلہ کیا جاسکتا ہے کہ یہ اختلاف محمود ہے یا مذموم۔

اختلاف دنیا داروں میں بھی ہوتا ہے اور دینی حلقوں میں بھی، ارباب سیاست میں بھی اور ذی منصب وقار سنجیدہ لوگوں میں بھی، اہل مدارس ومساجد میں بھی، مختلف تحریکوں وتنظیموں اور جمعیتوں وجماعتوں میں بھی۔

الغرض مختلف اغراض ومقاصد کے پیش نظر امت کے مختلف طبقات میں اختلاف پایا جاسکتا ہے اور پایا جارہا ہے لیکن اختلاف کی کوئی بھی قسم ہو اس کے محمود یا مذموم ہونے کا فیصلہ کرنے کے لئے شرعی حدود وقیود کا سہارا لینا ضروری ہے۔

عرب وعجم کے علماء کرام نے اس موضوع پر مختلف کتابیں لکھی ہیں جن سے اس سلسلہ میں رہنمائی حاصل کی جاسکتی ہے، گذشتہ صدی میں ایک محقق بزرگ گذرے ہیں جن کو مصلح امت، مجدد الملت حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے، انہوں نے اس موضوع سے متعلق تفصیلی کلام فرمایا ہے، تصانیف میں بھی، ملفوظات ومواعظ میں بھی جن سے باہمی اختلافات کے حدود وقیود اور اس کے محمود ومذموم ہونے کا معیار بھی معلوم ہوتا ہے اور اس کے ساتھ اختلاف واتحاد کے ظاہری وباطنی اسباب کا بھی علم ہوتا ہے، اختلاف کی جو بھی قسم ہو اس کا اسلام نے جو حل بتایا ہے اس سے بھی پوری واقفیت ہوتی ہے، لیکن محقق تھانویؒ کا یہ کلام ان کے مواعظ وملفوظات اور دیگر تصانیف میں پھیلا ہوا تھا، احقر نے مطالعہ کے بعد ان کو چن چن کر یکجا اور مرتب کیا جو آپ کے سامنے ہے، یہ مجموعہ اس کی پہلی قسط ہے جس میں اختلاف کی مذمت اور اتحاد کی مطلوبیت نیز اتحاد واختلاف کے ظاہری وباطنی اسباب، اور اختلاف کے اصول وآداب حدود وقیود اور اس کے محمود یا مذموم ہونے کے معیار کو بتلایا گیا ہے، اور ایسے مضامین جمع کئے گئے ہیں جن سے اتحاد واتفاق کا جذبہ پیدا ہوتا ہے

اور اس کے اسباب اختیار کرنے کی توفیق ہوتی ہے۔

دوسرے حصہ میں دینی مدارس اور علماء کے نیز مختلف دینی تحریکوں و تنظیموں کے باہمی اختلافات اور ان کا حل پیش کیا گیا ہے۔

تیسرے حصہ میں امت کے مختلف طبقات اور مختلف جماعتوں، پارٹیوں، خاندانوں اور افراد کے باہمی اختلافات اور اس کے حدود قیود بتلاتے ہوئے اسلامی حل پیش کیا گیا ہے۔

یہ کتاب آج سے تقریباً بیس بائیس برس قبل سے زیر ترتیب رہی اس کی ترتیب میں حضرت مولانا سید صدیق احمد باندویؒ کی نگرانی اور توجہ و دعائیں شامل رہیں لیکن دوسرے کاموں کی وجہ سے اس کی تکمیل اور اشاعت کی نوبت نہ آسکی ،الحمدللہ اب اس کی پہلی قسط منظر عام پر آرہی ہے، دوسری قسط کی بھی کتابت ہوچکی ہے، تیسری قسط زیر ترتیب ہے، سب کی ضخامت تقریباً برابر ہے۔

اس کتاب کی ترتیب میں سب سے زیادہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ دعاء پیش نظر رہی ہے جو آپ نے اللہ رب العالمین سے نہایت لجاجت اور آہ وزاری کے ساتھ کی تھی کہ یااللہ میری امت میں اختلاف نہ ہو، لیکن آپ کی وہ دعاء مقبول نہ ہوئی اس کے باوجود آپ نے امت کو ایسی ہدایات دیں اور ایسے اصول وآداب اور نسخے بتلائے کہ ان کو پیش نظر رکھتے ہوئے اختلافات پر قابو پایا جاسکتا ہے اور امت میں اتحاد قائم رہ سکتا ہے، بس اس کتاب کی ترتیب کا مقصد یہی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس مقصد اور خواہش کی تکمیل کسی درجہ میں ہوجائے اور آپ کی اس دعاء میں شرکت کی سعادت نصیب ہوجائے، شاید یہ مختصر مجموعہ اور معمولی سی کوشش امت سے اختلاف مٹانے اور اتحاد قائم کرنے میں

مفید و معین ثابت ہو، قارئین کرام سے گذارش ہے کہ وہ بھی اسی جذبہ سے حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے ان دینی مضامین سے فائدہ اٹھائیں اور امت میں اتحاد و اتفاق قائم کرنے کی کوشش کر کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا اور مقصد کی تکمیل میں شرکت کی سعادت حاصل کریں، اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس کی توفیق نصیب فرمائے اور اس حقیر کی کوشش کو اپنی بارگاہ میں قبول فرمائے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روح مبارک کی تسکین و خوشی کا ذریعہ بنائے۔

والسلام

محمد زید مظاہری ندوی

استاذ حدیث

دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

۵ر شوال ۱۴۳۶ھ

امت کے باہمی اختلافات اوران کا حل (۱)

اتحاد واتفاق کی اہمیت اور اختلاف کی مذمت عقل ونقل کی روشنی میں
علماء ومشائخ اور دینی مدارس، اور مختلف جماعتوں کے باہمی اختلافات اوران کا حل

افادات

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ

انتخاب وترتیب

محمد زید مظاہری ندوی
استاد حدیث دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للّٰہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ
سید المرسلین محمد وعلیٰ آلہٖ واصحابہٖ اجمعین

باب ۱

اتحاد واتفاق سے متعلق آیات قرآنیہ

اتحاد قائم رکھنے کا حکم

(۱) اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ. بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ط یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا.... اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ وَلَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَتَذْھَبَ رِیْحُکُمْ وَاصْبِرُوْا اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ ۝ (انفال پ۹)

ترجمہ: اے ایمان والو! اللہ ورسول کی اطاعت کرو اور آپس میں جھگڑا نہ کرو، ورنہ آپسی نااتفاقی سے تم بزدل وکم ہمت ہوجاؤ گے، اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی (کیونکہ قوتیں منتشر ہوجائیں گی، اور ایک کو دوسرے پر اعتماد نہ ہوگا) اور اگر کوئی ناگوار بات پیش آئے تو اس پر صبر کرو، بیشک اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہیں۔ (بیان القرآن)

(فائدہ) باہم اتحاد واتفاق کا قرآن مجید میں بھی حکم دیا گیا ہے، دیکھئے! اس آیت میں اتفاق کے مسئلہ کو (کتنی اہمیت سے) بیان فرمایا ہے، اس پر بے شک ہم فخر کریں گے کہ قرآن مجید نے ہم کو کیسے عجیب غریب مسئلہ کی تعلیم کی ہے۔

(الاتفاق ملحقہ آداب انسانیت ص ۴۳۰)

(۲) وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا (آل عمران پ۴)

ترجمہ: اور مضبوط پکڑے رہو اللہ تعالیٰ کے سلسلہ کو اس طور پر کہ تم سب باہم متفق بھی رہو اور باہم نااتفاقی مت کرو۔ (بیان القرآن)

دو جماعتوں میں اختلاف ہو جانے کی صورت میں صلح کرا دینے کا حکم

(۳) وَاِنْ طَآئِفَتٰنِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اقْتَتَلُوْا فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا فَاِنْ بَغَتْ اِحْدٰىهُمَا عَلَى الْاُخْرٰى فَقَاتِلُوا الَّتِيْ تَبْغِيْ حَتّٰى تَفِيْٓءَ اِلٰٓى اَمْرِ اللّٰهِ ۚ فَاِنْ فَآءَتْ فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا بِالْعَدْلِ وَاَقْسِطُوْا ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ۝ (سورہ حجرات پ۲۶)

ترجمہ: اور اگر مسلمانوں میں دو گروہ آپس میں لڑ پڑیں تو ان کے درمیان اصلاح کر دو، پھر اگر ان میں کا ایک گروہ دوسرے پر زیادتی کرے تو اس گروہ سے لڑو جو زیادتی کرتا ہے یہاں تک کہ وہ خدا کے حکم کی طرف رجوع ہو جاوے، پھر اگر رجوع ہو جاوے تو ان دونوں کے درمیان عدل کے ساتھ اصلاح کر دو اور انصاف کا خیال رکھو، بے شک اللہ تعالیٰ انصاف والوں کو پسند کرتا ہے۔ (حجرات پ۲۶)

(۴) اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ فَاَصْلِحُوْا بَيْنَ اَخَوَيْكُمْ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ۝ (حجرات پ۲۶)

ترجمہ: مسلمان تو سب بھائی ہیں سو اپنے دو بھائیوں کے درمیان اصلاح

کردیا کرو اور اللہ سے ڈرتے رہا کرو، تاکہ تم پر رحمت کی جائے۔

(بیان القرآن پ۲۶ حجرات)

(۵) وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَاءُ بَعْضٍ يَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ • (سورہ توبہ پ۱۰)

ترجمہ: اور مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں آپس میں ایک دوسرے کے دینی رفیق (دوست) ہیں نیک باتوں کی تعلیم دیتے ہیں اور بری باتوں سے منع کرتے ہیں۔ (بیان القرآن)

اختلاف ختم کرانے اور صلح کرانے کا طریقہ

(۶) يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ • فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِيْلًا (نساء پ۵)

ترجمہ: اے ایمان والو! تم اللہ کا کہنا مانو اور رسول کا کہنا مانو، اور تم میں جو لوگ اہل حکومت ہیں ان کا بھی، پھر اگر کسی امر میں تم باہم اختلاف کرنے لگو تو اس امر کو اللہ اور اس کے رسول کے حوالے کردیا کرو، اگر تم اللہ پر اور یوم قیامت پر ایمان رکھتے ہو، یہ امور سب بہتر ہیں اور ان کا انجام خوشتر ہے۔ (بیان القرآن)

(۷) يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا كُوْنُوْا قَوَّامِيْنَ لِلّٰهِ شُهَدَاءَ بِالْقِسْطِ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰى اَنْ لَّا تَعْدِلُوْا اِعْدِلُوْا هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌ بِمَا تَعْمَلُوْنَ • (مائدہ پ۶)

ترجمہ: اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ کے لئے پوری پابندی کرنے

والے، انصاف کے ساتھ شہادت ادا کرنے والے رہو، اور کسی خاص قوم کی عداوت تمہارے لئے اسکا باعث نہ ہو جائے کہ تم عدل نہ کرو، عدل کیا کرو کہ وہ تقویٰ سے زیادہ قریب ہے اور اللہ سے ڈرو، بلاشبہ اللہ تعالیٰ کو تمہارے سب اعمال کی پوری اطلاع ہے۔ (بیان القرآن)

(۸) یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُوْنُوْا قَوّٰمِیْنَ بِالْقِسْطِ شُھَدَاءَ لِلّٰہِ وَلَوْعَلٰی اَنْفُسِکُمْ اَوِالْوَالِدَیْنِ وَالْاَقْرَبِیْنَ. (سورہ نساء پ ۵)

اے ایمان والو! انصاف پر خوب قائم رہنے والے اللہ کے لئے گواہی دینے والے رہو اگرچہ اپنی ذات پر ہو یا یہ کہ والدین اور دوسرے رشتہ داروں کے مقابلہ میں ہو۔ (بیان القرآن)

آپس کا اتحاد و اتفاق اور باہمی الفت و محبت اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے

(۹) وَاذْکُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰہِ عَلَیْکُمْ اِذْ کُنْتُمْ اَعْدَاءً فَاَلَّفَ بَیْنَ قُلُوْبِکُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِہٖ اِخْوَانًا • (آل عمران پ ۴)

ترجمہ: اور تم پر جو اللہ تعالیٰ کا انعام ہے اس کو یاد کرو، جب کہ تم دشمن تھے، پس اللہ تعالیٰ نے تمہارے قلوب میں الفت ڈال دی سو تم خدا تعالیٰ کے انعام سے آپس میں بھائی بھائی ہو گئے۔ (بیان القرآن)

(۱۰) وَاَلَّفَ بَیْنَ قُلُوْبِھِمْ لَوْاَنْفَقْتَ مَافِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا مَّآاَلَّفْتَ بَیْنَ قُلُوْبِھِمْ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ اَلَّفَ بَیْنَھُمْ اِنَّہٗ عَزِیْزٌ حَکِیْمٌ • (الانفال پ ۱۰)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے قلوب میں اتفاق پیدا کردیا (اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) اگر آپ دنیا بھر کا مال خرچ کرتے تب بھی ان کے قلوب میں اتفاق پیدا نہ کرسکتے، لیکن اللہ ہی نے ان میں باہم اتفاق پیدا کردیا بیشک وہ زبردست ہیں، حکمت والے ہیں۔ (بیان القرآن)

حق تعالیٰ کے چند وہ احکام جن کی رعایت نہ کرنے سے آپس میں اختلاف اور باہم کشیدگی پیدا ہوتی ہے

(۱) یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا یَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ عَسٰۤى اَنْ یَّكُوْنُوْا خَیْرًا مِّنْهُمْ ۚ وَ لَا نِسَآءٌ مِّنْ نِّسَآءٍ عَسٰۤى اَنْ یَّكُنَّ خَیْرًا مِّنْهُنَّ.

(حجرات پ۲۶)

ترجمہ: اے ایمان والو نہ مردوں کو مردوں پر ہنسنا چاہیے کیا عجب ہے کہ (جن پر ہنستے ہیں) وہ ان (ہنسنے والوں سے) خدا کے نزدیک بہتر ہوں، اور نہ عورتوں کو عورتوں پر ہنسنا چاہیے کیا عجب ہے کہ وہ ان سے بہتر ہوں۔

(بیان القرآن حجرات پ۲۶)

(۲) وَ لَا تَلْمِزُوْۤا اَنْفُسَكُمْ وَ لَا تَنَابَزُوْا بِالْاَلْقَابِ ؕ بِئْسَ الِاسْمُ الْفُسُوْقُ بَعْدَ الْاِیْمَانِ ۚ وَ مَنْ لَّمْ یَتُبْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۰

(حجرات پ۲۶)

ترجمہ: اور ایک دوسرے کو طعنہ نہ دو اور نہ ایک دوسرے کو برے لقب سے پکارو، ایمان لانے کے بعد گناہ کا نام لگنا (ہی) برا ہے اور جو ان حرکتوں سے باز نہ آئیں گے تو وہ ظلم کرنے والے ہیں۔ (حجرات پ۲۶)

(۳) وَيْلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةٍ • (همزه پ ۳۰)

ترجمہ: بڑی خرابی ہے ہر ایسے شخص کے لئے جو پس پشت عیب نکالنے والا ہو اور روبرو طعنہ دینے والا ہو۔ (بیان القرآن)

(۴) يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا كَثِيْرًا مِّنَ الظَّنِّ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ وَّلَا تَجَسَّسُوْا وَلَا يَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضًا • (حجرات ۲۶)

ترجمہ: اے ایمان والو! بہت سے گمانوں سے بچا کرو، کیونکہ بعض گمان گناہ ہوتے ہیں، اور سراغ مت لگایا کرو اور کوئی کسی کی غیبت نہ کیا کرے۔

(۵) وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰٓئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُوْلًا • (بنی اسرائیل پ ۱۵)

ترجمہ: اور جس بات کی تجھ کو تحقیق نہ ہو اس پر عمل درآمد مت کیا کرو، کیونکہ کان اور آنکھ اور دل ہر شخص سے ان سب کی قیامت کے دن پوچھ ہوگی (اس لئے بے تحقیق بات پر وثوق کر کے اس پر عمل مت کرو) (بیان القرآن)

احادیث نبویہ

رسول اللہ ﷺ کے وہ ارشادات جن کی رعایت کرنے سے اتحاد واتفاق قائم رہتا ہے ورنہ اختلاف وفساد ہوتا ہے

(۱) عَنْ اَبِیْ سَعِيْدِنِ الْخُدْرِیِّ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ: مَنْ رَاٰی مِنْكُمْ مُنْكَرًا فَلْيُغَيِّرْهُ بِيَدِهٖ فَاِنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِهٖ فَاِنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِهٖ وَذٰلِكَ اَضْعَفُ الْاِيْمَانِ • (مسلم و ترمذی)

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدریؓ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل فرماتے ہیں کہ اگر تم میں سے کوئی کسی غلط کام کو دیکھے تو اسکو اپنے ہاتھ سے بدل دے، اور اگر یہ نہ کر سکے تو اپنی زبان سے اس کو بدل دے، اور اگر یہ بھی نہ ہو سکے تو اپنے دل سے اس کو برا جانے اور یہ ایمان کا سب سے کمتر درجہ ہے۔

(۲) عَنْ اَبِیْ اُمَامَةَ "اِذَا رَاَیْتُمْ اَمْرًا لَا تَسْتَطِیْعُوْنَ غَیِّرُوْهُ فَاصْبِرُوْا حَتّٰی یَکُوْنَ اللّٰهُ هُوَ الَّذِیْ یُغَیِّرُهُ" (الکبیر، جمع الفوائد)

ترجمہ: حضرت ابوامامہ فرماتے ہیں کہ جب کوئی ایسی چیز دیکھو کہ جس کو تم بدلنے پر قادر نہ ہو تو صبر کرو حتیٰ کہ اللہ ہی اس کو بدل دے۔

(۳) عَنْ وَاثِلَةَ بْنِ الْاَسْقَعِ قلت: یَارَسُوْلَ اللّٰهِ! مَا الْعَصَبِیَّةُ؟ "قَالَ اَنْ تُعِیْنَ قَوْمَکَ عَلَی الظُّلْمِ" (ابوداؤد)

ترجمہ: حضرت واثلہ بن الاسقع فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! عصبیت کیا ہے؟ آپ نے ارشاد فرمایا عصبیت یہ ہے کہ تم اپنی قوم کا ظلم پر ساتھ دو اور مدد کرو۔

(۴) خَیْرُکُمُ الْمُدَافِعُ مِنْ عَشِیْرَتِهٖ مَالَمْ یَاْثَمْ (ابوداؤد)

ترجمہ: فرمایا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ تم میں سب سے بہتر وہ ہے جو کہ اپنے خاندان کی طرف سے مدافعت کرے، مگر بہتری اسی وقت تک ہے جب تک کہ (اس مدافعت میں ایسا کوئی کام یا بات نہ کرے کہ) اس کی وجہ سے گناہ میں پڑے۔ (ماخوذ از بوادر النور، رسالہ احکام الائتلاف فی احکام الاختلاف)

(۵) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ: "اِیَّاکُمْ وَالظَّنَّ فَاِنَّ الظَّنَّ اَکْذَبُ الْحَدِیْثِ وَلَا تَجَسَّسُوْا وَلَا

تَحَسَّسُوْا وَلَاتَنَاجَشُوْا، وَلَا تَحَاسَدُوْا وَلَا تَبَاغَضُوْا وَلَا تَدَابَرُوْا وَكُوْنُوْا عِبَادَاللّٰهِ اِخْوَانًا وَفِيْ رِوَايَةٍ وَلَاتَنَافَسُوْا" (متفق علیہ مشکوۃ)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل فرمایا "بدگمانی سے بچو، بدگمانی سب سے بڑا جھوٹ ہے (کسی کی) ٹوہ میں مت رہو، جاسوسی مت کیا کرو، ایک کو دوسرے کے خلاف مت بھڑکاؤ، آپس میں حسد نہ کرو ایک دوسرے سے بغض نہ کرو، اور نہ قطع تعلق کرو اور اللہ کے بندو! بھائی بھائی بن کر رہو اور ایک روایت میں ہے کہ (دنیوی امور میں) ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش مت کرو۔

(۶) عَنْ اَبِیْ صِرْمَةَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "مَنْ ضَارَّ ضَارَّ اللّٰهُ بِهٖ وَمَنْ شَاقَّ شَاقَّ اللّٰهُ بِهٖ" (ابن ماجہ، ترمذی)

ترجمہ: حضرت ابوصرمہ کی روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو آدمی دوسروں کو نقصان پہونچاتا ہے اللہ اس کو نقصان میں ڈالتا ہے اور جو دوسروں کو مشقت میں ڈالتا ہے اللہ اس کو مشقت میں ڈالتے ہیں۔

(۷) عَنْ اَبِیْ بَكْرِ نِ الصِّدِّيْقِ قَالَ: قَالَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ "مَلْعُوْنٌ مَنْ ضَارَّ مُؤْمِنًا اَوْمَكَرَبِهٖ" (ترمذی)

ترجمہ: حضرت ابوبکرؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل فرمایا جو آدمی کسی مومن کو نقصان پہونچائے یا اس کے ساتھ دھوکہ دہی کا معاملہ کرے وہ ملعون ہے۔

(۸) عَنْ اَنَسٍ قَالَ: قَالَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "لَمَّا عَرَجَ بِیْ رَبِّیْ مَرَرْتُ بِقَوْمٍ لَهُمْ اَظْفَارٌ مِنْ نُحَاسٍ يُخَمِّشُوْنَ وُجُوْهَهُمْ وَصُدُوْرَهُمْ فَقُلْتُ: مَنْ هٰؤُلَاءِ؟ يَاجِبْرَئِيْلُ! قَالَ هٰؤُلَاءِ

الَّذِيْنَ يَأْكُلُوْنَ لُحُوْمَ النَّاسِ وَيَقَعُوْنَ فِيْ اَعْرَاضِهِمْ۔ (ابوداؤد)

ترجمہ: حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ مجھ کو جب حق تعالیٰ نے معراج میں بلایا تو میرا گذر کچھ ایسے لوگوں پر ہوا جن کے تانبے کے ناخون تھے جن سے وہ اپنے چہروں کو نوچ رہے تھے اور اپنے سینوں کو بھی، تو میں نے کہا: اے جبرئیل یہ کون لوگ ہیں؟ جبرائیل نے کہا: یہ وہ لوگ ہیں جو دوسروں کا گوشت کھاتے ہیں اور ان کی آبروؤں کے پیچھے پڑتے ہیں یعنی ان کی غیبت و برائیاں کرتے ہیں۔

(۹) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: "اِعْتَلَّ بَعِيْرٌ لِصَفِيَّةَ وَعِنْدَ زَيْنَبَ فَضْلُ ظَهْرٍ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِزَيْنَبَ: "اَعْطِيْهَا بَعِيْرًا فَقَالَتْ: اَنَا اُعْطِيْ تِلْكَ الْيَهُوْدِيَّةَ فَغَضِبَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَهَجَرَهَا ذِالْحِجَّةِ وَالْمُحَرَّمَ وَبَعْضَ صَفَرٍ". (ابوداؤد و مشکوٰۃ)

ترجمہ: حضرت عائشہؓ نے بیان فرمایا کہ حضرت صفیہ کا ایک اونٹ بیمار ہو گیا اور حضرت زینب کے پاس زائد سواریاں تھیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ صفیہ کو ایک اونٹ دیدو، کہا میں اس یہودیہ کو دوں گی؟ تو آپ نے ناراض ہو کر دو ماہ سے زائد عرصہ تک ان کو چھوڑے رکھا۔

(۱۰) قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ:

"لَاتُؤْذُوا الْمُسْلِمِيْنَ وَلَا تُعَيِّرُوْهُمْ وَلَا تَتَّبِعُوْا عَوْرَاتِهِمْ فَاِنَّهٗ مَنْ يَّتَّبِعْ عَوْرَةَ اَخِيْهِ الْمُسْلِمِ يَتَّبِعُ اللّٰهُ عَوْرَتَهٗ يَفْضَحْهُ وَلَوْفِيْ جَوْفِ رَحْلِهٖ".

ترجمہ: ارشاد نبوی ہے مسلمانوں کو تکلیف مت پہونچاؤ اور نہ ان کو عار دلاؤ

اور نہ ان کی مخفی چیزوں کے درپے ہو، اس لئے کہ جو آدمی اپنے بھائی کی پوشیدہ چیزوں (عیوب وغیرہ) کے پیچھے پڑتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی پوشیدہ چیزوں کے درپے ہو کر اس کو رسوا کرتا ہے اگر چہ وہ اسے اپنے گھر کے اندر چھپ کر کرے۔

(ماخوذ از بوادر النوادر، ص ۱۷۱ رسالہ احکام الائتلاف فی احکام الاختلاف)

(۱۱) عن ابی هریرة رضی الله عنه قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم للمؤمن علی المؤمن ست خصال یعوده اذامرض ،ویشهده اذامات، ویجیبه اذادعاه ، ویسلم علیه اذالقیه، ویشمته اذا عطس وینصح له اذاغاب اوشهد۔ (نسائی شریف)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا مومن کے لئے مومن کے ذمہ چھ حق ہیں (۱) جب وہ مریض ہو تو اس کی عیادت کرے (۲) اور جب انتقال ہو جائے تو اس کے جنازہ پر حاضر ہو (۳) اور جب دعوت کرے تو قبول کرے (بشرطیکہ کوئی عذر نہ ہو) (۴) اور جب وہ ملے تو سلام کرے (۵) اور جب وہ چھینکے تو الحمد للہ کہے تو سننے والا یرحمک اللہ کہے (۶) اور وہ غائب ہو یا حاضر ہر حال میں اس کی خیر خواہی کرے۔

(نسائی خطبات الاحکام ص ۴۱)

(۱۲) وقال علیه الصلوٰة والسلام: "المؤمنون کرجل واحد ان اشتکی عینه اشتکیٰ کله وان اشتکیٰ رأسه اشتکیٰ کله"۔

(متفق علیہ)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ سب مومن ایک آدمی کے مانند ہیں کہ اگر آدمی کی آنکھ میں تکلیف ہو تو کل بدن کو تکلیف پہنچتی ہے، اور

اگر سر میں تکلیف ہو تب بھی کل بدن کو تکلیف پہنچتی ہے (اسی طرح اگر ایک مسلمان کو تکلیف ہو تو سب مسلمانوں کو تکلیف ہونا چاہئے۔ (متفق علیہ)

(۱۳) وقال رسول الله صلى الله عليه وسلم:

"لَاضَرَرَ وَلَاضِرَارَ" (دار قطنی)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: نہ ایک طرف سے ضرر پہنچنا چاہئے نہ دونوں طرف سے۔ (فروع الایمان، اصلاحی نصاب ص ۴۳۱)

(۱۴) حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ وعلیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: وہ شخص ملعون ہے جو کسی مسلمان کو ضرر پہنچائے یا اس کے ساتھ فریب کرے۔ (حلیۃ المسلمین ص ۳۰۷)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ ارشادات جن کی رعایت کرنے سے باہمی اختلاف وفساد سے حفاظت رہتی ہے

(۱) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب کوئی شخص لوگوں کے عیوب پر نظر کرے اور اپنے کو عیوب سے بری سمجھ کر بطور شکایت کے یوں کہے کہ لوگ برباد ہو گئے تو یہ شخص سب سے زیادہ برباد ہونے والا ہے کہ مسلمان کو حقیر سمجھتا ہے۔ (مسلم شریف)

(۲) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قیامت کے روز سب سے بدتر حالت میں اس شخص کو پاؤ گے جو

دورویہ ہو، ان کے منہ پر ان جیسا، ان کے منہ پر ان جیسا (یعنی ایسا ہو کہ منہ پر تعریف کرے اور پیچھے برائی کرے) (بخاری ومسلم)

(۳) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص دنیا میں دورخا ہو کہ اس کے منہ پر اس کی بات کہے اور اس کے منہ پر اس کی، قیامت کے دن اس کے لئے آگ کی زبان ہوگی۔ (دارمی)

(۴) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: مسلمان کو بلاوجہ برا بھلا کہنا بڑا گناہ ہے اور اس سے بلاوجہ لڑنا کفر ہے۔ (بخاری ومسلم)

(۵) عبدالرحمٰن بن غنم اور اسماء بنت یزید سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: خدا کے بندو! تم میں سب سے بدتر وہ لوگ ہیں جو چغلیاں پہنچاتے ہیں، اور دوستوں میں جدائی ڈلواتے ہیں۔ (احمد وبیہقی)

(۶) حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے آپ فرماتے تھے کہ چغلخور (قانوناً بغیر سزا کے) جنت میں نہ جائے گا۔ (بخاری ومسلم)

(۷) حضرت واثلہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اپنے بھائی مسلمان کی دنیوی یا دینی بری حالت پر خوشی مت ظاہر کر، کبھی اللہ تعالیٰ اس پر رحم فرمادے اور تجھ کو مبتلا کردے۔ (ترمذی)

(۸) عیاض مجاشعی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ پر وحی نازل فرمائی ہے کہ سب آدمی تواضع اختیار کرو، یہاں تک کہ کوئی کسی پر فخر نہ کرے، اور کوئی کسی پر زیادتی نہ

کرے، کیونکہ فخر اور ظلم تکبر ہی سے ہوتا ہے۔ (مسلم شریف)

(۹) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: اپنے بھائی مسلمان سے نہ خواہ مخواہ بحث کیا کر، اور نہ اس سے ایسی دل لگی کر جو اس کو ناگوار ہو اور نہ اس سے کوئی وعدہ کر جس کو تو پورا نہ کر سکے۔ (ترمذی)

(۱۰) حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کسی شخص کے لئے یہ بات جائز نہیں کہ اپنے بھائی سے تین دن سے زیادہ قطع تعلق کر دے اس طرح کہ دونوں ملیں اور یہ ادھر کو منہ پھیر لے اور وہ ادھر کو منہ پھیر لے، اور ان دونوں میں اچھا وہ شخص ہے جو پہلے سلام کرے۔ (بخاری و مسلم)

(۱۱) حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اپنے بھائی مسلمان کی مدد کرو، خواہ وہ ظالم ہو یا مظلوم ہو، ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! مظلوم ہونے کی حالت میں تو مدد کروں گا مگر ظالم ہونے کی حالت میں کیسے مدد کروں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کو ظلم سے روک دے یہی تمہاری مدد کرنا ہے اس ظالم کی۔ (بخاری و مسلم)

(۱۲) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے، نہ اس پر ظلم کرے اور نہ کسی مصیبت میں اس کا ساتھ چھوڑے، اور جو شخص اپنے بھائی کی حاجت میں رہتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی حاجت میں رہتا ہے اور جو شخص کسی مسلمان کی کوئی سختی دور کرے گا اللہ تعالیٰ قیامت کی سختیوں میں سے اس کی سختی دور کرے گا اور جو شخص کسی مسلمان کی پردہ

پوشی کرے گا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی پردہ پوشی کرے گا۔ (بخاری و مسلم)

(۱۳) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ سلم نے ایک حدیث میں یہ فرمایا آدمی کے لئے یہ شر کافی ہے کہ اپنے مسلمان بھائی کو حقیر سمجھے یعنی اگر کسی میں یہ بات ہو اور شر کی کوئی بات نہ ہو تب بھی اس میں شر کی کمی نہیں، مسلمان کی ساری چیزیں دوسرے مسلمان پر حرام ہیں، اس کی جان اور اس کا مال اور اس کی آبرو یعنی نہ اس کی جان کو تکلیف دینا جائز، نہ اس کے دل کو نقصان پہنچانا اور نہ اس کی آبرو کو صدمہ پہنچانا، مثلاً اس کا عیب کھولنا، اس کی غیبت کرنا وغیرہ۔ (مسلم)

(۱۴) حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قسم اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے کوئی بندہ پورا ایمان دار نہیں بنتا یہاں تک کہ اپنے بھائی مسلمان کے لئے وہی بات پسند کرے جو اپنے لئے پسند کرتا ہے۔ (بخاری و مسلم)

(۱۵) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جو شخص مجھے اس چیز کی ضمانت دے جو اس کے دونوں جبڑوں کے درمیان میں ہے (یعنی زبان) اور اس کی جو اس کی دونوں رانوں کے درمیان میں ہے (یعنی شرم گاہ) میں اس شخص کے لئے جنت کا ضامن ہوتا ہوں۔ (بخاری)

(۱۶) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مسلمان کو گالی دینا فسق ہے اور اس کو قتل کرنا کفر ہے۔ (بخاری و مسلم)

(۱۷) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص نے اپنے مسلمان بھائی کو عار دلائی تو وہ شخص اس وقت تک نہ مرے گا جب تک کہ اس گناہ

کو نہ کرلے، راوی نے کہا ہے کہ آپ کی مراد یہ ہے کہ اس گناہ سے عار دلائے جس سے وہ توبہ کر چکا ہو۔ (ترمذی)

(۱۸) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ انسان کے اسلام کی خوبی یہ ہے کہ وہ اس بات کو چھوڑ دے جس سے اس کو کوئی فائدہ مقصود نہ ہو۔ (مالک واحمد)

(۱۹) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص چپ رہا اس نے نجات پائی۔ (ترمذی، احمد)

(۲۰) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مسلمان نہ طعنہ مارنے والا ہوتا ہے نہ لعنت کرنے والا ہوتا ہے، اور نہ بے حیائی کی بات بکنے والا ہوتا ہے، اور نہ بدزبان ہوتا ہے۔ (ترمذی)

(۲۱) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ شخص ہماری جماعت سے خارج ہے جو ہمارے کم عمر پر رحم نہ کرے، اور ہمارے بڑی عمر والے کی عزت نہ کرے، اور نیک کام کی نصیحت نہ کرے، اور برے کام سے منع نہ کرے، کیونکہ یہ بھی مسلمان کا حق ہے کہ موقع پر اس کو دین کی باتیں بتلایا کرے، مگر نرمی اور تہذیب سے۔ (ترمذی)

(۲۲) حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس کے سامنے اس کے مسلمان بھائی کی غیبت ہوتی ہے اور وہ اس کی حمایت پر قادر ہو اور اس کی حمایت کرے تو اللہ تعالیٰ دنیا و آخرت میں اس کی حمایت فرمائے گا اور اگر اس کی حمایت نہ کی حالانکہ اس کی حمایت پر قادر تھا تو دنیا اور آخرت میں اللہ تعالیٰ اس پر گرفت فرمائے گا۔

(شرح السنہ)

(۲۳) عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص کسی کا کوئی عیب دیکھے پھر اس کو چھپالے یعنی دوسروں سے ظاہر نہ کرے تو وہ ثواب میں ایسا ہوگا جیسے کسی نے زندہ درگور کی جان بچالی اور قبر سے اس کو زندہ نکال لیا۔

(احمد و ترمذی)

(۲۴) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں ہر ایک شخص اپنے بھائی کا آئینہ ہے پس اگر اس بھائی میں کوئی گندی بات دیکھے تو اس سے اس طرح دور کردے جیسے آئینہ داغ دھبہ چہرہ کا اس طرح صاف کر دیتا ہے کہ صرف عیب والے پر تو ظاہر کر دیتا ہے اور کسی پر ظاہر نہیں کرتا، اسی طرح اس شخص کو چاہئے کہ اس کے عیب کی خفیہ طور پر اصلاح کردے، رسوا نہ کرے۔ (ترمذی)

(۲۵) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ لوگوں کو ان کے مرتبہ پر رکھو، یعنی ہر شخص سے اس کے مرتبہ کے موافق برتاؤ کرو، سب کو ایک لکڑی سے مت ہانکو۔

(ابوداؤد)

(۲۶) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: **اقیلوا ذوی الھیأت عثراتھم الا الحدود۔** (یعنی اہم اور محترم لوگوں کی خطائیں ولغزشیں سوائے حدود کے یعنی جن خطاؤں میں اسلامی حکومت میں حد جاری کی جاتی ہے ان کے علاوہ سب خطاؤں کو معاف کر دیا کرو)

(ماخوذ از حیاۃ المسلمین، التشرف بمعرفۃ احادیث التصوف ص:۳۱۹)

زبان کی حفاظت کی اہمیت

چند وہ خصلتیں وعادتیں جن سے احتیاط بہت ضروری ہے

بعض اوقات سرسری طور پر ایسی بات منہ سے نکل جاتی ہے کہ جہنم میں لے جاتی ہے، جب سوچ کے بولو گے اس آفت سے محفوظ رہو گے۔

(۱) گالیاں دینا فاسقوں کا کام ہے کسی کو فاسق، کافر، ملعون، خدا کا دشمن، بے ایمان مت کہو، اگر وہ شخص ایسا نہ ہوگا تو یہ سب چیزیں لوٹ کر کہنے والے پر پڑیں گی۔

اسی طرح یہ کہنا کہ فلانے پر خدا کی مار، خدا کی پھٹکار، خدا کا غضب پڑے یا دوزخ نصیب ہو خواہ کسی آدمی کو کہا جائے یا جانور کو یا کسی بے جان چیز کو۔

اگر کوئی تم کو سخت کلمہ کہے اسی قدر تم بھی کہہ سکتے ہو اور زیادتی کرنے میں پھر تم گنہگار ہو گے۔

اکثر لوگ کہا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ رحم فرماوے لوگوں میں بڑی غفلت ہے، گناہوں پر بڑی جرأت ہے ونحوذلک (اور اس جیسے کلمات) اگر یہ بات افسوس اور شفقت کے طور پر کہی جاوے تو مضائقہ نہیں اور اگر براہ خود پسندی وخود بینی (یعنی اپنے کو اچھا اور بڑا سمجھتے ہوئے) کہا جاوے تو یہ اول اسی الزام کا (مستحق) ہے جو اوروں پر عائد کر رہا ہے۔

(۲) دورویہ پن کبھی مت کرو کہ جیسوں میں گئے ویسی ہی باتیں بنانے لگے، بقول شخصے جمنا پر گئے جمنا داس، گنگا پر گئے گنگا داس۔

(۳) چغلخوری ہرگز مت کرو، سچ بولو، جھوٹ ہرگز مت بولو، البتہ

دو شخصوں میں مصالحت کرانے کیلئے جھوٹ بولنے کا مضائقہ نہیں۔

(۴) کسی کی منہ پر خوشامد سے اس کی تعریف مت کرو، اسی طرح غائبانہ بھی تعریف کرنا ہو تو اس میں مبالغہ اور یقینی دعویٰ مت کرو، کیونکہ حقیقتِ حال تو اللہ تعالیٰ ہی کو معلوم ہے بلکہ یوں کہو کہ میرے علم میں فلاں شخص ایسا ہے اور یہ بھی اس وقت کہو جب اس کو اپنے علم میں ویسا سمجھتے ہو۔

(۵) غیبت کبھی مت کرو، اس سے علاوہ گناہ کے دنیوی طرح طرح کے فساد پیدا ہوتے ہیں، اور غیبت کی حقیقت یہ ہے کہ کسی کی پیٹھ پیچھے اسکی ایسی بات کہنا کہ اگر وہ سنے تو اس کو ناگوار ہو، اگرچہ وہ بات اس کے اندر موجود ہی ہو اور اگر وہ بات اس میں نہیں ہے تو وہ غیبت سے بھی بڑھ کر بہتان ہے۔

(۶) اگر اتفاقاً غلبہ نفس وشیطان سے کوئی معصیت سرزد ہو جاوے تو اسکو گاتے مت پھرو، بحث ومباحثہ میں کسی سے مت الجھو، جب دیکھو کہ مخاطب حق بات نہیں مانتا خاموش ہو جاؤ اور ناحق سخن پروری (یعنی ناحق اپنی بات پر اصرار) تو بہت ہی بری (بات) ہے۔

(۷) محض لوگوں کو ہنسانے کے لئے جھوٹی باتیں بنانے کی عادت مت ڈالو۔

(۸) جس کلام سے نہ کوئی دنیوی فائدہ ہو نہ دینی اس کو زبان سے مت نکالو۔

اگر کسی شخص سے کوئی گناہ یا خطا ہو جاوے اس کو دلسوزی سے نصیحت کرنا تو اچھی بات ہے مگر محض اس کی تحقیر کی غرض سے ملامت کرنا، عار دلانا بری بات ہے، ڈرنا چاہئے کہ کہیں ناصح صاحب اسی بلا میں نہ مبتلا ہو جاویں۔

(۹) غیبت جیسے زبان سے ہوتی ہے اسی طرح کسی کی نقل اتارنے سے

بھی بلکہ یہ زیادہ قبیح ہے مثلاً آنکھ دبا کر دیکھنا، لنگڑا کر چلنا۔

(۱۰) جس شخص کی غیبت ہوگئی ہو اور اس سے کسی وجہ سے معاف کرانا دشوار ہو تو اب اس کا علاج یہ ہے کہ اس شخص کے لئے اور اس کے ساتھ اپنے لئے استغفار کرو اس طرح: اللھم اغفر لنا و لہ۔

(۱۱) جھوٹا وعدہ مت کرو حتی کہ بچے کے بہلانے کو بھی جھوٹ مت کہو کہ تجھ کو مٹھائی دیں گے، بسکٹ دیں گے، اگر کہو تو دینے کی نیت رکھو۔

(۱۲) کسی کا دل خوش کرنے کے لئے خوش طبعی کرنا مضائقہ نہیں مگر اس میں دو امر کا لحاظ رکھو، ایک یہ کہ جھوٹ نہ بولو، دوسرے یہ کہ اس شخص کا دل آزردہ (رنجیدہ) مت کرو یعنی اگر وہ برا مانتا ہے تو ہنسی مت کرو۔

(۱۳) حسب و نسب یا اور کسی کمال پر شیخی مت بھگارو۔

فائدہ: یہ ساری نصیحتیں حدیثوں سے ماخوذ ہیں۔

(تعلیم الدین ملحقہ اصلاحی نصاب ص ۲۸۵)

ان باتوں کا لحاظ رکھو بہت سے مفاسد اور فتنوں سے محفوظ رہو گے

سوال وہ کرو جس کی ضرورت ہو، بات وہ کرو جس کی کچھ غایت (مفید مقصد) ہو، کام وہ کرو جس کا کچھ مفید نتیجہ ہو، اور جس کام کی غایت (مفید مقصد) معلوم نہ ہو اس کو چھوڑ دو، جس بات کا کچھ نتیجہ نہ ہو اس کے درپے نہ ہو اس میں دین کی راحت تو ہے ہی واللہ دنیا کی بھی اس میں راحت ہے، فضول باتوں ہی سے عداوت و بغض و حسد و کینہ پیدا ہوتا ہے، چنانچہ جھوٹ اور غیبت و شکایت سب

انہی فضول ولغو باتوں کے افراد ہیں اور یہی سارے فسادوں کی جڑ ہیں، اور جھوٹ اور غیبت وغیرہ کے علاوہ بھی جو بے فائدہ باتیں ہیں ان سے بھی بعض دفعہ برے نتائج پیدا ہوتے ہیں، بعض دفعہ انسان پچھتاتا ہے کہ میں نے یہ بات کیوں کہی تھی، دوسرے ان فضول قصوں میں وقت بہت ضائع ہوتا ہے، بعد میں انسان کو اس کا بھی قلق ہوتا ہے بشرطیکہ اس میں ذرا بھی سلامتی ہو، اور جو شخص محض ضروری باتوں کا عادی ہو، فضول ولغو سے احتیاط کرتا ہو وہ ان سب پریشانیوں سے محفوظ رہے گا، اس کو راحت ہی راحت ہے، بس سوالات لایعنی (یعنی فضول سوالات) تو پہلے ہی دن حذف ہو جائیں گے اب اس کا سارا وقت ضروری کاموں اور ضروری باتوں میں صرف ہوگا، تو جب اس میں دنیا کی بھی راحت ہے اور دین کی بھی پھر کیا وجہ ہے کہ اس کا اہتمام نہیں کیا جاتا، اگر کوئی تم سے فضول بات پوچھے جس کا جواب تم کو معلوم نہیں تو صاف کہہ دو کہ ہم نہیں جانتے، میں سچ کہتا ہوں کہ اس جواب میں ایسی راحت ہے جو کسی جواب میں نہیں۔

(جمال الجلیل ملحقہ جزاوسزا ص ۴۸)

باب ۲

اتحاد واتفاق کی اہمیت وضرورت اور باہمی اختلافات کے نقصانات

اس وقت سب سے زیادہ سخت ضرورت باہمی اتفاق کی ہے، مگر افسوس ہے کہ مسلمانوں میں جہالت کے ساتھ نااتفاقی حد درجہ کی ہے۔اس حسد اور نااتفاقی کی بدولت (مسلمان) اپنا آپ نقصان کئے لیتے ہیں۔

(الدعوۃ الی اللہ ص ۶۲)

یہ زمانہ آزادی وخودرائی کا ہے ہر شخص جدا جدا اسلام پر حملہ کرنے کو تیار ہے، غیر اسلام والے بھی اسلام پر حملہ کرتے ہیں، اور خود اہلِ اسلام میں بھی ایسے لوگ موجود ہیں جو اسلام پر حملہ کرتے ہیں اور یہ حملہ زیادہ مضر ہے کیونکہ غیر اہل اسلام تو صورۃً وحقیقۃً دونوں طرح مخالف ہیں ان کو دشمن سمجھا جاتا ہے اور دشمن کی بات کا زیادہ اثر نہیں ہوتا اور یہ لوگ دشمن بصورت دوست ہیں ان کے جال سے بچنا مشکل ہے، اس واسطے ضرورت ہے کہ سب مسلمان متفق ہوکر (دین کی ترقی کی) کوشش کریں، اب اختلاف کا وقت نہیں رہا۔

(السوق الاہل الشوق ص ۳۷)

اتحاد واتفاق کی اہمیت وضرورت پر سب کا اتفاق ہے

باہم اتحاد واتفاق (ایسی ضروری چیز ہے کہ) ساری دنیا اس کی دعوت دیتی

ہے خواہ اس کی حقیقت سمجھتے ہوں یا نہ سمجھتے ہوں لیکن اس پر اتفاق ہے کہ اتفاق ضروری ہے، اور تمدن کے تمام اصول اس پر موقوف ہیں، تمدن کی کوئی اصل اس کے بغیر بارآور نہیں ہوسکتی، باہم اتحاد واتفاق (کا ضروری ہونا) جس طرح قرآن وحدیث سے ثابت ہوتا ہے اسی طرح وہ تمدن کا بھی مسئلہ ہے بلکہ تمدن پرستوں کے نزدیک تو تمدن کے تمام ہی مسائل کا وہی اصل الاصول اور بنیاد ہے، اور ان کا کوئی لکچر اور تقریر اس سے خالی نہیں ہوتا۔

خلاصہ یہ کہ اتحاد واتفاق ایسی شئی ہے کہ یورپ والوں کو دنیا کے لئے مطلوب ہے اور ہم کو دین کی وجہ سے مطلوب ہے، مگر اس کا متفق علیہ ہونا تو ثابت ہوا، اتحاد واتفاق کو کوئی بھی برا نہیں سمجھتا، اس کے استحسان پر سب کا اتفاق ہے۔

(الاتفاق ملحقہ آداب انسانیت ص ۴۲، ص ۴۳۸، التبلیغ ص ۷۶ ج ۱۳)

امت میں اختلاف کی ابتداء

امت میں اختلاف (فساد) کی بنیاد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے واقعۂ قتل سے پڑی ہے، کیونکہ حدیث شریف میں ہے کہ جب میری امت میں تلوار نیام سے باہر نکل جائے گی تو پھر قیامت تک نیام میں نہ ہوگی، علماءِ سلف نے تصریح کی ہے کہ اس کی ابتداء حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے واقعہ سے ہوئی ہے، یہ پہلا واقعہ ہے کہ جس میں مسلمانوں کے اندر اختلاف ونزاع پیدا ہوا، اس کے بعد پھر اختلاف بڑھتا ہی گیا، کبھی کبھی انیس بیس کا تو فرق ہوا مگر (اختلاف) کا استیصال (بالکلیہ خاتمہ) کبھی نہیں ہوا۔

(الانسداد للفساد ملحقہ آداب انسانیت)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تین دعائیں

ایک حدیث میں آیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کے لئے تین دعائیں کی تھیں، ایک یہ کہ میری امت قحط عام سے ہلاک نہ ہو، دوسرے یہ کہ مخالفین کا ان پر عام غلبہ نہ ہو جس سے مسلمانوں کا استیصال ہو جائے (یعنی جڑ سے ختم ہو جائیں) تیسرے یہ کہ مسلمان آپس میں نہ لڑیں، پہلی دونوں دعائیں قبول ہوئیں، اور بحمد للہ آج تک برابر ان دونوں بلاؤں سے یہ امت محفوظ ہے، نہ اس پر قحط عام ہوتا ہے، نہ مخالفین کا عام غلبہ ہوتا ہے، یہ اور بات ہے کہ کسی خاص مقام پر مسلمان مغلوب ہوں لیکن کسی دوسرے مقام پر مسلمانوں کا غلبہ بھی ہوتا ہے، اور غلبہ نہ بھی ہو تو استیصال (یعنی بالکلیہ خاتمہ) تو مسلمانوں کا قیامت تک نہ ہو سکے گا، بلکہ ہم تو یہ دیکھ رہے ہیں کہ جہاں مسلمان مغلوب بھی ہیں وہاں بھی اسلام کی روز بروز ترقی ہے، بہت سے کافر آئے دن اسلام میں داخل ہوتے جاتے ہیں، یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کی برکت ہے تاکہ مسلمانوں کا استیصال نہ ہو جائے۔

مگر تیسری بات کے متعلق حدیث شریف میں آتا ہے کہ "فَمَنَعَنِيهَا" (اللہ نے مجھ کو اس سے روک دیا اور) یعنی یہ دعا قبول نہیں ہوئی۔

(مسلم شریف کتاب الفتن)

اسی لئے یہ مرض (یعنی باہمی اختلاف) اور بھی سخت ہے کیونکہ اس کے متعلق دعاء قبول نہ ہونے سے یہ معلوم ہوا کہ یہ مرض مسلمانوں میں باقی رہے گا، اس کا استیصال (یعنی خاتمہ) نہ ہوگا۔ پس اس کے علاج کی طرف ہر وقت توجہ

کی ضرورت ہے کیونکہ مادہ تو موجود ہی ہے ذرا سی غفلت میں اس کے بڑھ جانے کا خطرہ ہے۔

نیز باہمی اختلاف کا مرض اس لئے بھی اشد ہے کہ بہت پرانا ہے اور ظاہر ہے کہ پرانا بخار دق (یعنی ٹی بی) بن کر ہلاکت تک پہنچا دیتا ہے۔

جس طرح امراض جسمانی میں شیوع وعدم شیوع (یعنی وبائی شکل میں مرض ہوجانے یا نہ ہونے) سے فرق ہوتا ہے اسی طرح امراضِ نفسانی میں بھی ہوتا ہے، باہمی اختلاف ایسا مرض ہے جس کی آج کل بہت کثرت ہے، اور آج کل سے مراد صرف یہی زمانہ حاضرہ نہیں بلکہ کئی سالوں سے اس کی بہت کثرت ہے (اس لئے اس کا فوری علاج ضروری ہے)

(الانسداد للفساد ملحقہ آداب انسانیت ص: ۳۷۷)

امت سے جب اختلاف مٹے گا نہیں تو اتحاد واتفاق کی کوشش کیوں کی جائے؟

شاید کوئی کہے کہ جب حدیث شریف میں پیشین گوئی کی جاچکی ہے کہ (امت کی) یہ باہمی نااتفاقی کا مرض زائل نہ ہوگا تو پھر علاج کی کیا ضرورت؟

اس کا جواب یہ ہے کہ اس قسم کی پیشین گوئی کی دو صورتیں ہیں ایک تو یہ کہ طبیب (ڈاکٹر) کو کسی خاص مریض کے متعلق معلوم ہوجائے کہ یہ پرہیز نہ کرے گا اس لئے پیشین گوئی کردے کہ یہ بیمار اچھا نہ ہوگا، مگر اس کی بدپرہیزی کی وجہ سے کہا جاتا ہے کہ یہ اچھا نہ ہوگا۔

اور ایک صورت یہ ہے کہ مرض خود لاعلاج ہو، جیسے دق (ٹی بی کا مرض) جو درجہ چہارم میں (آخری درجہ کو) پہنچ جائے، سو یہاں پیشین گوئی دوسری صورت کی نہیں بلکہ پہلی صورت کی ہے، تو اس سے مرض کا لاعلاج ہونا اور علاج کا غیر نافع یا غیر ضروری ہونا لازم نہیں آتا۔

اور اس پیشین گوئی کی دوسری صورت نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ یہ تقسیم (جو اوپر کی گئی) امراض جسمانی ہی کے ساتھ خاص ہے کہ ان میں بعضے (امراض) خود لاعلاج ہوتے ہیں اور بعضے بدپرہیزی سے خطرناک ہوجاتے ہیں، اور امراض نفسانی (وروحانی) میں یہ تقسیم ہی نہیں بلکہ یہاں سب امراض قابل علاج ہیں لاعلاج کوئی نہیں، بلکہ ایک حدیث سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ امراض جسمانیہ بھی فی نفسہ لاعلاج کوئی نہیں۔ (گو اس مرض کے علاج تک ہماری رسائی نہ ہوئی ہو)

(الانسداد للفساد ص ۳۷۹ ملحقہ آداب انسانیت)

الغرض امراض روحانی میں وہ تقسیم نہیں ہے بلکہ جملہ امراض روحانی کی دوا واقع میں بھی ہے اور ہم کو بتلائی بھی گئی ہے، یہاں کوئی مرض ایسا نہیں ہے جس کی دوا بتلائی نہ گئی ہو، سارا مطب مکمل ہے، اور مکمل کر کے ہی "اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ" نازل ہوا ہے۔ اگر کسی کا روحانی مرض لاعلاج ہوتا اور کوئی روحانی مریض مایوس العلاج ہوتا تو سب سے زیادہ مستحق اس کے وہ لوگ تھے جن کے بارے میں "خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰی قُلُوْبِهِمْ" نازل ہوا ہے (کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں پر مہر لگادی) مگر ان کا کفر بھی فی نفسہ لاعلاج نہ تھا بلکہ ان لوگوں کے اختیار میں تھا اس طرح سے کہ ایمان لے آتے، گو ان کا ایمان نہ لانا حق تعالیٰ کو معلوم تھا، مگر اس سے ان لوگوں کا اختیار ختم نہیں ہوا (بلکہ ایمان

لانے پر ان کو قدرت تھی) اور یہ پیشین گوئی ان کی اختیاری بدپرہیزی کی وجہ سے کی گئی ہے۔ (خلاصہ یہ کہ) ان کا ایمان نہ لانا ان کے اختیار سے ہوگا یہ مطلب نہیں کہ ان کو ایمان پر قدرت واختیار ہی باقی نہیں رہا، خوب سمجھ لو۔

(الانسداد للفساد ص ۳۸۴ و ۳۸۵)

کسی بات کی پیشین گوئی ہوجانے سے اس کا اختیار سے خارج ہونا لازم نہیں آتا

یہ بات ثابت ہوگئی کہ نصوص میں کسی امر کی پیشین گوئی وارد ہونے سے اس کا اختیار سے خارج ہونا لازم نہیں آتا، اور جب وہ اختیار سے خارج نہیں تو اس کی تدبیریں کرنا فضول نہیں، ورنہ اگر پیشین گوئی مانع تدبیر ہو تو چاہئے کہ آج سے حفظ قرآن کو ترک کردیا جائے کیونکہ قرآن میں پیشین گوئی ہے، ''اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّکْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحَافِظُوْنَ'' جس میں حفاظت قرآن کا وعدہ ہے تو پھر نعوذ باللہ قرآن کا پڑھنا بھی چھوڑ دو، لکھنا بھی چھوڑ دو، چھاپنا بھی چھوڑ دو، اور جو لکھے ہوئے رکھے ہیں ان کو دفن کردو، اور کہہ دو کہ بس قرآن کا حافظ اللہ ہی کافی ہے، ایک ہی حافظ بہت ہے اور وہ حافظ بھی کیسا جو محافظ بھی ہے، جتنے طریقے حفاظت کے ہیں وہ سب خود ہی کرلیں گے کیونکہ ''اِنَّا لَهٗ لَحَافِظُوْنَ'' میں سب طریقے آگئے، مگر مسلمانوں نے آج تک ایسا نہیں کیا حالانکہ یہاں بھی تو پیشین گوئی ہوچکی ہے، پھر اس کی کیا وجہ کہ یہاں تو آپ نے یہ تجویز کیا کہ قرآن کو حفظ بھی کیا اور لکھا بھی، چھاپا بھی، اور ان سب باتوں کو اپنے اوپر فرض بھی سمجھا، اور نااتفاقی کے متعلق پیشین گوئی وارد ہونے سے آپ نے یہ تجویز کرلیا کہ جب پیشین گوئی ہوچکی ہے تو

اب علاج کی کیا ضرورت ہے، میں کہتا ہوں کہ جب حفاظتِ قرآن کا وعدہ ہو چکا ہے تو پھر آپ کی حفاظت کی کیا ضرورت ہے، آپ پر بھی وہی اعتراض پڑتا ہے جو آپ اس مسئلہ میں ہمارے اوپر کر رہے ہیں، اس کا جواب دیجئے، آخر دونوں میں فرق کی کیا وجہ ہے؟ اگر آپ نہیں بتلاتے تو لیجئے میں بتلاتا ہوں۔

آپ اس اعتراض کے جواب میں یہ کہہ سکتے ہیں اِنَّا لَهٗ لَحَافِظُوْن کے معنی یہ ہیں کہ ہم ہر زمانہ میں ایسے لوگ پیدا کرتے رہیں گے جو اس کی حفاظت میں کوشش کریں گے، اور ہم حفاظت کے طریقے ان کے قلوب میں ڈال دیں گے کہ وہ اس کو یاد بھی کریں گے، لکھیں گے بھی، پڑھیں اور پڑھائیں گے بھی، گویا اس طرح ہم ہی قرآن کے محافظ ہیں، تو میں کہتا ہوں کہ یہ معنیٰ دونوں جگہ مشترک ہے یعنی جیسا کہ حفاظت قرآن کی پیشین گوئی کے بعد آپ کی حفاظت کو بھی اس میں دخل ہے، اسی طرح نااتفاقی کی پیشین گوئی کے بعد بھی آپ کی بد پرہیزی کو اس میں دخل ہے اور اس پیشین گوئی کے بھی یہ معنی ہیں کہ چونکہ یہ لوگ بااختیار خود بد پرہیزی کریں گے اس لئے نااتفاقی رہے گی، پس یہ بات ثابت ہوگئی کہ خدا اور رسول کا کسی چیز کے متعلق پیشن گوئی کرنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ دائرۂ تکلیف سے (یعنی آدمی کی قدرت سے) باہر ہو جائے، اور اس کی تدبیر نہ کی جائے، اور اس کا راز یہی ہے جو میں نے شروع میں کہا تھا کہ پیشین گوئی کبھی مرض کے لاعلاج ہونے کی وجہ سے کی جاتی ہے اور کبھی مریض کے بد پرہیز ہونے کی وجہ سے، اور امراض روحانیہ میں لاعلاج کوئی مرض نہیں، یہاں جو پیشین گوئی بھی ہوتی ہے، مریض کے بد پرہیز ہونے کی وجہ سے ہوتی ہے۔

پس اس حدیث سے یہ لازم نہیں آتا کہ نااتفاقی کا دور کرنا آپ کی قدرت

سے باہر ہے اس لئے اس کی تدبیر بھی نہ کرنا چاہئے، بلکہ مطلب یہ ہے کہ لوگ اس سے اپنے اختیار سے خود پرہیز نہ کریں گے اس لئے یہ مرض باقی رہے گا لیکن اگر علاج کریں تو علاج کے مفید ہونے کی یہاں نفی نہیں۔ (وعظ الانسداد ۳۸۶)

چند اشکالات اور ان کے جوابات

شاید اس پر کوئی یہ کہے کہ اگر سب نے اس مرض کا علاج کر کے اتفاق کر لیا تو حدیث کی پیشین گوئی غلط ہو جائے گی۔

اس کا جواب یہ ہے کہ مگر واقع میں سب ایسا کریں گے ہی نہیں، بلکہ تھوڑے بہت ضرور ایسے رہیں گے جو نا اتفاقی کرتے رہیں گے، مگر ان میں تم ہی کو داخل ہونے کی کیا ضرورت ہے، اور اس کی کیا دلیل ہے کہ تم ہی اس کے مصداق ہو؟

امت میں اختلاف باقی رہنے کی پیشین گوئی حکمِ تکوینی ہے تشریعی نہیں

اس پر شاید کوئی یہ کہے کہ میں اس پیشین گوئی کے سچا کرنے کے لئے نا اتفاقی کرتا ہوں تا کہ اسکا مصداق موجود رہے، یہ غلط نہ ہو جائے، تو اس سے کہا جائے گا کہ آپ کو اس کے سچا کرنے کی ضرورت نہیں، تم کو اس کا مکلف نہیں کیا گیا، قیامت میں آپ سے یہ سوال ہرگز نہ ہوگا کہ تم نے ہماری پیشین گوئی سچا کرنے کا اہتمام کیا تھا یا نہیں، بلکہ وہاں تو آپ سے ان امور (باتوں) کا سوال ہوگا جن کا حکم دیا گیا ہے، اور پیشین گوئی کے سچا کرنے کا آپ کو حکم نہیں دیا گیا، لہٰذا یہ جواب نہ سنا جائیگا، میں دنیا میں اس کی نظیر آپ کو دکھلاتا ہوں وہ یہ کہ پولیس میں

مردم شماری کا تجربہ سے اوسط مقرر ہوتا ہے کہ اتنے آدمیوں میں اتنے بدمعاش اور جرائم پیشہ ضرور ہوتے ہیں، تو کیا کوئی مجرم مجسٹریٹ سے یہ کہہ سکتا ہے کہ میں نے تو جرم اس لئے کیا ہے کہ پولیس کا قاعدہ میں نے دیکھا تھا کہ بدمعاشوں کا اوسط اتنا ہے تو میں نے اس اوسط کو پورا کرنا چاہا تا کہ یہ قاعدہ غلط نہ ہو جائے اس لئے میں مجرم نہیں ہوں، بلکہ حقیقت میں سرکار کا خیر خواہ ہوں، تو کیا مجسٹریٹ اس کا یہ عذر سن لے گا؟ ہرگز نہیں بلکہ سرکاری وکیل فوراً کہے گا کہ نالائق کیا تیرا نام بھی اوسط میں لکھا ہوا تھا؟ پھر تو اس میں کیوں داخل ہوا، جی اوسط تو واقعہ ہے، قانون تو نہیں ہے، یہ مطلب تو نہیں کہ اوسط کو دیکھ کر خوامخواہ اس کے پورا کرنے کے لئے جرم کیا جائے، اسی طرح یہ پیشین گوئی حکم تکوینی ہے، حکم تشریعی نہیں ہے۔

(الانتباہات ملحقہ آداب انسانیت ص ۳۸۶، ۳۸۷)

اسلام میں نظم واتحاد باقی رکھنے کی اہمیت
حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا عمل

فرمایا: جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا باغیوں نے محاصرہ کرلیا (یعنی گھیر لیا) تو آپ کے لشکریوں میں سے ایک شخص نے آپ سے دریافت کیا کہ باغیوں کا سردار نماز پڑھا رہا ہے ہم لوگ اس کے پیچھے نماز پڑھیں یا نہیں؟ آپ نے فرمایا کہ پڑھ لو (حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے) اس فتوے کی بنیاد اور مقصد وہی نظم (واتحاد) کی حفاظت تھی۔

اسی طرح شرعی حکم ہے کہ اگر کوئی شخص عید کا چاند دیکھے اور حاکم شرعی اس کو قبول نہ کرے تو اس کو روزہ رکھنا واجب ہے (اور عید کرنا جائز نہیں) اور اگر روزہ

نہ رکھا تو قضاء واجب ہوگی، یہ مجال نہیں کہ کوئی شخص تفریق کلمہ کا باعث ہو سکے، اگر چہ اس نے اپنی آنکھ سے چاند دیکھا ہو، یہ سب انتظام ہی تو ہے، اتحاد اور نظم کے باقی رکھنے کا اس قدر شریعت میں اہتمام کیا گیا ہے۔

(مقالات حکمت مطبوعہ پاکستان ص ۲۰۴)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا عمل

عن ابن مسعود انه صلی اربعاً فقیل له عِبْتَ علی عثمان ثم صلیت اربعاً فقال الخلاف شر.

(اخرجه ابوداؤد تیسیر کلکتہ ص ۳۳۹ کتاب الصلوٰۃ باب ثامن)

(ترجمہ) حضرت ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے (سفر میں) فرض چار رکعت پڑھی کسی نے پوچھا کہ تم نے حضرت عثمانؓ (پر قصر نہ کرنے میں) اعتراض کیا تھا، پھر خود چار پڑھی آپ نے جواب دیا کہ خلاف کرنا موجب شر ہے۔

(الاقتصاد فی بحث التقلید والاجتہاد ص ۸۴)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے تو باوجود اختلاف رائے کے جب اختلاف فی العمل میں فتنہ کا احتمال دیکھا تو خود عمل اتمام صلوٰۃ میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا اتباع فرمالیا اور پوچھنے پر اس کی بنا یہ فرمائی **ولکن الخلاف شر**۔ (لیکن اختلاف شر ہے)

یعنی حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا مسلک (ایک خاص مسافت میں) نماز میں قصر کرنے کا تھا جبکہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا مسلک اسی صورت میں اتمام (یعنی پوری نماز پڑھنے) کا تھا لیکن عبداللہ بن مسعود رضی اللہ

عنہ کی عظیم المرتبت شخصیت نے قصر صلوٰۃ میں فتنہ کا خدشہ اور عوام کے تشویش میں پڑ جانے کا خطرہ محسوس کیا تو حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے اپنی تحقیق کو چھوڑ کر حضرت عثمانؓ کی اتباع میں اتمام کیا (یعنی پوری چار رکعت پڑھیں) تا کہ امت میں انتشار نہ ہو۔ (رسالہ قندیو بند ص ۱۶ مطبوعہ دہلی)

آپس کا اتحاد و اتفاق اللہ کی بڑی نعمت ہے

وَاذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَاۗءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖٓ اِخْوَانًا. (پ ۴ آل عمران)

ترجمہ وتفسیر: اور تم پر جو اللہ تعالیٰ کا انعام ہوا ہے اس کو یاد کرو جب کہ تم باہم دشمن تھے یعنی قبل اسلام کے، چنانچہ اوس وخزرج میں ایک طویل مدت سے جنگ چلی آتی تھی، اور عام طور پر اکثر عرب کے لوگوں کی یہی حالت تھی، پس اللہ تعالیٰ نے تمہارے قلوب میں ایک دوسرے کی الفت ڈالدی سو تم خدا تعالیٰ کے اس انعام تالیف بین القلوب سے اب آپس میں بھائی بھائی کی طرح ہو گئے۔ یہ تو دنیوی نعمت ہے۔

وَكُنْتُمْ عَلٰي شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا (پ ۴ آل عمران)

اور تم جہنم کے گڑھے کے کنارہ پر کھڑے تھے کہ جہنم میں جانے کے لئے صرف مرنے کی دیر تھی کہ اللہ تعالیٰ نے تم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ سے اس سے بچالیا۔

یہ دینی نعمت ہے، ان نعمتوں کو یاد کر کے ان کا شکر ادا کرو، اور شکر وہی ہے کہ حبل اللہ (یعنی اللہ کی رسی کو) کو مضبوط پکڑ لو، تم ان انعاموں کی قدر کرو اور آپس

کے جدال وقتال سے جو کہ معصیت ہے ان انعاموں کو ضائع مت کرو، کیونکہ اس جدال وقتال (لڑائی جھگڑے) سے انعامِ تالیف (اتحاد کا انعام) بالکل ہی زائل ہو جائے گا اور انعامِ اسلام مختل اور ناقص ہو جائے گا یہ بھی ایک گونہ ضائع ہونا ہے۔

(بیان القرآن ص ۴۴۲ ج ۱، آل عمران، الدوام علی الاسلام ملحقہ البدائع ص ۱۹۰ بدیعہ ۶۹)

آپسی اختلاف سے دین و دنیا دونوں کا نقصان

وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَتَذْهَبَ رِيْحُكُمْ

(پ ۱۰ سورہ انفال)

اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اور باہم نزاع (جھگڑا) مت کرو، ورنہ باہمی نااتفاقی سے کم ہمت ہو جاؤ گے کیونکہ قوتیں منتشر ہو جائیں گی، ایک کو دوسرے پر وثوق (اعتماد) نہ ہوگا، اور اکیلا آدمی کیا کر سکتا ہے، اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی، ہوا خیزی سے مراد بدرعی ہے کیونکہ دوسروں کو اس نااتفاقی کی اطلاع ہونے سے یہ امر لازمی ہے۔ (بیان القرآن ص ۴۴۲ ج ۴، انفال پ ۱۰)

حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

"وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا" کہ اللہ کی رسّی کو (یعنی قرآن واحکام قرآن کو جس میں حدیث وفقہ بھی سب شامل ہیں، کیونکہ سب اسی ایک متن کی شروح ہیں) مضبوط پکڑ لو، اور آپس میں افتراق (اختلاف) نہ کرو، کیونکہ اس سے دین کو بھی سخت ضرر پہنچتا ہے جس کی بنا پر حدیث میں فساد ذات البین (آپسی اختلاف) کو حالقہ (دین کو مونڈنے والا) فرمایا گیا ہے۔

(البدائع بحوالہ الدوام علی الاسلام ص ۱۷۷، بدیعہ ۶۹)

آپسی فساد سے دین کا بالکل صفایا ہو جاتا ہے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (آپسی اختلاف اور) نااتفاقی کا نقصان بتلایا ہے، فرماتے ہیں:

"ایاکم وفساد ذات البین فانها هی الحالقة"

یعنی اپنے کو باہمی فساد سے بچاؤ کیونکہ باہمی فساد مونڈنے والی چیز ہے، آگے فرماتے ہیں!

لاأقول تحلق الشعر بل تحلق الدین، میں یہ نہیں کہتا کہ اس کے سر کے بال منڈ جاتے ہیں بلکہ یہ کہتا ہوں کہ اس سے دین منڈ جاتا ہے، اور منڈنا کسے کہتے ہیں؟ منڈنا یہ ہے کہ خربوزہ کی طرح سر نکل آئے بال کا نشان تک نہ رہے تو حاصل یہ ہوا کہ آپسی فساد سے دین کا بالکل صفایا ہو جاتا ہے، اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نااتفاقی اور باہمی فساد کے نقصان کو بتلا دیا اور واقعی اس سے زیادہ کیا نقصان ہوگا کہ اس سے دین کا بالکل صفایا ہو جاتا ہے۔

(وعظ ارتباط ملحقہ ارشادات حکیم الامت ص ۵۰۷)

شاید کسی کو یہاں یہ شبہ ہو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تو اس حدیث پاک میں دین کا ضرر بتلایا ہے سو اس سے دنیا داروں کو کیا خوف؟ تو سمجھ لیجئے کہ دین ایسی شئی نہیں ہے جس کے ضرر (نقصان) سے دنیا کا ضرر نہ ہو، دین کا نقصان وہ چیز ہے جو دنیا کے نقصان کا بھی ذریعہ ہے، کیونکہ گو دین کے ساتھ دنیا کم ملتی ہے مگر پر لطف ہوتی ہے، اور دین کے بغیر خود دنیا بے لطف ہے تو اس سے بڑھ کر کیا نقصان ہوگا۔

(اصلاح ذات البین ملحقہ آداب انسانیت ص ۳۳۸)

باہمی اختلاف سے دین کا نقصان کیسے ہوتا ہے

فساد کا پہلا اثر تو یہ ہوتا ہے کہ دو شخصوں میں عداوت ہو جاتی ہے، ہر شخص دوسرے سے غیر مطمئن ہو جاتا ہے، اور فریقین کو ایک دوسرے کی عداوت سے اندیشہ اور خوف ہو جاتا ہے، پھر آگے عداوت کا سلسلہ نسل در نسل بہت دور تک چلتا ہے، وہ اس کو ذلیل کرنا چاہتا ہے یہ اسکو، وہ اسے مالی اور جسمانی نقصان پہنچانا چاہتا ہے، اور یہ اس کو، یہ اس کی (عزت و) آبرو ختم کرنا چاہتا ہے، وہ اس کی، یہاں تک کہ جائز ناجائز کا بھی خیال نہیں رہتا، اب اگر کسی سے کہو کہ بھائی انتقام کا یہ طریقہ ناجائز ہے تو کہتے ہیں کہ اگر ہم جائز و ناجائز ہی میں رہے تو دوسرا اچھی طرح سے کسر نکال لے گا، جب دوسرے کو دین کی پرواہ نہیں تو ہم کیسے پرواہ کریں، اب دنیا کے ساتھ دین بھی برباد ہونے لگا، چنانچہ اسی ۔۔۔۔۔ واقعہ میں ایسا ہی ہوا کہ پہلے دو شخصوں کے خیالات ایک دوسرے کی طرف سے بدلے تھے، پھر عداوت ہوگئی، پھر ہر قسم کے اضرار (نقصان پہنچانے) کا سلسلہ چلا، یہاں تک کہ دین کی بھی پرواہ نہ رہی۔

پھر بعض دفعہ اس فساد میں مقدمہ بازی تک کی نوبت آتی ہے، جس میں وکیلوں سے مشورہ لیا جاتا ہے، وکیل ہر طرح کے ہوتے ہیں بعض وکیل جھوٹے مقدموں کو بھی لے لیتے ہیں اور مکر و فریب کی تدبیریں بتلا کر اس کو چلاتے ہیں، میں کیا کہوں آج کل تو بعض علماء بھی ایسے ہوتے ہیں، اللہ حفاظت فرمائے۔

(اصلاح ذات البین ملحقہ آداب انسانیت ص ۳۵۶)

باہمی اختلاف سے قلب پر ظلمت چھا جاتی ہے اور سلبِ ایمان تک کا خطرہ ہو جاتا ہے

آپسی اختلاف (وفساد) کا ایک نقصان یہ ہوتا ہے کہ اختلاف سے قلب پر ظلمت چھا جاتی ہے (اور دلوں میں) زنگ لگ جاتا ہے، جس کو قرآن مجید میں رَین (زنگ، سیاہی) فرمایا ہے، "کَلَّا بَلْ رَانَ عَلٰی قُلُوْبِهِمْ مَّا کَانُوْا یَکْسِبُوْنَ"۔ (پ ۳۰ مطففین)

ترجمہ: ہرگز ایسا نہیں بلکہ ان کے دلوں پر ان کے اعمال کا زنگ بیٹھ گیا ہے۔ (بیان القرآن)

اور حدیث شریف میں ہے کہ جب کوئی شخص گناہ کرتا ہے اس کے قلب پر ایک سیاہ نقطہ یعنی دھبہ لگ جاتا ہے، پھر جتنی معصیت بڑھتی ہے اتنا ہی وہ نقطہ بڑھتا ہے، اور اگر توبہ کی توفیق ہو جائے تو وہ نقطۂ سیاہ قلب سے دھل جاتا ہے، مگر عداوت میں توبہ کی بھی توفیق کم ہوتی ہے، اس لئے ہر شخص اس میں ترقی ہی کرتا چلا جاتا ہے، اور اس اصرار سے وہ نقطہ اتنا بڑھ جاتا ہے کہ بعض دفعہ ایمان بھی سلب ہو جاتا ہے، اسی اصرار کے متعلق حق تعالیٰ فرماتے ہیں:

"کَانُوْا لَا یَتَنَاهَوْنَ عَنْ مُّنْکَرٍ فَعَلُوْهُ"۔ (سورۃ مائدہ پ ۶)

یعنی ان پر شدید عذاب اس لئے آیا کہ وہ کسی برے کام سے جس کو ایک دفعہ کر لیا ہو باز نہ آتے تھے، اور گناہ کی ایسی ظلمت ہوتی ہے کہ دنیا میں بھی دل کے اندر محسوس ہوتی ہے، اور اگر کبھی ہم کو اس ظلمت کا احساس نہ ہو تو وجہ اس کی یہ ہے

کہ ہم کو نور کا احساس نہیں ہوا، اور اس کے احساس کا طریقہ یہ ہے کہ اپنی عمر میں سے زیادہ نہیں صرف تین ہی دن ایسے نکال لیجئے جن میں کوئی کام خلافِ شرع نہ کیا جائے، بلکہ ان دنوں کو اللہ کی یاد میں اور قرآن کی تلاوت میں گذارا جائے، اس وقت قلب میں ایک خاص اطمینان کی کیفیت ہوگی وہ نور ہے، اس کے بعد ہم اپنی عادت کے موافق ذرہ ذرہ ہو جائیں (یعنی حسب عادت پھر خوب غلط کام اور غلط باتیں کرنے لگیں) اس سے ایک کیفیت پیدا ہوگی وہ ظلمت ہے، اس واقعہ میں چونکہ نور کا احساس ہو چکا ہے اس لئے اب گناہ کا احساس ہوگا، اور ایسا معلوم ہوگا کہ گویا دل میں سے کوئی نورانی چیز نکل رہی ہے، اور اس کی جگہ ظلمت اور تاریکی پیدا ہو رہی ہے۔

صاحبو! اگر ہمیشہ کے لئے ایسے نہ بن سکو تو امتحان کے لئے تین دن تو ایسے بن جاؤ، اس سے کم از کم یہی نفع ہوگا کہ آپ کو ظلمت و نور کا احساس تو ہو جائے گا، پھر اختیار ہے چاہے نور کو اختیار کرلو چاہے ظلمت کو، مگر خدا کے لئے ایک دفعہ دونوں کی حقیقت سے تو آشنا ہو جاؤ، امتحان ہی کے طور پر سہی۔

اور جیسے کبھی اپنے گناہوں سے پریشانی ہوا کرتی ہے ایسے ہی دوسروں کے گناہوں سے بھی پریشانی ہوا کرتی ہے، حدیث میں ہے کہ ایک مرتبہ نماز میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سہو ہو گیا تو نماز کے بعد آپ نے فرمایا کہ لوگوں کا کیا حال ہے کہ وضو اچھی طرح کر کے نہیں آتے جس کی وجہ سے امام کو نماز میں سہو ہو جاتا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ گنہگار کے گناہ کا اثر بے گناہوں پر بھی پہنچتا ہے۔

افسوس یہ گنہگار (فسادی) ہر ایک کو پریشان کرتا ہے اپنے کو بھی اور دوسروں کو بھی۔ (اصلاح ذات البین ملحقہ آداب انسانیت ص ۳۴۷،۳۴۶)

دشمن کو کبھی بھی کمزور نہ سمجھنا چاہئے

معمولی دشمنی سے پورا گھر جل کر خاک ہوگیا

فساد والے شخص سے دنیا کا برباد ہونا ایسا بدیہی (اور یقینی امر) ہے کہ اس کے لئے مقدمات و دلائل کی ضرورت نہیں، بلکہ مشاہدہ ہی کافی ہے چنانچہ فساد کا پہلا اثر یہ ہوتا ہے کہ دو شخصوں میں عداوت ہوجاتی ہے، ہر شخص دوسرے سے غیر مطمئن ہوجاتا ہے، پھر عداوت میں ہر قسم کے ضرر (نقصان) کا احتمال ہوتا ہے گو دشمن ضعیف ہی کیوں نہ، بقول شیخ سعدی علیہ الرحمہ:

دانی کہ چہ گفت زال بارستم کرد　　دشمن نتواں حقیر و بے چارہ شمرد

یعنی دشمن کو کبھی حقیر نہ سمجھنا چاہئے، اس سے ہوشیار رہنا چاہئے، مانا کہ تمہارا مقابلہ کوئی نہیں کرسکتا مگر دشمنی نکالنے کی اور بہت صورتیں ہیں۔

کیرانہ میں ایک قصہ ہوا کہ ایک صاحب کا عالیشان مکان تازہ بنا ہوا تھا، رات کو اس میں کسی نے آگ لگادی مالک مکان سے تو کسی کی عداوت نہ تھی، وہ تو بیچارے بڑے اچھے اخلاق کے ہیں مگر اس مکان میں ایک سپاہی کرایہ دار رہتا تھا اس نے محلّہ والوں میں سے کسی کی نالش کردی تھی، وہ دشمن ہوگیا، اور انتقام (بدلہ لینے) کا منتظر رہا، وہ سپاہی مکان کے بالاخانہ پر رہتا تھا اور نیچے کا حصہ مقفل (بند پڑا) تھا جس میں مالک مکان کا بہت کچھ سامان رکھا ہوا تھا، اس دشمن نے رات کو روشن دان کے ذریعہ سے یا کسی اور راستہ سے مکان کے نیچے کے حصہ میں مٹی کا تیل ڈالا پھر دیا سلائی (ماچس) اندر پھینک دی مٹی کے تیل میں آگ لگنا غضب

ہے، تھوڑی ہی دیر میں تمام سامان میز کرسیاں، صندوق وغیرہ جل گئے، اور آگ کے شعلے چھت تک پہنچے تو کڑیوں میں بھی آگ لگ گئی، وہ سپاہی مع اپنے اہل وعیال کے اوپر پڑا ہوا سو رہا تھا، کہ اچانک اس کو زمین سے گرمی محسوس ہوئی، اگر تھوڑی دیر وہ اور ٹھہرتا تو ہلاک ہو جاتا، مگر اس نے نہایت ہوشیاری اور پھرتی سے فوراً اپنے بچوں اور بیوی کو چھت سے علیحدہ کر کے زینہ سے نیچے اتار لیا، ان کا اترنا تھا کہ چھت فوراً گر پڑی اور اب آگ کے شعلے آسمان تک پہنچنے لگے، کیونکہ اب تک تو چھت حائل تھی اس لئے آگ اندر ہی اندر رہی، جب چھت گر پڑی تو شعلے بلند ہونے لگے، اب محلہ والوں کو خبر ہوئی اور سب چاروں طرف سے دوڑے، اور پانی ڈالنے لگے مگر اس سے کیا ہوتا، اس وقت پانی بھی مٹی کے تیل کا کام دے رہا تھا، لوگوں نے آگ بجھانے کی ہزار تدبیریں کیں مگر سب بیکار ہو گئیں، تین دن کے بعد آگ کو سکون ہوا، تو صاحب کمزور آدمی اگر مقابلہ نہ کر سکے تو یہ حرکتیں تو کر سکتا ہے کہ گھر میں آگ لگا دے، رات کو اینٹیں پتھر پھینک دے، اسی لئے عقلاء کہتے ہیں کہ دشمن چاہے چمار ہی کیوں نہ ہو وہ بھی برا، کسی کو دشمن بنانا اچھا نہیں، پھر کمزور آدمی مقابلہ سے اسی وقت تک رکتا ہے جب تک اسے جان کا خوف ہو اور اگر کوئی جان پر کھیل جائے تو مقابلہ بھی مشکل نہیں۔

(اصلاح ذات البین ملحقہ آداب انسانیت ص ۳۴۶، ۳۴۷)

گالی دینے کی وجہ سے تین جانیں گئیں گھر اجڑ گیا

بریلی کا قصہ ہے کہ وہاں ایک کوتوال بڑے جاہ وجلال کے تھے وہ گالیاں بہت دیا کرتے تھے، ایک دفعہ ایک شخص کو گالی دے دی جو شاید راجپوت یا برہمن

تھا، اسے گالی کا تحمل نہ ہوا، جان پر کھیل گیا، اور موقع پا کر کوتوال پر اور اس کے ایک بیٹے پر ہاتھ صاف کر دیا (دونوں جان سے ختم ہو گئے گو) بعد میں اسے بھی پھانسی ہو گئی۔

غرض بعض دفعہ کمزور دشمن جان پر کھیل جاتا ہے تو مقابلہ بھی کر بیٹھتا ہے، پس آپسی فساد کا پہلا عذاب تو یہ ہے کہ فریقین کو ایک دوسرے کی عداوت سے اندیشہ اور خوف ہو جاتا ہے، اور یہ خوف کا عذاب سب سے بڑھ کر ہے، کیونکہ اس سے ہر وقت دل میں کانٹا سا چبھتا رہتا ہے۔ (اصلاح ذات البین ص ۳۴۷)

غیبت سے دشمنی تک

(باہم اختلاف ہو جانے کی صورت میں) غیبت سے دوسرے تک بات پہنچتی ہے جس سے اس کے دل میں کبیدگی پیدا ہوئی، پھر وہ بھی اس کی غیبت کرتا ہے، اور پھر وہ بیچ والے کی بدولت پہلے شخص تک پہنچ جاتی ہے، جس کی وجہ سے اس عداوت میں اور ترقی ہو جاتی ہے، تو غیبت عداوت (دشمنی) کا باپ بھی ہے اور بیٹا بھی، یعنی کبھی عداوت سے غیبت پیدا ہو جاتی ہے اور کبھی غیبت سے عداوت ہو جاتی ہے، جس کا نسب ایسا بے ہودہ ہو اس کی بے ہودگی کے لئے یہی بات کافی ہے۔

پھر جب کوئی کسی کے درپے ہو جاتا ہے تو مشاہدہ ہے کہ دین کا خیال بالکل نہیں رہتا، اب نہ ایذاء (تکلیف پہنچانے) سے دریغ ہے، نہ جھوٹ اور فریب سے، ہر شخص یہ چاہتا ہے کہ دشمن کو نقصان پہنچ جائے، چاہے اس کے ساتھ ہمارا بھی خاتمہ کیوں نہ ہو جائے، پھر اس کے لئے ہر ممکن تدبیر سوچی جاتی ہے، خواہ دین اور حیا اس کی اجازت دے یا نہ دے، کیونکہ آج کل شرافت تو رہی نہیں، اگر انسان میں دین بھی نہ ہو مگر شرافت ہو تو جب بھی بہت سے بے ہودہ کاموں سے بچا رہتا

ہے، اور جب نہ دین ہو نہ شرافت تو اب اس سے کسی کام سے رکنے کی امید نہیں، آجکل شرافتِ نسب گو باقی ہے مگر شرافتِ اخلاق نہیں رہی، اسی لئے دشمنی میں انسان کسی قسم کی حرکتوں سے باز نہیں آتا۔ (الانسداد للتفساد، آداب انسانیت ص ۴۰۴)

غیبت کو عداوت پیدا کرنے اور اتفاق کی جڑ کاٹ دینے میں خاص دخل ہے، غیبت دین و دنیا سب ہی کے مفاسد کی جڑ ہے۔

(ذم المکروہات ملحقہ اصلاح اعمال ص: ۳۹۰)

معمولی اختلاف سے عداوت

آج کل یہ حالت ہے کہ ذرا سے اختلاف میں عداوت اور نفرت ہو جاتی ہے بعض لوگ تو اپنے مخالف کے اس قدر درپے ہوتے ہیں کہ اس کو دنیاوی نقصان بھی پہنچانے کے درپے ہو جاتے ہیں، اور اگر اتفاق سے اسے کوئی دنیاوی نقصان پہنچ جائے تو اس کو اپنی کرامت اور اپنی بددعاء کا نتیجہ سمجھتے ہیں، یہ سچ ہے کہ اہل دل (بزرگوں) کو ستانا اچھا نہیں اس سے طرح طرح کے نقصان ہوتے ہیں مگر یہ کسی کو کب جائز ہے کہ وہ اپنے کو ایسا سمجھے۔ اور مصیبت زدوں کی مصیبت کو دیکھ کر تو خوش ہونا ہی نہ چاہئے بلکہ غمگین ہونا چاہئے اور ان کے لئے دعاء کرنا چاہئے اور یہ حالت ہونی چاہئے کہ جیسے کسی کا لڑکا جوا کھیلتا ہے اور اس میں پکڑ گیا تو دیکھئے اس کے باپ کی کیا حالت ہوگی۔ اگرچہ اس خبر کو سن کر زبان سے کہہ دے گا کہ اچھا ہوا پکڑا گیا، لیکن دل کی یہ حالت ہوگی کہ بے قرار ہو جائے گا (رہائی کی) تدبیریں کرے گا دعائیں کرائے گا، اور جگہ جگہ کہتا نہ پھرے گا بلکہ اگر کوئی اس کے سامنے یہ تذکرہ کرے گا تو اس کو ناگوار ہوگا، لوگ اگر عیادت کو آئیں گے تو

ان کی عیادت لے گا، تو صاحبو! کیا وجہ ہے کہ اپنے بیٹے پر کوئی مصیبت آجائے تو قلب کی یہ حالت ہو جائے اور کسی دوسرے مسلمان پر کوئی مصیبت آئے تو دل کو اثر بھی نہ ہو، میں اسی کی شکایت کرتا ہوں۔ (فضائل العلم والحکمۃ ملحقہ رحمت دو عالم ص ۲۸۹)

دشمنی کا دینی و دنیوی نقصان

پھر دشمنی سے دنیا کا تو ضرر ہوتا ہی ہے دین کا بھی نقصان ہوتا کیونکہ اس صورت میں اطمینان قلب فوت ہو جاتا ہے اور اطمینان قلب سب کاموں کی جڑ ہے، دین کا کوئی تو کام بغیر اطمینان قلب کے اچھی طرح ہو ہی نہیں سکتا، میں کہتا ہوں کہ اس کے بغیر دنیا کا بھی کوئی کام نہیں ہوتا، تو اختلاط میں یہ کتنا بڑا ضرر ہے، ہمارے حاجی صاحب کی وصیت ہے کہ کسی سے نہ دوستی بڑھائیں نہ دشمنی پیدا کریں، بس سب سے معمولی سلامت رکھیں، کیونکہ دشمنی تو قلب کی پریشانی کا سبب ہے، اور آج کل دوستی بھی اس (پریشانی کا) سبب ہو جاتی ہے۔

(التبلیغ وعظ تقلیل الطعام ۲۲/۶۵، خیر المال ص: ۱۱۴)

ایسے انسان میں کوئی بھلائی نہیں جس کے اندر محبت کا مادّہ نہ ہو

شریعت کا اصول ہے لَاخَیْرَ فِیْمَنْ لَایَأْلَفُ وَلَا یُؤْلَفُ یہ حدیث ہے یعنی اس شخص میں کوئی بھلائی نہیں جو نہ خود دوسروں سے محبت رکھے نہ دوسرے اس سے محبت رکھیں، بعض لوگ ایسے اکھڑ مزاج ہوتے ہیں کہ ان کو ملنا جلنا پسند نہیں آتا اس حدیث میں ان کی مذمت وارد ہے۔ (ذم المکر وہات ص: ۴۲۵)

اللہ واسطے محبت کرنے والوں کی فضیلت

شریعت نے محبت کو منع نہیں کیا ہے بلکہ اس کی فضیلت بیان فرمائی ہے، ہاں بناوٹ اور محض ظاہری محبت سے منع کیا ہے اور اُس محبت کی تعلیم دی ہے جو ظاہر وباطن اور حاضر وغائب ہر حالت میں یکساں ہو جس میں سوائے للّٰہیت کے کچھ نہ ہو، ایسی محبت کی بے انتہا فضیلت حدیث میں وارد ہے، چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ قیامت کے دن یہ اعلان کیا جائے گا **این المتحابون فی اللہ أظلهم فی ظلی یوم لاظل إلا ظلی** یعنی وہ لوگ کہاں ہیں جو آپس میں اللہ واسطے محبت رکھتے تھے، آج میں ان کو اپنے سایہ میں جگہ دوں گا جب کہ کوئی سایہ سوائے میرے سایہ کے نہیں ہے ایسی محبت کیسی اچھی چیز ہے اور واقعی محبت یہی ہے، وہ محبت جس کو آج کل عشق کہتے ہیں کوئی چیز نہیں۔

یہ دیکھا گیا ہے کہ دو شخصوں میں بہت گہری محبت تھی کھانا پینا اٹھنا بیٹھنا یکجا تھا اور لوگ کہتے تھے کہ ان میں بڑی محبت ہے کہ ایک دوسرے کے بغیر چین نہیں آتا لیکن ذرا سی بات پر بگاڑ ہو گیا تو مقدمہ بازی اور فوجداری تک نوبت آگئی اور ساری محبت دشمنی میں تبدیل ہو گئی، یہ کیا محبت ہے جو محض چند روزہ کا جوش ہے، لوگوں نے حقیقی محبت دیکھی ہی نہیں، حقیقی محبت وہ ہے جو کسی وجہ سے بھی زائل نہ ہو سکے، وہ محبت دنیا کے فنا ہونے سے بھی فنا نہیں ہوتی، امام شافعی صاحب رحمہ اللہ کا مقولہ ہے کہ ہمیں تو جنت کی آرزو اس لئے ہے کہ وہاں دوستوں سے ملاقات رہے گی۔

(وعظ ذم المکروهات ملحقہ اصلاح اعمال ص:۲۲۶)

باب ۳

اتحاد واتفاق کے مختلف اسباب

اتحاد واتفاق کیلئے اس کے اسباب اختیار کرنا ضروری ہے

اس وقت ساری دنیا اتفاق اتفاق پکار رہی ہے مگر اس کے جو اسباب ہیں ان سے بالکل ناواقفیت ہے، اس کی بالکل ایسی مثال ہے کہ ایک شخص چھت پر جانا چاہتا ہے مگر زینہ سے نہیں جانا چاہتا، اچک کر جانا چاہتا ہے اور ایک جست (چھلانگ) لگاتا ہے اور گر پڑتا ہے، اسی طرح پھر جست لگاتا ہے اور پھر گرتا ہے تو یہ شخص چھت پر کیوں نہیں پہونچا؟ اس لئے کہ اوپر جانے کا جو طریق ہے اس سے نہیں گیا، اس نے اس پر عمل نہیں کیا، اسی واسطے شریعت نے اس کی اجازت نہیں دی کہ مطلقاً اسباب چھوڑ دو بلکہ اس کا حکم کیا ہے کہ جس شئی کے جو اسباب پیدا کئے گئے ہیں اس کو ان ہی (اسباب کے ذریعہ) سے طلب کرو۔

(الاتفاق ملحقہ آداب انسانیت ص ۳۲۸)

ہمارے کاموں میں استقلال نہیں اس لئے اتحاد واتفاق میں بھی پائیداری نہیں

اتحاد مطلوب کے دو درجے ہیں ایک اس کا حدوث (یعنی اتحاد پیدا کرنا) دوسرے اس کا بقاء (یعنی اتحاد کو باقی رکھنا) میں ان دونوں درجوں کے اسباب بیان کروں گا

کہ حدوث اتحاد (یعنی اتحاد قائم کرنے) کی کیا بنیاد ہونی چاہئے، اور اتحاد باقی رہنے کا کیا طریقہ ہے، اور اتحاد باقی رہنے کے اسباب کی تحقیق زیادہ اہم ہے، اس لئے کہ آج کل ہم لوگوں میں اتحاد و اتفاق پیدا تو ہوتا ہے مگر باقی نہیں رہتا۔

بلکہ ایک اتحاد ہی کیا مجھے تو ایسی بدگمانی ہے کہ جب سنتا ہوں کہ مسلمانوں نے کوئی کام شروع کیا ہے تو سب سے پہلے یہ خیال ہوتا ہے کہ دیکھئے استقلال کے ساتھ چلے گا بھی یا نہیں، کیونکہ میں رات دن دیکھتا ہوں کہ نہ ہمارے کارخانے چلتے ہیں نہ انجمنیں نہ مدرسے، نہ اتحاد و اتفاق، ہاں ایک چیز ہمیشہ چلتی ہے وہ کیا؟ جوتا اور لٹھ یہ ایک بار جہاں چلا پھر عمر بھر چلتا رہتا ہے چاہے اس کی بنیاد کیسی ہی کمزور ہو مگر شاخیں مضبوط ہو جاتی ہیں، جیسے عرب میں جاہلیت کے زمانہ میں ایک گھوڑ دوڑ ہوتی تھی جس میں ایک فریق کا گھوڑا آگے نکل گیا تو اسی بات پر صدیوں لڑائی رہی، ہماری حالت آج کل اہل جاہلیت کی حالت کے مشابہ ہے کہ ذرا سی بات پر جہاں جوتا چلا پھر وہ برسوں تک چلتا رہتا ہے، باقی اتحاد و اتفاق اس کی عمر ہمارے یہاں بہت تھوڑی ہے گو لکچرار اتحاد قائم کرنے کی بہت کوشش کرتے رہتے ہیں اور اس پر تقریریں بھی بہت ہوتی ہیں مگر آج تک کسی نے اتحاد باقی رہنے کے اسباب نہیں بیان کئے اور نہ عدم بقاء کے اسباب (یعنی وہ اسباب جن سے اتحاد ختم ہو جاتا ہے ان اسباب) کو دور کیا، حالانکہ سب سے پہلے یہ مسئلہ قابل غور تھا اس لئے میں اس وقت اسی کو بیان کرنا چاہتا ہوں۔ (الاخوۃ ص ۱۰۰ ج ۱۳)

فائدہ: (اتحاد و اتفاق) اور باہمی محبت شرعاً مطلوب ہے، شریعت نے اس کی خاص طور پر تعلیم فرمائی ہے، اور اس کے مختلف طریقے بتلائے ہیں جن سے خاص محبت پیدا ہو۔ (وعظ ذم المکروھات ملحقہ اصلاح اعمال ص: ۳۹۰)

سلام ومصافحہ کا اہتمام کرو اس سے محبت ہوتی ہے

دل صاف ہوجاتا ہے

(حدیث پاک کا مفہوم ہے) باہم (یعنی آپس میں) سلام کیا کرو، اس سے محبت بڑھتی ہے، سلام میں جان پہچان والوں کی تخصیص مت کرو جو مسلمان مل جاوے اس کو سلام کرو، سوار کو چاہئے کہ پیادے کو سلام کرے، اور چلنے والا بیٹھنے والے کو اور تھوڑے آدمی زیادہ آدمیوں کو اور کم عمر والا زیادہ عمر والے کو۔

جو شخص سلام میں پہل کرتا ہے اس کو زیادہ ثواب ملتا ہے، اور مصافحہ کرنے سے دل صاف ہوجاتا ہے اور گناہ معاف ہوتے ہیں (یہ حدیث پاک کا مفہوم ہے کمافی روایۃ الترمذی) محبت سے معانقہ کرنے میں کچھ مضائقہ نہیں البتہ بشہوت حرام ہے، کسی بزرگ یا معزز آدمی کے آنے کے وقت تعظیماً کھڑے ہونے میں مضائقہ نہیں، مگر اس کے بیٹھنے سے بیٹھ جانا چاہئے۔

جب ملو کشادہ روئی سے (خندہ پیشانی سے یعنی پوری بشاشت اور خوشی) سے ملو بلکہ تبسم سے (یعنی مسکرا کر) ملنا مناسب ہے تاکہ وہ خوش ہوجائے۔

(تعلیم الدین اصلاحی نصاب ص ۲۸۱)

کسی کے پاس جاؤ، سلام یا کلام سے غرض کسی طرح سے اس کو اپنے آنے کی خبر کردو، بغیر اطلاع کے (یعنی چھپ کر) آڑ میں ایسی جگہ مت بیٹھو کہ اس کو تمہارے آنے کی خبر نہ ہو۔

(آداب زندگی ص ۴۱)

اتحادواتفاق کی تدبیریں اوراس کے مختلف اسباب

ملاقات اور برتاؤ میں نرمی اختیار کرنا

اتحادواتفاق اچھی چیز (بلکہ بہت ضروری چیز) ہے اس کے حاصل کرنے کی تدبیریں کرنی چاہئے اور آپس میں میل واتحاد پیدا ہونے کی کچھ تدبیریں ہیں (ان کو بیان کرتا ہوں ان شاء اللہ ان کے اختیار کرنے سے باہم اتحادواتفاق پیدا ہوگا)

ایک تو یہ کہ ایک دوسرے سے ملتے رہیں، اور باہم نرمی کا برتاؤ کریں (کیونکہ) نرم برتاؤ فی نفسہٖ بھی مامور بہ اور محمود ہے اور دونوں ہی (فریق) اس کے مخاطب ہیں، یہ سمجھ کر دونوں کو چاہئے کہ نرمی کا برتاؤ کریں (کیونکہ شریعت کا یہی حکم ہے) اور خلوص سے کام کریں، اگر ایک فریق نرم ہوجائے تو اس کا دوسرے پر بھی اثر ہوتا ہے اور وہ بھی نرم ہوجاتا ہے۔ ہر شخص خلوص سے کام کرے جس سے بھی جو کام دین کا ہوجائے اس کو غنیمت سمجھے، تزاحم (مقابلہ) کیوں کیا جاتا ہے۔ یہ صورت ہے اتحادواتفاق کی۔ (السوق لاہل الشوق ص:۲۳)

آمدورفت کا اہتمام

بعض عمل میں خاصیت ہوتی ہے محبت پیدا کردینے کی اوراس کو بہت بڑا دخل ہوتا ہے محبت پیدا کرنے میں، چاہے تجربہ کرلو، روز روز کسی کے پاس جایا کرو دیکھو محبت ہوجائے گی، پہلے تھوڑی ہوگی پھر جاتے جاتے ایسا تعلق ہوجائے گا کہ بہت ہی زیادہ، غرض یہ مسلم امر ہے کہ میل جول جتنا زیادہ ہوگا اتنی ہی زیادہ محبت ہوگی۔

(طریق القلندر ص۴)

ہدیہ کا لین دین

حدیث میں تطییب قلب مؤمن (یعنی مومن کا جی خوش کرنے) کی جابجا تاکید ہے، اور اسی لئے تَهَادَوْا تَحَابُّوْا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ آپس میں ایک دوسرے کو ہدیہ دیا کرو اس سے آپس میں محبت پیدا ہوگی، اور اس سے محبت پیدا ہونے کا راز وہی ہے کہ ہدیہ سے تطییب قلب (یعنی جی خوش) ہوتا ہے جو محبت کی طرف مفضی ہو جاتا ہے۔ (ارضاء الحق ج:۱ ملحقہ تسلیم ورضا ص:۶۵)

برے برتاؤں کا بدلہ اچھے برتاؤ کے ساتھ

بتکلّف یہ تدبیریں اختیار کیجئے انشاء اللہ ضرور اثر ہوگا

اتحاد واتفاق کی ان تدبیروں کو اگر بتکلف بھی اختیار کیا جائے تو بھی اثر ہوتا ہے، قرآن سے معلوم ہوتا ہے کہ جیسے ظاہری برتاؤ میں باطنی اخلاق کو دخل ہے کہ جیسے باطنی اخلاق ہوتے ہیں ویسا ہی برتاؤ اس سے ظاہر ہوتا ہے، ایسے ہی اس کا عکس بھی ہے کہ ظاہری برتاؤ کو بھی باطنی اخلاق کے پیدا ہو جانے میں دخل ہے، کہ جیسا برتاؤ بتکلف اختیار کیا جائے ویسے ہی اخلاق پیدا ہو جاتے ہیں۔

چنانچہ ارشاد ہے:

اِدْفَعْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِیْ بَیْنَکَ وَبَیْنَهٗ عَدَاوَةٌ کَاَنَّهٗ وَلِیٌّ حَمِیْمٌ۔ (بیان القرآن) پ۲۴

یعنی اگر کسی سے تکلیف پہنچی تو اس کی مکافات اچھے برتاؤ کے ساتھ

کیجئے، اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ جس کو آپ سے عداوت تھی وہ پکا دوست بن جائے گا۔

صدیق صداقت سے ہے جس کی معنی ہیں محبت، خُلّت یعنی وہ دوستی جو قلب میں گھس گئی ہو، معلوم ہوا کہ نیک برتاؤ کا گو وہ برتاؤ تکلف ہی سے ہو یہ اثر ہوتا ہے کہ دوسرے شخص کے قلب میں سچی اور واقعی محبت پیدا ہو جاتی ہے۔

مذکورہ آیت سے یہ مسئلہ بدلالۃ النص ثابت ہوگیا کہ اگر یہ اتحاد کی تدبیریں (مثلاً سلام ومصافحہ، ملاقات، ہدیہ کا لین دین) دل سے نہیں اختیار کر سکتے تو بتکلف ہی اختیار کرلیں، (ضرور اتحاد پیدا ہوگا) غرض اتحاد اچھی چیز ہے اس کے حاصل کرنے کی تدبیر کرنی چاہئے۔ (السوق لاہل الشوق ص ۳۵)

اتحاد وہی باقی رہے گا جس کی بنیاد ایمان پر قائم ہو

حق تعالیٰ فرماتے ہیں اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ (یعنی مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں) اس میں حق تعالیٰ نے حکم اخوت (یعنی بھائی ہونے کے حکم) کو صفت مؤمن پر مرتب فرمایا ہے اور اصول کا قاعدہ یہ ہے کہ جہاں کسی صفت پر حکم مرتب ہوتا ہے وہاں وہ وصف حکم کی علت ہوتا ہے، تو معلوم ہوا کہ ہم میں جو اخوت (اور بھائی چارگی) کا تعلق ہے اس کی علت ایمان ہے، اور وہی اخوت مطلوب ہے جس کی بنیاد ایمان پر ہو۔

صاحبو! آج کل جو اتحاد و اتفاق باقی نہیں رہتا اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ اس کی بنیاد ایمان پر نہیں ہوتی بلکہ ہوائے نفس (یعنی نفسانی اغراض) اور معاصی پر ہوتی ہے اس لئے وہ بہت جلد ختم ہو جاتا ہے۔

اگر اتفاق کو باقی رکھنا چاہتے ہو تو اس کی بنیاد ایمان پر قائم کرو، مگر آج کل تو

ایمان کو ایسی بے قدر چیز سمجھ رکھا ہے کہ اس کی کچھ وقعت ہی نہیں ہے، جس کام کی بنیاد ایمان پر رکھی جاتی ہے اس کے متعلق لوگ کہہ دیتے ہیں کہ یہ تو مُلّا لوگوں کا کام ہے، چنانچہ آج کل زبانوں پر یہ بات بہت کثرت سے ہے کہ یہ وقت نماز روزہ کا نہیں ہے اتحاد کا وقت ہے، اور جب کوئی اللہ کا بندہ اعتراض کرتا ہے کہ اتحاد کی وجہ سے احکام شرعیہ کو فوت کرنا جائز نہیں ہے تو نہایت بے باکی سے جواب دیا جاتا ہے کہ یہ وقت جائز ناجائز کا نہیں ہے کام کا وقت ہے۔ (اخوۃ ص ۱۰۸، ۱۰۹ التبلیغ ج ۱۳)

اتحاد واتفاق وہی معتبر اور پائیدار ہوگا جو دینی حدود پر قائم ہو اور تقویٰ کی رعایت کے ساتھ ہو

اتحاد واتفاق کی بنیاد ہمیشہ دین کی حدود پر قائم کرو، اور کسی (تجربہ کار) عالم سے مشورہ کر کے کام کرو، یہ اتحاد انشاء اللہ مضبوط ہوگا، اور یہ اتحاد اس وقت تک باقی رہے گا جب تک تقویٰ کی رعایت ہوگی، کیونکہ جب تقویٰ کی رعایت ہوگی تو خدا کا خوف ہوگا اور دوسروں کے حقوق ادا کرنے کا خیال ہوگا، اور جب دوسروں کے حقوق ادا ہوتے رہیں گے تو پھر نا اتفاقی پیدا نہیں ہوگی۔

(شریعت وسیاست ص ۲۱ مطبوعہ پاکستان۔

کسی کو کسی سے کوئی تکلیف نہ ہو

اسلام کی تعلیم ہے کہ کسی کو کسی سے تکلیف نہ ہو، اور یہ محبوبیت اور باہم اتحاد واتفاق کی جڑ ہے، چنانچہ ارشاد ہے اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِّسَانِهٖ وَيَدِهٖ (مسلم شریف) مسلمان وہ ہے کہ جس کی زبان اور ہاتھ سے مسلمان بچے

رہیں یعنی کسی کو اس سے ضرر اور اذیت (یعنی کسی قسم کی کوئی تکلیف) نہ پہنچے، یہ تو کلیہ ہے پھر اس کی جزئیات کی علمی اور عملی طور سے ایسی تعلیم فرمائی ہے کہ انتہا کو پہنچا دیا ہے۔ (آداب انسانیت)

سونے والوں کی نیند بھی نہ خراب کرو

چنانچہ تعلیم ہے کہ اگر کوئی مسلمان بھائی سوتا ہو اور تم کو اٹھنے اور کہیں جانے کی ضرورت ہو تو آہستہ سے اٹھو اور آہستہ سے جوتے پہنو، آہستہ سے کواڑ کھولو، اگر بات کرو تو آہستہ سے بات کرو، یہ سب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کر کے دکھلا دیا جیسے نسائی شریف میں حضرت عائشہؓ سے لیلۃ البراۃ کے قصہ میں مذکور ہے۔

میں نے ایک کتاب آداب المعاشرت لکھی ہے اس میں یہ دکھلا دیا ہے کہ دوسروں کو تکلیف نہ دینے کی شارع نے کتنی رعایت کی ہے۔

(آداب انسانیت)

اتنے زور سے ذکر اور تلاوت نہ کرو جس سے لوگوں کی نیند خراب ہو

اتنے زور سے ذکر یا تلاوت کرنا جس سے دوسروں کی نیند خراب ہو ممنوع ہے، ایک صاحب جو پہلے کسی دوسرے شیخ سے بیعت تھے، ذکر جہری کرتے تھے، فجر سے پہلے تہجد کے وقت اٹھ جاتے اور اتنی زور سے ذکر کرتے کہ سارے محلہ والے پریشان تھے، سب کی نیند خراب ہوتی اور وہ اس کو بڑا کمال سمجھتے تھے، انہوں نے مجھ سے تعلق قائم کیا، میں نے ان کا ذکر بالکل موقوف کر دیا، سارے محلہ

والے مجھے بڑی دعائیں دیتے تھے کہ ان کے ذکر کی وجہ سے سونا دشوار تھا جب سے مجھ سے تعلق قائم ہوا سونا نصیب ہوگیا، شریعت کی پابندی اصل چیز ہے سونے کے وقت میں اتنی آواز سے ذکر و تلاوت کرنا جس سے دوسروں کی نیند خراب ہو فقہاء نے اس کو ناجائز لکھا ہے۔ (ملفوظات حکیم الامت)

اتحاد و اتفاق کے لئے اپنی معاشرت بھی درست رکھو

پاکیزہ معاشرت کے بغیر کامل دیندار نہیں بن سکتے

آج کل جو دیندار کہلاتے ہیں وہ دینداری کو ان چند باتوں میں منحصر سمجھتے ہیں کہ لباس ٹخنہ سے اوپر ہو، ڈاڑھی بڑھالی، بس دیندار ہوگئے۔ باقی نہ اخلاق کو جزء دین سمجھتے ہیں نہ معاشرت کا دین سے تعلق سمجھتے ہیں، نہ معاملات ان کے شریعت کے موافق ہیں، کسی کو ستالیا، کسی کی غیبت کرلی، کسی کو حقیر سمجھ لیا، کسی کی آبرو ریزی کرلی اور پھر دیندار کے دیندار بنے ہیں ایسے دینداروں کو دیکھ کر لوگ سمجھتے ہیں کہ بس دیندار ایسے ہی ہوتے ہیں اور شریعت کی یہی تعلیم ہے۔

صاحبو! یاد رکھو کہ دین صرف ظاہر ہی کے درست کرنے کا نام نہیں گو ظاہر کی اصلاح کا بھی حکم دیا گیا ہے مگر صرف اس سے پورا دیندار نہیں ہوتا، پورا دیندار وہ ہے جو شریعت کے ہر ہر حکم پر عمل کرے، ظاہر کے متعلق بھی اور باطن کے متعلق بھی۔

حسین اسکو کہیں گے جو سر سے پاؤں تک حسین ہو، اور اگر سب اعضاء خوبصورت ہوں اور آنکھیں پھوٹی ہوئی ہوں تو وہ حسین نہیں ہے، پس جس کے اندر ایک بات بھی دین کے خلاف ہو وہ کامل دیندار نہیں۔ (الاتفاق ص ۴۶۹ آداب انسانیت)

آج کل ہم لوگ معاشرت کے باب میں بہت غفلت کرتے ہیں، بعضی

باتیں بہت چھوٹی سی ہوتی ہیں لیکن نتیجہ اس کا بہت برا ہوتا ہے، دوسروں کو بڑی تکلیف پہنچتی ہے، بعضے لوگ بڑے عہدوں پر (یا دیندار) ہیں لیکن معاشرت کے بعض جزئیات کا ان کو خیال نہیں حالانکہ تمدن کے مدعی ہیں، اور معاشرت کے تمام آداب کا تعلق تمدن سے ہے، مثلاً ایک معمولی بات ہے کہ کرسی کہیں سے اٹھا کر دوسری جگہ جہاں راستہ ہے بچھائیں گے اور وہیں چھوڑ کر چلے جائیں گے، اب کوئی اندھا اپاہج آیا وہ گر پڑتا ہے، بعض لوگ چارپائی ایسی جگہ پر چھوڑ دیتے ہیں کہ آنے جانے والوں کو تکلیف ہوتی ہے۔ (عمل الذرۃ ملحقہ آداب انسانیت ص ۵۲۵)

حسن معاشرت اختیار کرو باہم الفت ومحبت پیدا ہوگی

محبت کا ایک سبب خوش معاملگی اور معاشرت کی خوبی (یعنی حسن معاشرت) ہے جو کمال کلی کے مفہوم میں داخل ہوسکتی ہے، شریعت نے اس کی یہاں تک تعلیم کی ہے کہ دور دور تک کے احتمالات تک پر نظر فرمائی ہے کہ کسی کے مال میں بلا اجازت تصرف نہ کرو، کسی کے خلوت خانہ (تنہائی کی جگہ) میں بلا اجازت نہ جاؤ، اگر جاؤ تو اجازت لے کر جاؤ، اور اس کا طریقہ کیسا اچھا تعلیم فرمایا کہ دروازہ پر کھڑے ہوکر کہو اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ أَدْخُلُ ؟ یعنی آپ پر سلامتی ہو میں آؤں؟ تین بار کہنے پر اگر جواب نہ ملے تو واپس چلے جاؤ دروازہ مت کھٹ کھٹاؤ، ممکن ہے کہ اس وقت ملنے سے کچھ عذر ہو، سوتا ہو یا جی نہ چاہتا ہو، اس کو معذور سمجھ کر واپس چلے آؤ، اور اگر اندر سے یہ کہہ دیا جائے کہ اس وقت واپس جاؤ تو واپس چلے آؤ، برا مت مانو، چنانچہ ارشاد ہے هُوَ أَزْكَىٰ لَكُمْ کہ یہ زیادہ صفائی کی بات ہے، شاہ عبدالقادر صاحب اس کی تفسیر میں فرماتے ہیں یعنی اس میں ملاقات صاف رہتی ہے۔ (الاتفاق، آداب انسانیت ص ۴۵۴)

معاملات میں آزادی ووسعت

ان تعلیمات میں سے (جس سے اتحاد باقی رہتا ہے) ایک حکم یہ ہے کہ بازار کا نرخ (بھاؤ) مقرر نہ کرو، ہر شخص جتنے میں چاہے اپنا مال فروخت کرے، سب کو آزاد رکھو، آج کل جو لوگ آزادی کے مدعی ہیں وہ بھی دکانداروں کو آزادی نہیں دیتے، بلکہ بازار کا نرخ (ریٹ) مقرر کردیتے ہیں یا قلیوں اور ٹم ٹم (یعنی رکشے) والوں کا کرایہ متعین کردیتے ہیں، اسلام میں اس کی ممانعت ہے کیونکہ اپنی چیز میں ہر شخص خود مختار ہے۔ (التبلیغ)

حقوق کی ادائیگی

منجملہ ان کے ایک حکم یہ ہے کہ مَطْلُ الْغَنِیِّ ظُلْمٌ یعنی مالدار آدمی کا قرض خواہوں کو ٹالنا (یعنی قرض نہ ادا کرنا) ظلم ہے، شریعت میں اس کی ممانعت ہے کہ رقم پاس ہوتے ہوئے قرض خواہ کو ٹالا جائے، سبحان اللہ حقوق کی کتنی رعایت ہے، میں کہاں تک اسلام کی برکتیں بیان کروں، تم عمل کرکے دیکھو اسلام کی برکتیں تم کو خود نظر آجائیں گی۔ (یہ وہ اسباب ہیں جن سے اتحاد واتفاق باقی رہتا ہے) (اخوۃ التبلیغ ص ۱۲۹ ج ۱۳)

دو آدمی تیسرے کو چھوڑ کر چپکے سے باتیں نہ کریں

شریعت نے اس باب میں یہاں تک رعایت کی ہے کہ ارشاد ہے:

لایتناجی اثنان دون الثالث (الحدیث) یعنی اگر تین آدمی بیٹھے ہوں تو دو آپس میں سرگوشی نہ کریں، اس لئے کہ اس کا دل دکھے گا کہ بس میں ہی غیر تھا،

مجھ سے چھپانا منظور تھا۔ کہاں ہیں تمدن کے مدعی، میں بقسم کہتا ہوں کہ شریعت نے تمدن کی اس قدر رعایت کی ہے کہ اتنی کوئی نہیں کرسکتا۔ (الاتفاق ص ۴۵۶)

دباؤ ڈال کر سفارش کے ذریعہ بھی کسی کو تکلیف نہ دو

اور دیکھئے شریعت کی تعلیم ہے کہ سفارش سے بھی کسی کو تکلیف نہ دو، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا سے حضرت مغیث کی سفارش کی، جو ان کے پہلے شوہر تھے اور انہوں نے خیار عتق کی بنا پر علیحدگی اختیار کرلی تھی، (حضو صلی اللہ علیہ وسلم نے) ان سے نکاح کرنے کے لئے فرمایا، وہ پوچھتی ہیں کہ آپ حکم فرماتے ہیں یا سفارش؟ آپ نے فرمایا سفارش! کہنے لگیں مجھ کو منظور نہیں آپ ناخوش نہیں ہوئے۔ اس سے ثابت ہوا کہ سفارش وہی ہے جس میں کسی پر زور نہ ڈالا جائے، تو (شریعت میں) اتنی تکلیف دینا بھی کسی کو گوارا نہیں کی گئی۔

معاملات صاف رکھو دل صاف رہیں گے

اسی طرح دین کے اندر صفائی کا حکم ہے، دیکھئے اگر معاملات کو صاف رکھیں تو ممکن نہیں کہ دلوں میں فرق آئے، بہرحال شریعت کے جو احکام معاملات و معاشرت اور اخلاق کے متعلق ہیں ان کی تفصیل سے معلوم ہوتا ہے کہ اس تمام کا خلاصہ یہ ہے کہ کسی کو کسی سے تکلیف نہ ہو۔

حاصل کلام یہ کہ محبت کے جو اسباب ہیں نوال، جمال، کمال، شریعت نے ان کی تعلیم فرمائی ہے پس جو شخص شریعت پر عمل کرے گا جو کہ **عَمِلُوا الصّٰلِحٰت** کا مدلول (ومصداق) ہے وہ یقیناً محبوب ہوجائیگا، اور اپنی قوم میں تو محبوب ہوگا غیر قوموں میں بھی اس کا اعتبار ہوگا۔ (الاتفاق، آداب انسانیت ص ۴۶۱)

ڈرانے، دبانے اور ہیبت ڈالنے سے محبت نہیں ہوتی بلکہ تواضع ونرمی اختیار کرنے سے محبت ہوتی ہے

صاحبو! کیا مسلمان ایسی چیز ہیں کہ ان کو ڈرایا جائے؟ مسلمان حق تعالیٰ کے محبوب ہیں ان کو ڈرانا چاہئے یا ان سے محبت رکھنی چاہئے؟ مسلمان تو ایسی چیز ہے کہ فرشتے تک اس کا ادب کرتے ہیں، اور اس سے بڑھ کر کیا ہوگا کہ حق تعالیٰ کی نظر بھی اس پر رحمت کے ساتھ پڑتی ہے، پھر جس پر احکم الحاکمین اور مقرّبین کی نظر رحمت ہو اس کے متعلق یہ کون عقلمند تجویز کرسکتا ہے کہ اس کو ڈرایا جائے، ایک ادنیٰ کلکٹر کا چپراسی جو کلکٹر صاحب کا کسی قدر منھ لگا ہو اس کو تو کوئی ڈرا ہی نہیں سکتا، بلکہ سب اس کے نخرے اٹھاتے ہیں بلکہ اس کی جا بیجا حرکتوں کو سہتے ہیں، پھر جو شخص احکم الحاکمین کا مقرب ہو اس کے ساتھ کیا برتاؤ رکھنا چاہئے، لطف یہ ہے کہ آجکل ہمدردی کا سبق بھی ہر شخص کی زبان پر ہے، کیوں صاحب کسی سے ہمدردی ڈرانے میں ہوسکتی ہے یا اس سے محبت کرنے میں؟ اگر ہمدردی کرنا چاہتے ہو تو باہم تعلقات ایسے رکھنے چاہئیں جس سے محبت پیدا ہو، اور یہ دعویٰ سے کہا جاتا ہے کہ دوسرے کو دبانے اور ڈرانے سے محبت نہیں ہوتی بلکہ خود دب جانے اور ڈر جانے سے محبت پیدا ہوتی ہے، باہمی محبت اگر واقعی ہو تو عجیب چیز ہے، شریعت نے اس کی بڑی قدر کی ہے اور اس کو ضروریات میں سمجھا ہے اور ہر ہر بات میں اس کا خیال رکھا ہے کہ محبت قائم رہے، جس حکم شرعی کو اٹھا کر دیکھئے اس میں اس کا پورا لحاظ رکھا گیا ہے کہ مخالفت نہ پیدا ہو، چنانچہ معاملات میں عام اصول (مقرر) کردیا ہے کہ جو شرط مفضی الی النزاع (یعنی معاملات میں جو شرط جھگڑے کی طرف پہنچانے

والی) ہو وہ جائز نہیں اور مفسد عقد ہے، بتایئے کسی قانون نے الفت ومحبت کا اس قدر خیال رکھا ہے؟۔

(وعظ ذمّ المکروھات ملحقہ اصلاح اعمال ص:۴۲۵)

سادہ معاشرت اور سادہ زندگی سے محبت ہوتی ہے

صاحبو! محبت سادہ ہی زندگی میں ہوسکتی ہے، میرے ذوق سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابوبکرؓ نے یہ برتاؤ (یعنی لوگوں سے خود مصافحہ کرنے لگے تاکہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو مصافحہ کی تکلیف نہ ہو، یہ برتاؤ) رفع تکلیف کے لئے کیا تھا تاکہ اول وقت سے ہی لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی معاشرت سے واقف ہوجائیں، اور آجکل یہ خیال ہے کہ جب تک بناوٹ نہ کی جائے ہیبت اور رعب نہیں ہوتا، اسی واسطے ڈراونی شکلیں بناتے ہیں، کپڑے اس طرح کے پہنتے ہیں جن سے پتلا دبلا آدمی بھی بہت بڑا معلوم ہو، چلتے اس طرح ہیں کہ دور تک کھٹ کھٹ آواز جائے، بولنے میں لہجہ ایسا اختیار کرتے ہیں کہ سننے والا ہیبت میں آجائے مگر کیا ہے، ہیبت تو خداداد ہوتی ہے، دیکھئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی معاشرت یہ تھی جس میں ہر طرح سے عبودیت اور تواضع کا خیال رکھا جاتا تھا، اٹھنے میں، بیٹھنے میں، کھانے میں، چلنے میں، بولنے میں، چالنے میں، کوشش کی جاتی تھی کہ ذرا بھی بڑے بننے کا اور امتیاز کا شائبہ نہ آنے پائے، خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں اَللّٰھُمَّ اَحْیِنِیْ مِسْکِیْنًا وَّاَمِتْنِیْ مِسْکِیْنًا وَاحْشُرْنِیْ فِیْ زُمْرَۃِ الْمَسَاکِیْنِ یعنی اے اللہ مجھ کو زندگی میں مسکین رکھنا اور موت بھی مسکینوں میں دینا اور قیامت میں بھی مسکینوں میں اٹھانا، جس شخص کی یہ حالت ہو اس کا تو رعب

بالکل ہی نہ ہونا چاہئے لیکن دیکھئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے رعب کی حالت کیا تھی، کسی بادشاہ کے دو قاصد مدینہ آئے تھے کہ بادشاہوں کے قاصد بادشاہوں کی معاشرت دیکھے ہوئے اور بڑے بڑے لشکر اور فوجوں کے دیکھنے والے تھے، بڑے بڑے سلاطین کے یہاں جاتے تھے، یہاں نہ دربار تھا نہ فوج تھی نہ کوئی سامان رعب کا تھا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وضع قطع بالکل غریبوں کی سی تھی، لوگوں میں بیٹھے ہوتے تو پہچانے بھی نہ جاتے لیکن جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آئے تو راوی کا بیان ہے کہ مارے ہیبت کے ان کے بازو کانپتے تھے ترعدفرائصهما کا لفظ آیا ہے یعنی ان کے بازوؤں کی رگیں ایسی کانپتی تھی جیسے کسی کو جاڑا چڑھا ہو، اور وہ بات نہ کر سکتے تھے حتی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر سے رعب کم کرنے کے لئے فرمایا میں تو ایک ایسی غریب عورت کا بیٹا ہوں جو سوکھا گوشت کھایا کرتی تھی، آج کل کا کوئی فلسفی بتلائے کہ یہ رعب کس چیز کا تھا؟ اور جب اپنی آنکھوں نے دیکھ لیا کہ ایسا رعب تھا پھر اس کہنے کے کیا معنی کہ بلا بناوٹ کے رعب نہیں ہو سکتا۔

(وعظ ذمّ المکروهات ملحقہ اصلاح اعمال ص:۴۳۸)

باب ۴

اختلاف اور نا اتفاقی کے اسباب جن سے بچنا ضروری ہے

حکایت وشکایت پر یقین کرنے سے پہلے تحقیق کی ضرورت

اعوذباللہ من الشیطٰن الرجیم • بسم اللہ الرحمن الرحیم

یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا اِنْ جَآئَکُمْ فَاسِقٌ بِنَبَاٍ فَتَبَیَّنُوْا اَنْ تُصِیْبُوْا قَوْمًا بِجَھَالَۃٍ فَتُصْبِحُوْا عَلٰی مَافَعَلْتُمْ نٰدِمِیْنَ • (پ۲۶ حجرات)

اس آیت کا شان نزول یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ولید بن عقبہ کو بنی مصطلق سے زکوٰۃ وصول کرنے کے لئے بھیجا، ولید میں اور ان میں زمانہ جاہلیت میں کچھ عداوت تھی، ولید کو وہاں جاتے ہوئے اندیشہ ہوا، ان لوگوں نے سن کر استقبال کیا، ولید کو گمان ہوا کہ یہ لوگ قتل کے ارادہ سے آئے ہیں واپس جا کر اپنے خیال کے موافق کہہ دیا کہ وہ تو مخالف اسلام ہو گئے۔ آپ نے حضرت خالد کو تحقیق حال کیلئے بھیجا اور فرمادیا کہ خوب تحقیق کرنا اور جلدی مت کرنا چنانچہ انہوں نے وہاں (جا کر) بجز اطاعت اور خیر کے کچھ نہ دیکھا (واپس) آ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مطمئن کر دیا اس پر یہ حکم نازل ہوا۔

ترجمہ وتفسیر: اے ایمان والو! جس طرح ولید بن عقبہ کی خبر پر باوجودیکہ ولید محکوم علیہ بالفسق نہیں (یعنی ان پر فسق کا حکم نہیں لگایا گیا اس کے باوجود) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمل کرنے میں جلدی نہیں کی بلکہ اس کی

تحقیق فرمائی جس سے ایک حکم شرعی ثابت ہوگیا کہ بغیر تحقیق کے ایسی خبر پر عمل نہیں کرنا چاہئے اور جب غیر فاسق کے بارے میں یہ حکم ہے تو فاسق کے باب میں تو بدرجہ اولیٰ (یہ حکم ہوگا کہ بغیر تحقیق کے محض سنی ہوئی بات پر یقین نہ کیا جائے) اس لئے ہم تم کو اہتمام کے لئے مکرر حکم دیتے ہیں کہ (اگر کوئی شریر آدمی تمہارے پاس کوئی خبر لائے جس میں کسی کی شکایت ہو) تو (بغیر تحقیق کے اس پر عمل مت کیا کرو، بلکہ اگر عمل کرنا ہو تو) خوب تحقیق کر لیا کرو، کبھی کسی قوم کو نادانی سے کوئی ضرر نہ پہنچا دو، پھر اپنے کئے پر پچھتانا پڑے۔

(بیان القرآن سورہ حجرات پ ۲۶)

باہم اختلاف کیسے ہوتا ہے؟

بلا تحقیق کے بات کہنے یا یقین کر لینے کا نقصان

اگر آپ کو تحقیق کی فرصت یا لیاقت نہیں تو آپ سے دخل دینے کو کس نے کہا ہے؟ اپنے گھر بیٹھئے اور تحقیق سے پہلے کسی کو برا نہ کہئے۔

(جب کسی سے دشمنی ہو جاتی ہے تو) دشمنی میں غیبت کا بازار گرم ہوتا ہے، پھر یہ بیچ کے چغلخور اس آتش حمام کو دوسرے کے پاس لے جاتے ہیں، اور ان باتوں کو مع حاشیہ کے اس کے سامنے نقل کرتے ہیں جو کہ بالکل غیر واقعی ہوتی ہیں، اب تو متن کے لئے حاشیہ ضروری ہی ہوگیا ہے، اور ان حواشی (یعنی بڑھا چڑھا کر، نمک مرچ لگا کر کہی ہوئی بات) کے غیر واقعی ہونے کا مجھ کو اتنا تجربہ ہو چکا ہے کہ میں نے جب بھی کسی واقعہ کی تحقیق کی ہے تو بات اتنی نہیں نکلتی جتنی کہی گئی تھی، پھر باوجودیکہ ہر تجربہ کار کا اس پر اتفاق ہے کہ نقل کرنے والے حاشیہ

چڑھا کر بات کو نقل کرتے ہیں مگر پھر بھی سنی سنائی باتوں پر اعتماد کرلیا جاتا ہے، اور اسکی تحقیق کوئی نہیں کرتا، بلکہ بعض لوگ تو تحقیق سے روکتے ہیں، تاکہ یہ بات کہیں جھوٹی نہ ثابت ہوجائے پھر سارا مزہ ہی جاتا رہے گا۔

(الانسداد للتفساد، آداب انسانیت ص ۴۰۴)

اگر دوسرے کی شکایت صحیح اور غلطی واقعی ثابت ہے تب بھی اس کے نقل کرنے میں ہم خطرے میں ہیں

جب کسی کی شکایت سنو تو یہ سوچو کہ بیان کرنے والے نے ایک بات میں دس باتیں غلط ملائی ہوں گی، اگر ہم نے وہ بات اپنی آنکھ سے دیکھی ہوتی تو اگر تدارک کرتے (اور بدلہ لیتے) تو ایک برائی کا بدلہ ایک کرتے، اور اب دس برائی کریں گے تو کیا انجام ہوگا۔

یہ تو ایسا ہوا کہ جیسے ہمارا کوئی ایک پیسہ کا نقصان کرے اور ہم اس کے بدلہ میں دس پیسے کا نقصان کردیں، جب یہ مقدمہ حاکم کے پاس جائے گا تو گو زیادتی پہلے اس کی تھی مگر اب ہم ملزم ہوگئے، مثلاً کسی کی شکایت سنی کہ اس نے ہماری غیبت کی ہے اور اس سے تم نے یہ بدلہ لیا کہ تم نے بھی غیبت کرلی تو یہ بدلہ ہوگیا، اور مان لیا جائے کہ بالکل برابر سرابر کا بدلہ ہے یعنی کمیت میں برابر ہے کہ ایک غیبت اس نے کی ایک تم نے کرلی، مگر اس کا کیا اطمینان ہے کہ یہ تمہارا بدلہ کیفیت میں بڑھا ہوا نہیں ہے، یا آئندہ نہ بڑھ جائے گا، اکثر ایسا ہوتا ہے کہ جب کسی کی طرف سے برائی دل میں بیٹھ جاتی ہے تو انسان اس سے صرف زیادتی کے بدلہ ہی پر اکتفا نہیں کرتا اور بدلہ لے کر اس کی برائی دل سے نہیں نکل جاتی بلکہ کینہ رہ

جاتا ہے یا حسد پیدا ہو جاتا ہے، اور کینہ اور حسد غیبت سے کیفیت میں بہت زیادہ برا ہے، حسد کے بارے میں حدیث شریف میں ہے کہ حسد نیکیوں کو ایسا کھاتا ہے جیسے آگ لکڑی کو کھاتی ہے۔ تو یہ برائی جو تمہارے دل میں اس غیبت کے مقابلہ میں پیدا ہوئی کیفیت میں بدرجہا زیادہ ہے جو تمہاری اور نیکیوں کو بھی غارت کرے گی، یہاں قوت واہمہ سے کام لو، اور نفس کے خلاف سوچو کہ اگر ہم اس ایک غیبت کے بدلہ میں ان برائیوں میں پڑ گئے تو کیسے برے نتیجے ہوں گے۔ یہ خیال کر کے ذرا ڈرو۔ (اور اپنی اصلاح کرو)

(وعظ غوائل الغضب ملحقہ حقوق الزوجین ص ۲۲۴)

بغیر تحقیق کے محض سنی سنائی بات کی بنا پر کسی سے بدگمان ہونا جائز نہیں

ایک عام گناہ جس میں بکثرت ابتلاء ہے یہ ہے کہ بے تحقیق کوئی بات سن کر کسی کی طرف منسوب کر دی یا بدگمانی پکالی، تحقیق کا مادہ ہی آج کل نہ رہا، بس کسی سے کچھ سن لیا اور اٹکل پچو گھوڑے دوڑا لیے، قرآن وحدیث میں اس کی سخت ممانعت ہے اور بہت تاکید کے ساتھ تحقیق کا حکم ہے حق تعالیٰ فرماتے ہیں:

"وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ" یعنی جس بات کی پوری تحقیق نہ ہو اس کے پیچھے نہ پڑو، ایک آیت میں ارشاد ہے "يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا إِنْ جَاءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَإٍ فَتَبَيَّنُوْا" یعنی اگر کوئی فاسق فاجر کوئی خبر لائے تو اسکی تحقیق کر لیا کرو۔

حدیث میں ہے إِيَّاكُمْ وَالظَّنَّ فَإِنَّ الظَّنَّ أَكْذَبُ الْحَدِيْثِ یعنی

بدگمانی سے بچو کیونکہ بدگمانی بھی بڑا جھوٹ ہے، مگر آجکل بدگمانی کو گناہ نہیں سمجھا جاتا، پھر بدگمانی بھی کسی بڑی وجہ سے نہیں کی جاتی ذرا سا اشارہ سن لیا اور طومار باندھ دیا یاد رکھو یہ بہت سخت گناہ ہے۔ ان باتوں سے احتیاط کرو ورنہ سارا تقویٰ وطہارت دھرا رہ جائے گا۔

(وعظ رجاء اللقاء ملحقہ موت وحیات ص ۵۷)

علماء ومشائخ سے شکایت

افسوس یہ ہے کہ اس مرض میں علماء اور مشائخ تک بھی مبتلا ہیں جہاں ان کے مقربین میں سے کسی نے کسی کے متعلق کوئی بات کہہ دی اس پر ایمان لے آئے، ذرا بھی تحقیق نہیں کرتے کہ اس کی اصل بھی کچھ ہے یا نہیں۔ آج کل مشائخ کو اپنے خاص معتقدین اور مقربین پر بہت ہی اعتماد ہوتا ہے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ جس کو چاہتے ہیں مشائخ کی نظر سے گرا دیتے ہیں، گویا کسی کو مقبول ومردود کر دینا بالکل ان کے اختیار میں ہوتا ہے، حالانکہ اگر محدثین اور فقہاء کے اصول پر جانچا جائے تو میں سچ کہتا ہوں کہ خود مشائخ میں بھی ایسے کم نکلیں گے جن کو محدثین ثقہ کہہ سکیں، ان کے مقربین اور معتقدین تو کس شمار میں ہیں، جن محدثین نے بڑے بڑے زاہد اور عابد لوگوں کو یہ کہہ دیا کہ حدیث بیان کرنے میں ضعیف ہیں اگرچہ زاہد اور عابد بہت بڑے ہیں، وہ آج کل کے زاہدوں کو کب ثقہ مان سکتے ہیں۔

(وعظ رجاء اللقاء ملحقہ موت وحیات ص ۵۷)

اہل مدارس اور علماء ومشائخ کے لئے ضروری ہدایت

سنی ہوئی بات پر یقین کرنے کا شرعی دستور العمل

علماء اور مشائخ کو چاہئے کہ روایات میں بالکل محدثین کے قواعد برتا کریں جو شخص پوری بات بیان نہ کرتا ہو، یا ہر بات کو سند سے بیان نہ کرسکتا ہو اسکی بات کا کبھی اعتبار نہ کریں۔

جب کوئی شخص کسی کے متعلق کوئی بات کہے اس سے فوراً پوچھیں کہ تم نے خود اس کا مشاہدہ کیا یا کسی سے سنا؟ اگر وہ اپنا مشاہدہ بیان کرے تو اس پر اس سے گواہوں کا مطالبہ کیا جائے اگر گواہ نہ لا سکے تو اس کو دھمکا دیں یا اور کوئی سزا دیں اور یہ کہہ دیں کہ آئندہ کوئی بات ثبوت شرعی کے بغیر ہمارے سامنے بیان نہ کرو، اور اگر وہ یہ کہے کہ میں نے کسی سے سنا ہے تو اس کا نام دریافت کیا جائے کہ کس سے سنا ہے، کب سنا ہے، کس طرح سنا ہے اس کے کیا الفاظ تھے پوری بات بیان کرو، اپنی طرف سے کم زیادہ نہ کرو، اس کے بعد اس دوسرے شخص کے حال کی تفتیش کرو کہ وہ نیک ہے یا فاسق اور اس نے خود بھی مشاہدہ کیا ہے یا کسی سے سنا ہے۔

اسی طرح اگر مقربین کی روایات میں تفتیش کی جایا کرے تو اس وقت معلوم ہو کہ یہ مقربین ہیں یا مکربین یعنی مکر کی تاک میں لگے رہنے والے غرض، بے تحقیق بات پر کبھی کان نہ لگانا چاہئے، نہ بلاوجہ کسی سے بدگمان ہونا چاہئے۔

طلبہ اور ذاکرین میں قصداً جھوٹ بولنے کا مرض (عام طور پر) تو نہیں مگر قیاس دوڑانے کا بہت مرض ہے کہ میں نے تو یہ سمجھا تھا، اس لئے کسی کی بات پر بلا تفتیش (وتحقیق) کے اعتماد نہ کرنا چاہئے۔ (وعظ رجاء اللقاء ملحقہ موت وحیات ص ۵۸)

حسن ظن کے لئے دلیل کی ضرورت نہیں
سوءظن کے لئے شرعی دلیل کا ہونا ضروری ہے

فرمایا: میں نے خاص یہ صفت یعنی شکایت سے متاثر نہ ہونا دو بزرگوں میں ایک خاص شان کی دیکھی ہے، یوں تو سب ہی بزرگوں میں اچھی صفات ہوتی ہیں مگر پھر بھی تفاوت ضرور ہوتا ہے، ایک حضرت مولانا محمد قاسم صاحبؒ اور ایک حضرت حاجی صاحبؒ میں، سو حضرت مولانا قاسم صاحبؒ تو شکایت سنتے ہی نہ تھے (جب کوئی حکایت یا شکایت کرتا تو) فرمادیتے کہ میں سننا نہیں چاہتا، اور حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمادیتے کہ سب جھوٹ ہے، وہ شخص ایسا نہیں، حضرت حاجی صاحب کی اس عادت کی دلیل قرآن میں ہے، وہ یہ کہ:

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر منافقین نے تہمت لگائی تھی حق تعالیٰ اس کے متعلق فرماتے ہیں " لَوْلَا جَآءُوْا عَلَيْهِ بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ فَاِذْلَمْ يَاْتُوْا بِالشُّهَدَآءِ فَاُولٰٓئِكَ عِنْدَاللّٰهِ هُمُ الْكٰذِبُوْنَ "۔ (پ۱۸ سورہ نور)

ترجمہ: یہ لوگ اپنے قول پر چار گواہ کیوں نہ لائے سو جس صورت میں قاعدہ کے موافق گواہ نہیں لائے تو اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ جھوٹے ہیں۔ (بیان القرآن)

اور عنداللہ سے مراد ہے فی دین اللہ فی قانون اللہ (یعنی اللہ کے دین میں اللہ کے قانون میں) اور آگے ارشاد ہے وَلَوْلَآ اِذْسَمِعْتُمُوْهُ قُلْتُمْ مَّا يَكُوْنُ لَنَآ اَنْ نَّتَكَلَّمَ بِهٰذَا سُبْحٰنَكَ هٰذَا بُهْتَانٌ عَظِيْمٌ۔ (پ۱۸ سورہ نور)

ترجمہ: اور تم نے جب اس بات کو پہلے سنا تھا تو یوں کیوں نہ کہا کہ ہم کو زیبا نہیں کہ ہم ایسی بات منہ سے بھی نکالیں معاذ اللہ یہ تو بڑا بہتان ہے۔

اس سے صاف معلوم ہوا کہ حسن ظن کے لئے دلیل کی ضرورت نہیں اور سوءظن کی دلیل نہ ہونا یہی کافی دلیل ہے حسن ظن کی۔

پس حضرت حاجی صاحب پر یہ شبہ نہیں ہوسکتا کہ بلا دلیل شاکی (یعنی شکایت کرنے والے) کو کیسے کاذب فرمادیا، البتہ باوجود غلط سمجھنے کے اگر کسی دوسری بنا پر عمل کیا جائے تو دوسری بات ہے جیسا کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے سعد بن ابی وقاصؓ کے متعلق شکایت کو جھوٹ سمجھا مگر انتظامی مصلحت کی بنا پر ان کو معزول کردیا۔ (الافاضات الیومیہ ص ۱۳۵ ج ۲ ملفوظ ۲۳۶)

دوسروں کی شکایت سے اثر نہ لینے کے متعلق

حضرت حاجی امداد اللہ صاحب کی حکایت

ہمارے حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ ہے کہ حضرت کو ایک شخص نے پرچہ لکھ کر دیا اس میں یہ مضمون تھا کہ آپ کا فلاں مرید ایسے ایسے کام کرتا ہے اس کو منع کردیجئے ورنہ اندیشہ ہے کہ لوگ حضرت سے بداعتقاد ہوجائیں گے، حضرت نے فرمایا کہ بھائی دوسروں پر کیوں رکھتے ہو اگر تمہارا جی بداعتقاد ہونے کو چاہتا ہے تو تم بداعتقاد ہوجاؤ، اور مجھے تم لوگوں کی بداعتقادی سے کیا ڈراتے ہو میں تو خدا سے چاہتا ہوں کہ مخلوق مجھے چھوڑ دے، اور مردود سمجھ کر مجھ سے سب الگ ہوجائیں[1] میں ہوں اور میرا خدا، مجھے تو تم لوگوں کے اعتقاد نے پریشان کردیا ہے کہ مجھے اپنے خدا کو یاد کرنے کا بھی یکسوئی کے ساتھ وقت نہیں ملتا۔

---

[1] (یہ حضرت حاجی صاحبؒ کا ایک حال تھا ورنہ ایسی تمنا کرنا کہ لوگ مجھے مردود سمجھ کر چھوڑ دیں پسندیدہ نہیں، لوگوں کی محبت وعظمت بھی اللہ کی بڑی نعمت ہے، قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی دعائہ: اَللّٰھُمَّ اجْعَلْنِیْ فِیْ عَیْنِیْ صَغِیْرًا وَفِیْ أَعْیُنِ النَّاسِ کَبِیْرًا (مرتب)

اگر کسی کا یہ مزاج ہو جائے تو اس کو منصب اور امامت وشہرت سے خود ہی نفرت ہو جائے گی، اور اگر یہ مزاج نہ ہو اور شہرت کی ہوس ہی ہو تو اس کی تحصیل کا بھی وہ طریقہ نہیں جو رسمی علماء نے آج کل اختیار کیا ہے بلکہ اس کا طریقہ بھی اپنے کو فنا کرنا اور مٹانا ہی ہے، اپنے کو جتنا مٹاؤ گے اتنا ہی مشہور ہو گے۔ گو اس نیت سے فنا کا اختیار کرنا مذموم ہے مگر اس پر شہرت کا ترتب ضرور ہو جائے گا جو تمہارا مقصود ہے، نیز اہل اسلام تمہاری پارٹی بندیوں کے ضرر سے محفوظ رہیں گے۔

(الفاظ القرآن ص ۱۲۳، ۱۲۴ ملحقہ التبلیغ ج ۱۸)

دوسروں کی حکایت وشکایت کا میں کبھی اثر نہیں لیتا

فرمایا: مجھے جو کسی سے شکایت پیدا ہوتی ہے وہ اپنی تحقیق سے ہوتی ہے کسی کے اثر سے نہیں ہوتی، بعض لوگ احباب میں سے دوسروں کے متعلق اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہیں کہ ان کے اس معاملہ میں یہ فاسد غرض ہے مگر الحمد للہ میں کبھی اس سے اثر نہیں لیتا، حسن ظن اس قدر عطا ہوا ہے کہ روایت (شکایت) سے بھی سوء ظن ہوتا ہی نہیں۔ یہ بھی میرا ایک معمول ہے۔ (الافاضات الیومیہ ص ۲۱۷ ج ۲ قسط ۲ ملفوظ ۲۱۴)

فرمایا: اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ یہاں پر کوئی روایت کسی شخص کی کوئی نہیں پہنچا سکتا، ایک مولوی صاحب نے عرض کیا کہ یہ بات تو یہاں پر خاص ہے ورنہ قریب قریب اکثر بزرگوں کے یہاں حکایت وشکایت کا سلسلہ کم وبیش رہتا ہے،

فرمایا: جی ہاں! بحمد للہ میں ان باتوں کا خیال رکھتا ہوں، عرض کیا حضرت سنتے ہی نہیں، نیز حضرت کے اصول اور قواعد اس قسم کے ہیں کہ ان کے خلاف کوئی ہمت ہی نہیں کر سکتا، اگر ضوابط میں ذرا ڈھیل دی جاتی تو یہاں پر بھی یہ سلسلہ جاری ہو جاتا، فرمایا کہ ڈھیل کے متعلق ایک واقعہ سنئے!

شکایت سے بغیر تحقیق کے اثر نہ لینے کے متعلق

حضرت تھانویؒ کی ایک حکایت

حاجی عبدالرحیم صاحب بھائی مرحوم کے ملازم تھے ان کے متعلق میرے بڑے گھر میں سے ایک معاملہ میں مجھ سے شکایت کی، میں نے فوراً آدمی بھیج کر حاجی جی کو بلایا اور دروازہ میں کھڑا کر کے کہا کہ تمہارے متعلق یہ روایت بیان کرتی ہیں، حاجی جی نے کہا غلط شکایت ہے اس پر میں نے گھر میں کہا کہ یہ انکار کرتے ہیں اور تم نے دعویٰ کیا ہے لہٰذا ثبوت دو، ثبوت تمہارے ذمہ ہے، ثبوت ندارد، کہنے لگیں کہ توبہ توبہ تم تو ذرا سی دیر میں آدمی کو فضیحت (رسوا) کر دیتے ہو، میں نے کہا کہ میں فضیحت نہیں کرتا، نصیحت کرتا ہوں، روایت کا یہ سلسلہ اچھا نہیں معلوم ہوتا، اس سے دل میں عداوتیں پیدا ہوتی ہیں۔ (الافاضات الیومیہ ص ۱۵۹ ج ۱)

فرمایا: آج کل عدل کا نام ونشان نہیں رہا، اس کو تو دین کی فہرست سے خارج ہی سمجھ رکھا ہے، الحمدللہ میں ہمیشہ اس کا خیال رکھتا ہوں، بھائی مرحوم کے یہاں حاجی عبدالرحیم صاحب ملازم تھے بڑے گھر میں سے مجھ سے ان کی کچھ شکایت کی میں نے ان کو بلا کر پوچھا انہوں نے نفی کی (یعنی انکار کیا) میں نے گھر میں سے کہا کہ شرعی ثبوت لاؤ وہ تو انکار کرتے ہیں، وہ ثبوت نہیں پیش کر سکیں تب میں نے کہا کہ ثبوت شرعی کے بغیر کسی پر الزام نہیں لگانا چاہئے۔ انہوں نے توبہ کی، ایسے موقعوں پر بڑی مشکل ہوتی ہے جہاں دونوں طرف تعلق ہو مگر شریعت کے اصول پر عمل کرنے کی صورت میں کچھ بھی مشکل یا دشواری نہیں ہوتی، اور گو دو شخصوں سے جو تعلق ہوتا ہے اس میں فرق ضرور ہوتا ہے مگر عدل کے وقت دونوں میں مساوات ہونا چاہئے۔ (ملفوظات حکیم الامت ص ۱۳۵ ج ۲)

تمام مردوں کو اہم نصیحت

بعض عورتوں کا فساد شدید بھی ہو جاتا ہے (وہ اس طرح کہ) بعض دفعہ یہ اپنے آپس کے تکرار (جھگڑے) کو مردوں سے بیان کر دیتی ہیں کہ فلانی نے مجھے یوں کہا اور تمہیں یہ کہا، مردوں میں حرارت ہوتی ہے، ان پر زیادہ اثر ہوتا ہے، پھر یہ بات ہی تک نہیں رہتے بلکہ ہاتھ سے بھی بدلہ لیتے ہیں جس سے خون (قتل) تک ہو جاتے ہیں اس لئے مردوں کو چاہئے کہ عورتوں کی باتوں پر اعتماد نہ کریں، اور عورتوں کو بھی لازم ہے کہ ایسی باتیں مردوں سے نہ کہا کریں، اس کی ایک عمدہ تدبیر یہ ہے کہ چند خاندان ایک گھر میں اکٹھے نہ رہا کریں کیونکہ چند عورتوں کا ایک مکان میں رہنا ہی زیادہ فساد کا سبب ہے۔

(الانسداد للفساد ملحقہ آداب انسانیت ص ۴۰۸)

اختلاف اور لڑائی کی بنیاد عموماً بدگمانی اور وہم پرستی پر ہوتی ہے

غور کر کے دیکھا جائے تو (باہم اختلاف اور) لڑائیوں کی بنیاد صرف اوہام پرستی ہے کسی کے بارے میں ذرا سا شائبہ ہوا اور اس پر حکم لگا کر لڑائی شروع کر دی، دوسرے نے جب کوئی لڑائی دیکھی تو شبہ کی اور زیادہ گنجائش ہے، ادھر سے سیر بھر لڑائی تھی ادھر سے پانچ سیر بھر ہونا کچھ بات ہی نہیں، اور جب اصل بات کی تحقیق کی جائے تو بات کیا نکلتی ہے کہ فلاں نے کہا تھا کہ وہ تمہاری شکایت کر رہا تھا (اور تمہارے متعلق اس طرح کی بات کر رہا تھا) سننے والا کہتا ہے کہ نقل کرنے والا بہت معتمد ایماندار ہے، بے سنے اس نے کبھی نہ کہا ہوگا۔

عموماً لڑائی ایسی ہی باتوں پر ہوتی ہے کسی خدا کے بندے کو یہ توفیق نہیں ہوتی کہ جب شکایت سنے تو اس بیچ کے واسطے کو قطع کر کے خود اس شکایت کرنے والے سے پوچھ لیں کہ تم نے میری شکایت کی ہے (اور میرے متعلق یہ بات کہی ہے؟)۔

جس کی طرف سے بدگمانی اور شکایت ہو اس کے ساتھ کیا کرنا چاہئے، مسنون طریقہ

مسنون طریقہ بھی یہی ہے کہ اگر کسی سے کوئی شکایت دل میں ہو اس شخص سے ظاہر کردے کہ تمہاری طرف سے میرے دل میں یہ شکایت ہے اس شخص سے اس کا جواب مل جائے گا، اور اگر وہ شکایت غلط تھی تو بالکل دفعیہ ہو جائے گا، اور سنی سنائی باتوں پر اعتبار کر لینا اور اس پر کوئی حکم لگا دینا بالکل نصوص (قرآن وحدیث) کے خلاف اور جہالت ہے اسی موقع کے لئے قرآن شریف میں موجود ہے "اِجْتَنِبُوْا كَثِيْرًا مِّنَ الظَّنِّ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ" (حجرات پ۲۶)

(ترجمہ) یعنی بدگمانیوں سے بچو بیشک بہت سی بدگمانیاں گناہ ہوتی ہیں، اور ارشاد ہے "اِيَّاكُمْ وَالظَّنَّ فَاِنَّ الظَّنَّ اَكْذَبُ الْحَدِيْثِ" بدگمانی سے اپنے آپ کو بچاؤ کیونکہ بدگمانی بدترین جھوٹ ہے، ہم نے تو تجربہ سے تمام عمر دیکھا کہ سنی ہوئی بات شاید کبھی سچ نکلتی ہو۔ ایک شخص کا قول ہے کہ ایسے واقعات کی روایتیں کہ جن سے راوی (نقل کرنے والے) کا کچھ ذاتی تعلق بھی نہ ہو، اور راوی بھی ایسا ہو کہ جھوٹ کا عادی نہ ہو تب بھی جب کبھی دیکھا گیا اور تحقیق کی گئی تو تمام باتوں میں چوتھائی بات بھی سچ نہیں نکلی، اور ان باتوں کی روایت کا تو پوچھنا

ہی کیا جس میں راوی کی ذاتی غرض بھی شامل ہو۔عموماً بدگمانیاں اورلڑائیاں ان ہی روایتوں کی بناپر ہوتی ہیں کہ اصلیت کچھ بھی نہیں ہوتی، کچھ حاشیے اس پر روایت کرنے والے لگاتے ہیں کہ اس سے یہ خیال پیدا ہوجاتا ہے کہ فلاں ہمارا مخالف ہے،بس اس خیال ووہم سے لڑائی ٹھن جاتی ہے،اس کی مثال ایسی ہے کہ جیسے جنگل میں رات کے وقت آدمی اکیلا ہواوراسکوشیر کا خوف ہوتو جب وہ ایک طرف کودھیان جماتا ہے توکوئی درخت اسے شیر معلوم ہونے لگتا ہے، پھر جب خیال کوترقی ہوتی ہے تواسی خیالی صورت میں ہاتھ پیربھی نظرآنے لگتے ہیں۔اورسچ مچ کا شیر معلوم ہونے لگتا ہے حالانکہ واقع میں کچھ بھی نہیں ہوتا صرف وہم کی کارگذاری ہوتی ہے،اسی طرح نفس سنی سنائی باتوں میں اختراع کرتا ہےاورخواہ مخواہ کی شکایت ہوجاتی ہے۔

(غوائل الغضب ،حقوق الزوجین ص ۲۲۴)

بدگمانی حرام اورباہمی اختلاف کاذریعہ ہے

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اجْتَنِبُوا كَثِيرًا مِنَ الظَّنِّ إِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ إِثْمٌ (سورہ حجرات پ ۲۶)	اے ایمان والو! بہت سے گمانوں سے بچا کرو کیونکہ بعض گمان گناہ ہوتے ہیں اور تجسس یعنی سراغ مت لگایا کرو، اور کوئی کسی کی غیبت بھی نہ کیا کرے۔

اور فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ بدگمانی سے اپنے کو بچاؤ، بیشک بدگمانی سب سے بڑھ کر جھوٹ ہے (روایت کیا اس کو بخاری و مسلم نے)

آج کل نااتفاقی (اور باہم اختلاف) اور پریشانی کے منجملہ اسباب میں سے ایک بڑا سبب بدگمانی ہے کہ قرائن ضعیفہ ومحتملہ (یعنی محض معمولی قرائن وانداز اور احتمال کی بناپر) یا جھوٹی خبروں کی بنا پر دوسرے مسلمان بھائی سے بدگمانی کر بیٹھتے ہیں اس کے بعد معمولی قرائن کی تائید وتقویت کرتے جاتے ہیں حتیٰ کہ وہ بدگمانی درجۂ یقین تک پہنچ جاتی ہے۔ (فروع الایمان ملحقہ اصلاحی نصاب ص:۳۷۳)

بدگمانی کے نقصانات

بدگمانی سے یہ آفتیں پیدا ہوتی ہیں، دوسرے کو حقیر سمجھنا، اس سے بغض وعداوت کرنا، اس کے افعال حسنہ (یعنی اچھے افعال) کو کسی نفسانی غرض پر محمول کرنا، اس کی غیبت کرنا، اس کے نقصان اور ذلت پر خوش ہونا، اور طرح طرح کی خرابیاں اس پر مرتب ہوتی ہیں، مسلمانوں کو چاہئے کہ قوی قرائن کے ہوتے ہوئے بھی حتی الامکان بدگمانی نہ کریں بلکہ کچھ تاویل کرکے اس کو اپنے دل سے رفع کریں، اس سے بڑھ کر کیا ہوگا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ایک شخص کو اپنی آنکھوں سے چوری کرتے دیکھ کر ٹوکا اس نے خدا کی قسم کھا کر کہا کہ میں چوری نہیں کرتا ہوں، آپ فرماتے ہیں میرے خدا کا نام سچا ہے میری آنکھ جھوٹی ہے۔

البتہ اگر دفع کرنے پر بھی (وہ بدگمانی کا خیال) دل سے دفع نہ ہو تو اس پر مواخذہ نہیں مگر اس کا ذکر کرنا، اس کے مقتضیٰ کے موافق برتاؤ کرنا یہ ضرور گناہ ہے، خصوصاً چغلخوری کی وجہ سے کسی سے بدگمانی ہوجانا۔

(آداب انسانیت)

بدگمانی کا علاج

ایک طالب کے استفسار پر بدگمانی کا یہ علاج تحریر فرمایا کہ جب ایسی بدگمانی قلب میں آئے اول علیحدہ بیٹھ کر یاد کرے کہ اللہ تعالیٰ نے بدگمانی سے منع فرمایا ہے تو یہ گناہ ہوا، اور گناہ پر عذاب کا اندیشہ ہے تو اے نفس! تو حق تعالیٰ کے عذاب کو کیسے برداشت کرے گا، یہ سوچ کر توبہ کرے۔

اور دعا بھی کرے کہ اے اللہ میرے دل کو صاف کردے، اور جس پر بدگمانی ہوئی ہے اس کے لئے بھی دعا کرے کہ اے اللہ اس کو دونوں جہاں کی نعمتیں عطا فرما، دن رات میں تین بار ایسا کرے۔

اگر پھر بھی اثر رہے دوسرے اور تیسرے دن ایسا ہی کرے، اگر پھر بھی اثر رہے اب اس شخص سے مل کر کہے کہ بلاوجہ مجھ کو تم پر بدگمانی ہوگئی تم معاف کردو، اور میرے لئے یہ دعا کردو کہ یہ دور ہو جائے۔ (اشرف السوانح ص ۱۳۴ ج ۲)

بدگمانی، بدزبانی، عیب گوئی، عیب جوئی کا علاج

(حال) بعض وقت ذرا سی بات پر دوسروں کی طرف سے بدگمانی بھی ہوتی ہے مگر اس کو بھی دل سے بہت دور کرتا ہوں۔

(جواب) اسی کے ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ زبان پر اس کو کسی کے سامنے نہ لاویں۔ (تربیت السالک ص ۳۷۶ ج ۱)

(حال) مجھ میں ایک بڑا عیب راسخ ہوگیا ہے کہ دوسروں کا عیب تو بہت بڑا معلوم ہوتا ہے حتیٰ کہ اس میں غیبت تک کی نوبت آجاتی ہے، اور اپنا عیب نہیں

معلوم ہوتا، ہر چند کوشش کرتا ہوں کہ یہ بری عادت مجھ سے دور ہو جائے لیکن کسی طرح نہیں جاتی، کوئی طریقہ ہدایت فرمائیں تا کہ یہ بری عادت دور ہو جائے۔

(**جواب**) دعا بھی کرتا ہوں باقی تدبیر یہ ہے کہ آپ ہر کلام سے پہلے یہ سوچ لیا کیجئے کہ اگر یہ کلام میں نہ کروں تو کوئی ضروری نفع فوت تو نہ ہوگا، جس میں ضروری نفع کا فوت نہ ہونا معلوم ہو اس سے زبان کو بند رکھئے یہ تو زبان کا انتظام ہے۔

باقی اس کی جڑ کا انتظام یہ ہے کہ جب کسی کے عیب پر نظر پڑے تو یوں سوچا کیجئے کہ اس شخص میں یہ عیب ہے مگر ممکن ہے کہ اس میں کچھ خوبیاں ایسی ہوں جن کے اعتبار سے اس کی مجموعی حالت میری مجموعی حالت سے عند اللہ احسن (اللہ کے نزدیک زیادہ اچھی) ہو، پھر مجھ کو اس کی عیب جوئی یا عیب گوئی کا کیا حق حاصل ہے۔ جس طرح اندھے کو یہ حق نہیں کہ کانے کو چڑاوے، بار بار اس مضمون کے استحضار سے انشاء اللہ یہ عیب جڑ سے ختم ہو جائے گا، اور اگر کبھی اتفاق سے پھر بھی اس کا صدور ہو جائے تو بطور جرمانہ کے بیس رکعت نفل پڑھا کیجئے انشاء اللہ نفس سیدھا ہو جائیگا۔ (تربیت السالک ص ۲۷۸)

بدگمانی و بدزبانی حرام ہے جس سے سوءِ خاتمہ کا خطرہ ہے

ایک صاحب نے عرض کیا کہ حضرت اگر تاویل کی جائے تو پھر کوئی بھی مؤاخذہ کے قابل نہیں رہتا، تاویل میں تو بڑی وسعت ہے، فرمایا: تاویل اور توجیہ کا بھی ایک معیار ہے، ایک وہ شخص ہے جس کی غالب حالت صلاحیت کی ہے، دین کا مطیع ہے، عقائد صحیح ہیں ایسے شخص سے اگر کوئی غلطی ہو جائے وہاں تاویل واجب

ہے، اور جہاں فسق و فجور کا غلبہ ہے وہاں تاویل نہ کی جائے گی، اور مستحقین تاویل کی شان میں اگر تاویل بھی نہ کی جائے تب بھی کف لسان (زبان روکنا) واجب ہے گو ان کا معتقد ہونا بھی واجب نہیں۔ جیسے شیخ محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ ہیں، بایزید رحمۃ اللہ علیہ ہیں ان کا معتقد ہونا واجب نہیں، مگر گستاخی بھی خطرہ سے خالی نہیں اور خطرہ بھی ایسا جس کو امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ اہل طریق سے بدگمانی کرنے میں سوء خاتمہ (یعنی خاتمہ اچھا نہ ہونے) کا اندیشہ ہے، اور اگر کچھ نہ کہو تو کچھ اندیشہ نہیں تو بہتر صورت یہی ہے اور احتیاط اسی میں ہے کہ کچھ نہ کہو گو یہ بھی ضروری نہیں کہ معتقد ہو جاؤ، بس نہ معتقد ہو اور نہ کوئی بے جا کلمہ کہو، اسی میں خیر ہے، اس کی بالکل ایسی مثال ہے کہ کوئی شخص امیر ہو اسکے امیر ہونے کا کوئی معتقد نہ ہو لیکن اگر یوں کہے کہ وہ غریب مفلس ہے یہ جھوٹ ہوگا، اور موجب ایذاء (تکلیف کا باعث) بھی، سو معتقد نہ ہونا جرم نہ تھا، جھوٹ بولنا جرم ہے۔ اسی طرح اگر کوئی ان حضرات کا معتقد نہ ہو کوئی جرم نہیں لیکن برا بھلا کہنا یہ بڑی خطرناک بات ہے ہمارے بزرگوں کا مذہب تو یہ ہے کہ وہ افراط و تفریط کو پسند نہ فرماتے تھے، منصوص علیہ حضرات کے سوا کسی خاص بزرگ کا نہ معتقد ہونا فرض ہے نہ برا بھلا کہنا جائز۔ (ملفوظات حکیم الامت ص ۱۰۰ ج ۲)

اہل حق پر سبّ و شتم کرنے کا وبال

جو لوگ اہل حق کو سبّ و شتم کرتے ہیں (یعنی برا بھلا کہتے اور ان کی شان میں گستاخی کرتے ہیں) ان کے چہروں پر علم کا نور نہیں پایا جاتا، بلکہ خالص کفار اتنے مسوخ نہیں ہوتے جتنے ایسے لوگ ہوتے ہیں، اس کی وجہ میں نے بطور لطیفہ

کے کہی ہے کہ کفر فعل باطن ہے اس کا اثر چھپا ہوا رہتا ہے، اور سب وشتم (برا بھلا کہنا گستاخی کرنا) فعل ظاہر ہے اس کا اثر نمایاں ہو جاتا ہے۔

(حسن العزیز ص ۳۹۸ ج ۴)

فرمایا: مولوی عبداللہ صاحب نے مجھ سے بیان کیا کہ حضرت گنگوہیؒ نے فرمایا ہے کہ جس کا جی چاہے قبر کھود کر دیکھ لے فلاں مولوی صاحب کا منہ قبلہ سے پھرا ہوا ہوگا، اس پر مولوی ابوالحسن صاحب نے عرض کیا کہ میں نے یہ بات حضرت گنگوہیؒ سے خود سنی ہے، حضرت کے یہ الفاظ تھے کہ جو کوئی ائمہ پر طعن کرتا ہے اسکا منہ قبر میں قبلہ سے پھر جاتا ہے۔ میں دیکھ رہا ہوں (یعنی بذریعہ کشف آپ کو معلوم ہوا اور منجانب اللہ یہ حالت آپ پر منکشف ہوئی) کہ منہ قبلہ سے پھر گیا، یہ اس وقت فرمایا تھا جس وقت کہ (فلاں) مولوی صاحب کے انتقال کی خبر آئی تھی۔

(حسن العزیز ۱۶۴ ج ۴)

خبردار! کسی کو حقیر مت سمجھو

کسی کے نام پر، کسی کے اعمال پر، کسی کے لقب پر کسی کی ظاہری حالت پر ہرگز تحقیر نہ کرنا چاہئے۔

آج کل یہ مرض عام ہو گیا ہے کہ اکثر لوگ دوسروں کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں اپنی مطلق فکر نہیں، میں چاہتا ہوں کہ ہر شخص اپنی فکر میں لگے تو بہت جلد سب کی اصلاح ہو جائے، اور بہت سے عبث اور فضول سے نجات ہو جائے، کبھی کسی کی تحقیر نہیں کرنا چاہئے بلکہ ہر شخص کے متعلق بدرجہ احتمال یہ اعتقاد رہنا چاہئے

کہ ممکن ہے کہ اس میں خدا کے نزدیک کوئی بات ہم سے بہتر ہو۔

(ملفوظات حکیم الامت ص ۴۴۲ ج ۴، ج ۲)

فرمایا: اگر کسی کا ایک عیب مجھے معلوم ہوتا ہے تو اسی وقت مجھ کو اپنے دس عیب پیش نظر ہو جاتے ہیں، کانے پر وہ کیا ہنسے جس کی دونوں پٹ ہوں (یعنی اندھا ہو)۔ (کمالات اشرفیہ ص ۲۲۱)

مرد مسلم کا مقام مسجد اور خانہ کعبہ سے بھی افضل ہے

ایک مرتبہ ایک اعرابی نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے مسجد نبوی میں پیشاب کرنا شروع کر دیا صحابہ رضی اللہ عنہم نے اس کو گھورا اور دھمکانا چاہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کا پیشاب قطع نہ کرو، سبحان اللہ کیسی حکمت کی بات ہے، اس کے لئے کہ یا تو وہ روکتا یا بھاگتا، روکنے پر تو اس کو سخت تکلیف ہوتی اور بھاگنے سے مسجد اور زیادہ خراب ہوتی جب وہ باطمینان پیشاب کر چکا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ڈول اس جگہ بہا دینے کا حکم صادر فرما دیا کہ یہ مسجد اللہ کا گھر ہے اس میں عبادت کی جاتی ہے، اس کو ناپاکی سے ملوث نہیں کرنا چاہئے۔

اس حدیث سے یہ بات بھی سمجھنی چاہئے کہ مسلمان کی وقعت خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک مسجد سے زیادہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مسلمان کی رعایت مسجد سے زیادہ فرمائی۔

ایک حدیث میں آیا ہے کہ آپ نے خانہ کعبہ کو خطاب کر کے فرمایا کہ تو بہت عظمت والا ہے، مگر مؤمن اللہ کے نزدیک تجھ سے بھی زیادہ اکرم (عزت والا) ہے۔ (رواہ الطبرانی بسند حسن)

تو جب مؤمن کعبہ سے افضل ہے تو دوسری مساجد سے تو یقیناً افضل ہے، چونکہ پیشاب روکنے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی بیماری اور تکلیف کا اندیشہ تھا اس لئے مسجد کے ملوث ہونے کی پروانہ فرمائی۔

(الدین الخالص ص ۸)

مرد مسلم و مؤمن کے ساتھ ہمارا غلط رویہ

آج یہ حالت ہے کہ مومن کی تذلیل کرتے ہیں اور افسوس تو یہ ہے کہ غیر قومیں مومن کی اتنی تذلیل نہیں کرتیں جتنی یہ نئی روشنی والے غریب مسلمانوں کی تحقیر کرتے ہیں، خاص ہماری قوم میں جو ایک طبقہ ذرا کھاتے پیتے لوگوں کا ہے وہ لوگوں کو بدتہذیب کہتے ہیں اور ان کو چوپاؤں (جانوروں) سے بدتر سمجھتے ہیں اور پھر مسلمان کہلاتے ہیں اور اپنے آپ کو خیر خواہ قوم کہتے ہیں بس ان کا یہی جواب ہے۔

"قُلْ بِئْسَمَا يَأْمُرُكُمْ بِهِ إِيمَانُكُمْ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ"۔

"آپ فرمادیجئے کہ یہ افعال بہت برے ہیں جن کی تعلیم تمہارا ایمان تم کو کررہا ہے"۔

ہر کس از دست غیر نالہ کند
سعدی از دست خویشتن فریاد

"ہر شخص غیروں کا شاکی ہے اور ان سے نالاں مگر سعدی کو اپنوں ہی کی شکایت ہے"۔ (الدین الخالص)

مسلمانوں میں باہم اتحاد واتفاق کیسے قائم ہو؟

مسلمانوں کو آپس میں متحد رہنا چاہئے، اگر کسی کی غیبت ہوتی ہو تو غیبت کرنے والے کو روکنا چاہئے، اگر وہ نہ مانے تو خود اٹھ جانا چاہئے، اسی طرح ہر شخص کو ضروری ہے کہ اپنے کو سب سے کم سمجھے، اس طرح سے انشاء اللہ تعالیٰ مخالفتیں بہت کم ہوں گی، کیونکہ اکثر جو عداوتیں ہو جاتی ہیں ان کا بڑا سبب یہی تکبر ہے جس سے غیبت بھی پیدا ہوتی ہے، علیٰ ہذا ہر مسلمان کو اپنے دوسرے بھائی مسلمان کے لئے دعائے خیر کرنی چاہئے، غرض ہر مسلمان سے اگر وہ مبتلائے معاصی بھی ہو وہ برتاؤ کرو جو اپنے بیمار بھائی سے کرتے ہو، کیونکہ مسلمان سب بھائی بھائی ہیں۔ حدیث میں ارشاد ہے وَكُونُوا عِبَادَاللّٰهِ اِخْوَانًا (یعنی تم اللہ تعالیٰ کے بندے آپس میں بھائی بھائی ہو جاؤ)

(الدین الخالص ص ۹)

حرص ولالچ اور خواہش نفسانی کا اتباع بھی اختلاف وفساد کا ذریعہ ہے

گذشتہ امتوں میں بڑے اچھے اچھے لوگ ہوئے ہیں ایک شخص نے دوسرے کے ہاتھ ایک مکان بیچا، مشتری جب اس میں داخل ہوا تو ایک گھڑا سونے کا بھرا ہوا پایا وہ گھڑا لے کر بائع کے پاس آیا کہ لو اپنا گھڑا لے لو تمہارے مکان میں سے نکلا ہے۔ اس نے کہا کہ میں تو مکان کی قیمت لے چکا، میرا اس میں کیا ہے اس نے کہا میں نے تو مکان کی قیمت دی ہے اس پر عقد ٹھہرا ہے یہ گھڑا عقد میں شامل

نہیں ہے میں کیسے لے لوں، ایمانداری اسے کہتے ہیں۔ (مسلم شریف)

ہم لوگوں میں جو بجائے ایثار کے کشاکشی اور نزاع وجدال (لڑائی جھگڑا) ہے اس کی وجہ اتباع ہویٰ ہے۔یہی (اتباع ہویٰ یعنی خواہش نفس) باہم اتفاق نہیں ہونے دیتا، آج کل سب نے یاد کرلیا ہے اتفاق، اتفاق، یہ خبر نہیں کہ اتفاق کس سے ہوتا ہے، اتفاق ہوتا ہے خواہش نفسانی کو روکنے سے، دو شخصوں میں جب جھگڑا ہوگا کسی ایسی ہی چیز پر ہوگا کہ ہر ایک ان میں سے اس کی خواہش رکھتا ہوگا۔ اگر وہ دونوں اپنی خواہش کو روک لیں اور اس چیز کی طلب چھوڑ دیں تو پھر جھگڑا کیسا اور نا اتفاقی کہاں، اتفاق اتفاق کہتے رہئے اور نفس کو روکئے نہیں تو اس سے کیا ہوتا ہے؟

خواہش نفسانی کی ایک خرابی سنئے! مثلاً میرا اور آپ کا جائداد پر مقدمہ ہے، ہر شخص کی خواہش ہوئی کہ مجھ کو ہی پورا مل جائے بس لڑائی ہوگئی، اگر دونوں یہ کہتے کہ ہمیں کچھ نہیں چاہئے تو طول کا ہے کو کھنچتا، مقدمہ بازی کی نوبت کیوں آتی اور باہمی نفاق وعداوتیں کیوں پیدا ہوتیں۔ (طلب الجنہ ص ۳۰۸)

باہمی عداوت کا ایک بڑا سبب غیبت و چغلخوری

معصیت سے اکثر مضرتیں متعدی ہو جاتی ہیں جیسے غیبت کہ جب ایک آدمی کسی کی غیبت کرے گا تو دوسرے کو خبر پہنچے ہی گی پھر وہ کیوں نہ کرے گا بلکہ اس سے زیادہ کرے گا، اس سے دونوں میں عداوت پیدا ہوگی پھر عداوت وہ چیز ہے کہ جب دو میں پڑ جاتی ہے تو دونوں کا نماز روزہ سب غارت ہو جاتی ہے، اٹھنے میں بیٹھنے میں سونے میں ہر وقت یہی فکر رہتی ہے کہ کسی طرح دوسرے کو نقصان پہنچے، نیت نماز کی باندھ رکھی ہے اور دل میں دوسرے کو نقصان پہنچانے کی تدبیریں

سوچی جارہی ہیں یہ کیا نماز ہوئی، شغل قلب ہوا، اور کاہے سے؟ حرام چیز سے، منہ میں روزہ ہے اور زبان دوسرے کی غیبت میں آلودہ ہے، دل میں خوش ہیں کہ روزہ ہے یہ خبر نہیں کہ روزہ میں ان چیزوں کو تو چھوڑا جو فی نفسہ حلال تھیں یعنی کھانا پینا اور جو چیز ہمیشہ سے حرام ہے اس کو نہ چھوڑا تو کیا روزہ ہوا۔

غرض یہ عداوت اسی غیبت کی بدولت ہوئی اور عداوت وہ چیز ہے کہ قلب کو ایک ہی طرف کا کر لیتی ہے اور صرف ایک کام رہ جاتا ہے وہ کیا مضرت رسانی، (دوسرے کو نقصان پہنچانا اور اسکی تکلیف و معصیت سے خوش ہونا)

(طلب الجنہ ملحقہ جزا و سزا ص ۳۰۷)

عمومی مرض غیبت

یہ گناہ نہایت ہی شدید ہے "اَلْغِیْبَۃُ اَشَدُّ مِنَ الزِّنَا" اور پھر غیبت بھی دو قسم کے لوگوں کی ہوتی ہے ایک تو برے کو برا کہنا اور ایک اچھے کو برا کہنا، عوام الناس اگر غیبت میں مبتلا ہیں تو وہ اکثر ایسے لوگوں کو برا کہتے ہیں جو کہ واقع میں بھی برے ہیں۔

اور ہم لوگ ایسے لوگوں کو برا کہتے ہیں جو کہ نہایت صالح متقی عالم فاضل ہیں اکثر طالب علموں کی زبان سے سنا ہوگا کہ فلاں شخص کو آتا ہی کیا ہے، فلاں میں یہ عیب ہے اگر چہ ان فضلاء میں بعض ایسے لوگ بھی ہیں جو کہ فضول سے مشتق ہیں اور ان کی غیبت (بعض حالات میں) جائز بھی ہے، یہ وہ لوگ ہیں جو خلق اللہ کو گمراہ کر رہے ہیں لیکن بہتر یہ ہے کہ ان کی غیبت سے بھی بچا جائے کیونکہ جب غیبت کی عادت ہو جاتی ہے تو پھر اچھے برے کی تمیز نہیں رہتی اور حفظ حدود نہیں

ہوسکتا۔ یہ حالت ہوتی ہے کہ جس کی طرف سے ذرا بھی کدورت ہوئی فوراً اسکا تذکرہ برائی کے ساتھ شروع کردیا۔

غیر مقتدا کو تو غیبت کرنے کی کم نوبت آتی ہے اور یہ (علماء وفضلاء اور مصلح قوم) مرجع الخلائق ہوتے ہیں اس لئے ان کو غیبت سننے کی نوبت بہت آتی ہے، سیکڑوں آدمی ان کے پاس آتے ہیں اور ہر شخص ان کے پاس یہی تحفہ لے کر آتا ہے، اور یہ اس تحفہ کو قبول کرتے ہیں، ہاں جو عاقل ہوتے ہیں وہ ایسے لوگوں کا علاج بھی کرتے ہیں، حضرت حاجی صاحب کے پاس ایک شخص آیا اور کہا کہ فلاں شخص آپ کو یوں کہتا تھا، حضرت نے فرمایا کہ اس نے تو پس پشت کہا لیکن تم اس سے زیادہ بے حیا ہو کہ میرے منہ پر کہتے ہو۔

(دعوات عبدیت العمل للعلماء ص ۳۶)

احکام الغیبت

غیبت یہ ہے کہ کسی کے پیچھے اس کی ایسی برائی کرنا کہ اس کے سامنے کی جائے تو اس کو رنج ہو گو وہ سچی بات ہو ورنہ بہتان ہے، غیبت گناہ کبیرہ ہے البتہ جس سے بہت کم تاذی (تکلیف) ہو وہ صغیرہ ہوسکتا ہے جیسے کسی کے مکان یا سواری کی مذمت کرنا۔

اور جو سامع (سننے والا) دفع (منع) کرنے پر قادر ہو اس کا سننا بھی تکلم (یعنی غیبت کرنے) کے حکم میں ہے۔

صبی (بچہ) مجنون اور کافر ذمی کی بھی غیبت حرام ہے کیونکہ اس کی ایذا حرام ہے، اور کافر حربی مباح الایذاء کی غیبت بعلت تضییع وقت کے مکروہ ہے۔

غیبت کبھی فعل سے ہوتی ہے مثلاً کسی لنگڑے کی نقل بنا کر چلنے لگے جس سے اس کی حقارت ہو۔

اگر برائی کرنے کی کوئی ضرورت یا مصلحت ہو جو شرعاً معتبر ہو تو وہ غیبت حرام میں داخل نہیں، جیسے ظالم کی شکایت ایسے شخص کے سامنے جو ظلم دفع کر سکے، یا مستفتی صورتِ واقعہ بیان کرنے کی غرض سے کسی کا ذکر کرے، یا مسلمانوں کو کسی شر دنیوی یا دینی سے بچانے کیلئے کسی کا حال بتلا دے، یا کسی معاملہ کے متعلق اس سے مشورہ لینے کے وقت اس کا حال ذکر کر دے، اور بلا اضطرار غیبت سننا غیبت کرنے کے مثل ہے۔ (بیان القرآن ص ۴۷ ج ۱۱)

نا اتفاقی کا بڑا سبب زبان بے لگام

آج کل بڑے زور شور سے کوشش کی جاتی ہے کہ ہم لوگوں میں نا اتفاقی نہ رہے اس کے لئے تقریریں ہوتی ہیں جلسے کئے جاتے ہیں لیکن جو نا اتفاقی کی جڑ ہے یعنی زبان اس کے کاٹنے کی آج تک کسی کو فکر نہیں۔

صاحبو! میں سچ کہتا ہوں کہ نا اتفاقی کا بڑا سبب ہم لوگوں کی زبان ہے جس کو لگام ہی نہیں جو چاہا کہہ دیا، جس کو چاہا کہہ دیا، یہ ظالم اس قدر چلتی ہے کہ جس کی حد نہیں، غضب یہ ہے کہ کبھی تھکتی نہیں، دوسرے اعضاء مثلاً سر آنکھ کان ہاتھ پیر جب ان سے ضرورت سے زیادہ کام لیا جاتا ہے تو تھک جاتے ہیں لیکن زبان کسی وقت تھکنے کا نام نہیں لیتی۔ اسی لئے حدیث میں آیا ہے کہ جب صبح ہوتی ہے تو تمام اعضاء زبان سے خوشامد کرتے ہیں کہ تو ٹھیک رہنا اگر تو درست رہی تو ہم بھی درست رہیں گے اور اگر تو بگڑی تو ہم سب بگڑ جائیں گے۔ (دعوات عبدیت ص ۹۷ ج ۱۲)

آج یہ حالت ہے کہ ایک ذرا سی بات کسی کو کہہ دیجئے پھر دیکھئے کیسی قیامت قائم ہوتی ہے بلکہ بلاوجہ بھی لوگ سر ہو جاتے ہیں۔

عیب گوئی اور عیب جوئی کی ایک خرابی اور نقصان یہ ہے کہ یہ ممکن نہیں کہ جس شخص کی برائی کی جارہی ہے اس کو خبر نہ ہو، اور خبر ہونے کے بعد بہت دشوار ہے کہ وہ تم کو برا نہ کہے اور پھر یہ بھی ممکن نہیں کہ اس کے کہنے کی تم کو خبر نہ ہو اور اس تمام الٹ پھیر کا نتیجہ یہ ہے کہ آپس میں عداوتیں بڑھیں اور دشمنیاں قائم ہوں اور پھر یہ عداوتیں بعض اوقات ایک زمانہ تک چلتی ہیں اور ان کی بناء محض ذرا سی بات کہ اس نے ہم کو یوں کہہ دیا تھا، حالانکہ اگر کہہ بھی دیا ہو تو کیا عزت میں فرق آگیا۔؟

(دعوات عبدیت ص ۹۵ ج ۴)

قلم اور تحریر کے ذریعہ عیب گوئی و عیب جوئی

خوب یاد رکھو! کہ جو حکم زبان کا ہے وہی قلم کا ہے زبان سے جھوٹ بولنا غیبت کرنا جس طرح جائز نہیں قلم سے بھی جائز نہیں۔ ایسے ہی قلم سے فضول مضامین لکھنے کا اثر ہے، موٹی سی بات ہے کہ جیسے زبان ترجمان قلب ہے ایسے قلم بھی ہے جو بات زبان سے منع ہوگی قلم سے کیوں نہ منع ہوگی بلکہ قلم کا گناہ زبان سے سخت ہونا چاہئے کیونکہ زبان کی باتوں کو ثبات اور بقاء نہیں، زبان کی باتوں کا اثر تھوڑی دور تک پہنچتا ہے یعنی صرف وہاں تک جہاں تک وہ آواز پہونچے، اگر کسی نے زبان سے غیبت کی تو سننے والے دو چار ہوں گے غیبت کرنے والا اتنے ہی مجمع کو گنہگار کرنے کا سبب بنا اور اس شخص کی آبروریزی صرف اتنے ہی مجمع میں ہوئی بخلاف قلم کے اس کی آواز مشرق سے مغرب تک پہنچتی ہے جتنے آدمی اس

برائی میں شریک ہوں گے ان سب کا سبب یہی شخص ہوگا۔ ہزاروں شخص کے سامنے اس کی آبروریزی ہوگی تنہائی میں کسی کے جوتہ مارنا اور اثر رکھتا ہے اور ہزار دو ہزار کے مجمع میں مارنا اور، اہل قلم اپنے آپ کو مرفوع القلم سمجھتے ہیں جیسے آج کل شاعروں نے سمجھ رکھا ہے کہ شعر میں سب روا ہے یہ خیال بالکل غلط ہے۔

(دعوات عبدیت ص ۵۳ ج ۱۷)

امام غزالیؒ نے لکھا ہے کہ یہ بھی غیبت ہے کہ کسی کے مکان میں یا گھوڑے میں یا اولاد میں یا کسی اور چیز میں یا اس کے متعلقات میں سے کسی چیز میں عیب نکالا جائے، یہ ایسی باتیں ہیں کہ آج کل محتاط لوگ بھی اس کا کم خیال رکھتے ہیں اور جہاں مجمع ہوتا ہے وہاں کا تو ذکر ہی کیا میرا تجربہ یہ ہے کہ (جہاں چند لوگ بیٹھے اور کسی کا ذکر شروع ہوا ضرور کسی نہ کسی کی برائی اس تذکرہ میں آجاتی ہے) علاج اس کا یہی ہے کہ لوگوں سے علیحدہ رہے جب لوگوں سے میل ہوتا ہے تو کچھ نہ کچھ ان مفاسد کا دخل ہو ہی جاتا ہے۔ میں تحقیق سے کہتا ہوں کہ ان (معاصی) کا بڑا سبب بیکار بیٹھنا ہے اسی قبیل سے یہ بھی ہے کہ چوپالوں اور بیٹھکوں میں جمع ہو کر بیٹھتے ہیں اس کا نام تفریح طبع اور دل بہلانا رکھا ہے وہاں کوئی دنیا کا کام تو ہوتا نہیں اور نہ دین کا کام ہوتا ہے سوائے ہنسی مذاق اور ان مشغلوں کے جن کو میں بیان کر چکا ہوں۔ وہاں اور کوئی مشغلہ تو ہے نہیں غیبت وغیرہ کی عادت پہلے سے پڑی ہوتی ہے وہاں بیٹھ کر کم از کم یہی ہوتا ہے کہ زائد از کار (فضول) باتیں ہوتی ہیں کہ آم فلاں باغ کے اچھے ہوتے ہیں، اب کی بارش اچھی ہو رہی ہے، باغوں میں لطف آرہا ہے، کھیل کود کا موسم ہے وغیرہ وغیرہ، یاد رکھئے فضول باتیں بھی فی نفسہ بری اور منکرات اللسان میں داخل ہیں۔ فضول باتیں ایسی ہیں جیسے گولی لگ گئی، زبان

اس وقت ہمارے قبضہ میں ہے اس واسطے قدر نہیں اس کی قدر جب ہی سمجھ میں آئے گی جب یہ ہاتھ سے نکل جائے گی پھر چاہیں گے ایک دفعہ موقع مل جائے کہ ایک دوبار اللہ کہہ لیں۔ (لیکن اختیار میں نہ ہوگا)

(دعوات عبدیت ص ۹۷ ج ۱۲)

غیبت کی ایک شاخ

ایک شاخ غیبت کی چغلی ہے وہ یہ ہے کہ کسی کی شکایت آمیز بات دوسرے کو پہنچائی جائے غیبت تو مطلق کسی عیب کے نقل کرنے کو کہتے ہیں اور چغلی وہ غیبت ہے جس میں شکایت بھی ملی ہوئی ہو اس کے سننے سے سننے والے کو ضرور غصہ آتا ہے اور وہ دس گنا بدلہ لینے کو تیار ہو جاتا ہے، دونوں میں لڑائی ہو جاتی ہے اگر غور سے دیکھا جائے تو چغلی بھی اکثر بے بنیاد ہوتی ہے، سننے والوں سے تعجب کرتا ہوں کہ وہ اس پر کیسے عمل کر لیتے ہیں جس شخص کی چغلی کھانے کی عادت ہے وہ ایک ہی جانب کی چغلی نہیں کھائے گا بلکہ تمہاری بات بھی اس کے سامنے لگائے گا، اگر اس چغلی کو سچ سمجھا ہے تو اپنے اس عیب کو سچ سمجھنا چاہئے، یہ کوئی نہیں کرتا دوسرے کی شکایت کو تو سمجھ لیتے ہیں کہ ضرور کچھ اصل ہوگی جب تو ہم سے کہا تو اسی طرح اپنی بات کو بھی سمجھو کہ کچھ تو اصل ہوگی جب تو دوسرے تک پہنچی، غرض چغلی کھانا اور اس کی بات پر یقین کر لینا دونوں بے عقلی کی بات ہیں اس مرض سے بہت بچنا چاہئے۔

(دعوات عبدیت ص ۱۶۱ ج ۱۷)

چغلخور کا علاج

چغلخور کا سیدھا علاج یہ ہے کہ اول تو منع کردے کہ ہم سے کسی کی بات مت کہا کرو، اور جو وہ نہ مانے تو چغلخوری کے ساتھ چغلخور کا ہاتھ پکڑ کر اس شخص سے مواجہہ (یعنی سامنا) کرادے جس کی چغلی کھائی ہے، غالباً یا تو یہ چغلخور جھوٹا نکلے گا اور پھر کبھی چغلی نہ کھائے گا، اور اگر سچا نکلا تو وہ شخص شرمندہ ہوکر معذرت کرے گا، اور اس طریقہ سے باہم صلح وصفائی ہوجائے گی، اور جن دو شخصوں میں منھ در منھ صفائی کی باتیں ہوجاتی ہیں پھر چغلی کھانے کی ہمت ذرا کسی کو کم ہوتی ہے۔

(فروع الایمان ملحقہ اصلاحی نصاب ص ۳۷۴)

اپنے کو اچھا اور دوسروں کو حقیر اور گنہگار سمجھنے کا مرض

(آج ہم کو) اپنا عیب تو نظر نہیں آتا اور دوسروں کی عیب جوئی میں لگے ہوئے ہیں، بلکہ دوسروں کی خیر بھی خیر نظر نہیں آتی، اور جو ہم میں مقدس کہلاتے ہیں وہ بھی عُجب وریا میں مبتلا ہیں، اور عجیب پیرایہ میں اس کا اظہار ہوتا ہے، چنانچہ جب طاعون یا کوئی بیماری پھیلتی ہے تو کہتے ہیں کہ میاں طاعون کیوں نہ ہو، لوگوں کے اعمال تو دیکھئے کیا ہیں، فلاں شراب پیتا ہے، فلاں زنا میں مبتلا ہے، اور جو ذرا اور زیادہ محتاط ہیں اور نام نہیں لیتے وہ یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ رحم کرے ہم لوگ ایسے ایسے اعمال میں مبتلا ہیں لیکن مراد اس سے دوسرے ہی ہوتے ہیں، یہ کبھی کسی کو کہتے سنا نہیں ہوگا کہ میرے اعمال خراب ہیں، میں نماز میں جی نہیں لگاتا، یا فلاں عیب میرے اندر ہے اس کے سبب سے یہ تباہی آرہی ہے، جب تعجب

ہوتا ہے ہمیشہ دوسروں کے اعمال سے ہوتا ہے، غرض ان کے سامنے دو فہرستیں رہتی ہیں، اپنے تو نیک اعمال کی اور دوسروں کی بداعمالیوں کی، اپنے نفس کا تبریہ اور تنزیہ (یعنی اپنی براءت اور صفائی) ان کا ہر وقت مشغلہ ہے حالانکہ جو بڑے بڑے اولیاء کرام گذرے ہیں ان کی نظر ہمیشہ اپنے عیوب پر رہی ہے، اور اولیاء تو علیحدہ انبیاء علیہم السلام بھی معصوم ہونے کے باوجود اپنے نفوس کا تبریہ (یعنی اپنے نفس کی براءت اور صفائی) نہیں فرماتے، دیکھئے یوسف علیہ السلام کیا فرماتے ہیں "وَمَآ اُبَرِّئُ نَفْسِیْ اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌ بِالسُّوْءِ" جن کی نزاہت (وبراءت) کی خود حق تعالیٰ گواہی دے رہے ہیں چنانچہ ارشاد ہے۔ "کَذٰلِکَ لِنَصْرِفَ عَنْهُ السُّوْءَ وَالْفَحْشَاءَ" اے حضرت! جب یوسف علیہ السلام اس تقدس و براءت کے باوجود دعویٰ نہ کریں تو ہم بیچارے کس شمار میں ہیں مگر ہم میں یہ مرض موجود ہے کہ دوسرے کو حقیر سمجھتے ہیں اور اپنے نفس کی خبر نہیں"۔

صاحبو! کا ہے پر ناز ہے یاد رکھو! حق تعالیٰ اس پر قادر ہے کہ جن کو تم حقیر سمجھتے ہو ان کو تمہاری جگہ کر دیں اور تم کو ان کی جگہ تو حضرت! یہ انا خیر من فلان (کہ میں فلاں سے اچھا ہوں) کا وہ عیب ہے کہ شیطان نے ایک مرتبہ کہا تھا انا خیر منه، (کہ میں آدم سے بہتر ہوں) دیکھ لو کیا نتیجہ ہوا، تمام عمر کے لئے ملعون ہو گیا، اور جس کا رات دن یہی شغل ہو "انا خیر من زید انا خیر من عمرو" (میں زید سے اچھا ہوں میں عمرو سے اچھا ہوں) اس کے لئے کیا ہونا چاہئے، بزرگان دین کی یہ حالت تھی کہ جیسے ہم قحط اور وبا اور طاعون کے اسباب دوسروں کے گناہ تجویز کرتے ہیں وہ حضرات اپنے گناہ کو اس کا سبب سمجھتے ہیں۔

(عمل الذرۃ ملحقہ آداب انسانیت ص ۵۱۴)

دوسروں کے عیوب پر نظر کرنا

جو فہیم اور دیندار ہیں وہ بھی دوسروں کے گناہوں کو شمار کرتے ہیں دوسروں کے عیوب پر ہم لوگوں کی نظر ہوتی ہے کبھی کسی کو نہ دیکھا ہوگا کہ اپنے اعمال کو عذاب کا سبب بتلایا ہو حالانکہ زیادہ ضرورت اسی کی ہے۔

رات دن ہمارا سبق ہے کہ ہم ایسے اور ہم ویسے اور دوسرا ایسا اور ایسا، امام غزالیؒ کہتے ہیں کہ اے عزیز! تیری ایسی مثال ہے کہ تیرے بدن پر سانپ بچھو لپٹ رہے ہیں اور ایک دوسرے شخص پر مکھی بیٹھی ہے تو اس کو مکھی بیٹھنے پر ملامت کر رہا ہے، لیکن اپنے سانپ بچھو کی خبر نہیں لیتا۔

ایک دوسرے بزرگ فرماتے ہیں کہ ہم لوگوں کو اپنی آنکھ میں شہتیر بھی نظر نہیں آتا اور دوسرے کی آنکھ کے تنکے کا تذکرہ کر رہے ہیں، حالانکہ اول تو یہ دونوں مستقل عیب ہیں کیونکہ اپنے عیبوں کا نہ دیکھنا یہ بھی گناہ ہے، اور دوسرے کے عیوب کو بے ضرورت دیکھنا یہ بھی گناہ ہے، اور بے ضرورت کے یہ معنی ہیں کہ اس میں کوئی شرعی ضرورت نہ ہو، ایسے افعال جو شرعاً ضروری اور مفید نہ ہوں عبث اور لایعنی کہلاتے ہیں حدیث پاک میں ان کے ترک کا امر ہے۔

(وعظ نسیان النفس ملحقہ دعوات عبدیت ص ۹۸ ج ۳)

ہم لوگوں کی مجالس میں رات دن تمام مخلوق کی غیبتیں شکایتیں ہوتی ہیں، کیا ان سے سوائے بدنام کرنے کے اور کچھ مقصود ہوتا ہے؟ کچھ بھی نہیں، یہ لوگ ایک تو غیبت کے گناہ میں مبتلا ہوئے دوسرے ایک لایعنی فعل کے مرتکب ہوئے۔

عیب جوئی اور گوئی سے اگر یہ مقصود ہے کہ اس شخص سے یہ عیب جاتا رہے (اور اس کی اصلاح ہو) تو کیا وجہ ہے کہ کبھی اس کے آثار کیوں نہیں پائے گئے، کیا کبھی کسی شخص نے صاحب عیب کو خطاب کر کے نہایت شفقت کے ساتھ اس کے عیوب پر مطلع کیا ہے؟ اور اگر نہیں کیا تو کیا محض چار آدمیوں میں کسی کے عیب کا تذکرہ کر دینا اصلاح کہلائے گا؟ ہرگز نہیں۔

حضرت رابعہ بصریہؒ شیطان کو بھی برا نہ کہتی تھیں اور فرمایا کرتی تھیں کہ جتنی دیر اس فضول کام میں صرف کی جائے اتنی دیر تک اگر محبوب کے ذکر میں مشغول رہیں تو کس قدر فائدہ ہے۔ (دعوات عبدیت ص۱۲ ج۱۲)

اپنی اصلاح کے بجائے دوسرے کی فکر میں پڑنا

اب میں ایک اور مشغلہ کا بیان کرتا ہوں جو شعبہ اسی عیب گوئی وعیب جوئی کا ہے اور جس میں بہت سے پڑھے لکھے (دیندار) آدمی بھی پڑے ہوئے ہیں اور اس کے مفاسد پر تو نظر کیسی اس کو اچھا کام سمجھے ہوئے ہیں، وہ یہ ہے کہ اپنی فکر چھوڑ کر دوسروں کی اصلاح کے درپے ہوتے ہیں، ظاہراً یہ ایک عمل صالح معلوم ہوتا ہے لیکن اس میں ایک شیطانی دھوکہ ہے اس وقت میں اپنا مخاطب ان لوگوں کو بناتا ہوں جو اس کے اہل نہیں ہیں، اصلاح فی نفسہٖ عمل صالح اور مامور بہ ہے لیکن ہر شخص کے لئے نہیں، اس کام کو وہ انجام دے جو پہلے اپنی اصلاح پر قدرت رکھتا ہو۔

درحقیقت یہ اصلاح نہیں عیب جوئی ہے جس کا بیان یہ ہے، کہ بعض لوگ غیبت اور عیب جوئی وغیرہ سے احتراز کرنا چاہتے ہیں اور شیطان ان کو بہت ترکیبوں سے اس میں مبتلا کرنا چاہتا ہے جب کوئی داؤ نہیں چلتا تو یہ سمجھاتا ہے کہ

دوسرے کی اصلاح کرو اس دام میں آ کر دوسروں کے عیوب پر نظر ڈالنے کی عادت ہو جاتی ہے، اور دل میں یہ اطمینان ہوتا ہے کہ ہم عیب جوئی تھوڑا ہی کرتے ہیں بلکہ اس کی اصلاح کے درپے ہیں، جہاں کہیں بیٹھتے ہیں ان عیبوں کو ذکر کرتے ہیں اور اچھی طرح غیبت کر لیتے ہیں ہاں آخر میں دل کو تسلی دینے کیلئے اور اپنی برأت قائم رکھنے کے لئے کہہ دیتے ہیں کہ بھائی خدا اس کے حال پر رحم کرے یہ عیب اس میں ہیں ان کو دیکھ کر بڑا دل دکھتا ہے، بطور غیبت کے نہیں کہتے بلکہ ہم کو ان سے تعلق ہے یہ برائیاں دیکھ کر ہم کو رحم آتا ہے خدا کرے یہ برائیاں کسی طرح چھوٹ جائیں، سبحان اللہ! بڑے خیر خواہ ہیں سر سے پیر تک تو اس کا گوشت کھا لیا مجمعوں میں اس کو ذلیل کر دیا، اور ایک کلمہ سے بری ہو گئے؟ صاحبو! یہ سب نفس کی چالیں ہیں اس سے آپ کو دو نقصان پہنچتے ہیں ایک اپنی اصلاح سے رہ جانا دوسرے غیبت وغیرہ معاصی میں پڑنا۔

عیب گوئی اور جوئی کا مرض ہم میں نہایت عام ہے اور جن کو خدا تعالیٰ نے چار پیسے دیئے ہیں وہ خصوصیت کے ساتھ اس میں مبتلا ہیں کیونکہ معاش کی طرف سے فراغ ہو جانے کی وجہ سے کوئی کام تو رہا نہیں اور جو اصلی کام تھا ذکر اللہ اس کو کرتے نہیں اس لئے دن رات چوبیس گھنٹے پورے ہونے (اور وقت کاٹنے) کی اس کے سوا کوئی ترکیب نہیں کہ چند ایسے ہی لوگوں کا مجمع ہو اور اس میں دنیا بھر کے خرافات ہانکے جائیں۔

بلکہ بعض دیندار بھی جن کو کچھ فراغت ہے اس میں مبتلا ہیں بلکہ عوام سے زیادہ مبتلا ہیں کیونکہ وہ لوگ تو بسا اوقات شطرنج وغیرہ میں مشغول ہو کر اس سے چھوٹ بھی جاتے ہیں اور دیندار لوگ اس کو اپنی شان کے خلاف سمجھتے ہیں اس

لئے ان کو سوائے مجلس آرائی وعیب گوئی کے اکثر اور کوئی مشغلہ ہی نہیں ملتا۔

(دعوات عبدیت نسیان النفس ص ۹۸ ج ۲)

حالات کی تفتیش اور عیب جوئی کا حق کس کو ہے؟

جس کے سپرد خدا تعالیٰ نے اصلاح خلق کا کام کر دیا ہو اس شخص کو بھی تفتیش حالات کی ضرورت ہے، بغیر علم حالات کے اصلاح ممکن نہیں ہے۔ مثلاً حاکم وقت جب تک حالات کی تفتیش نہ کرے گا مجرموں کو سزا نہ دے سکے گا، مگر اس کو بھی ایسے امور میں اجازت ہے کہ جن میں تفتیش نہ کرنے سے فساد کا احتمال ہو اور جو امور ایسے نہیں ہیں ان میں حاکم کو بھی تجسس کی اجازت نہیں۔

اسی طرح اگر کوئی شخص اتالیق یا نگراں ہو تو اسکو بھی تفتیش حالات کی ضرورت ہے کیونکہ اس کے بغیر اصلاح ممکن نہیں، مثلاً شوہر کو بیوی کے حالات کی تفتیش کی ضرورت ہے یا کوئی شخص مصلحِ قوم ہو اس کو بھی مجموعی طور سے قوم کے حالات کا علم حاصل کرنے کی ضرورت ہے ورنہ وعظ و پند کچھ نہ کر سکے گا۔

مگر مصلح کو بھی اسی وقت تک اجازت ہے کہ تفتیش سے مقصود اصلاح ہو، اور اگر تحقیر کے لئے ایسا کرے گا تو اس کو بھی ہرگز اجازت نہ ہوگی، کیونکہ اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ اعمال کا دارومدار نیت پر ہے۔

چھپ کر باتیں سننا یا اپنے کو سوتا ہوا بنا کر باتیں سن لینا سب تجسّس میں داخل ہے، اگر کسی سے مضرت پہونچنے کا احتمال ہو اور اپنی یا کسی مسلمان کی حفاظت کی غرض سے اس مضرت رساں کی تدبیروں اور ارادوں کا تجسّس کرے تو جائز ہے،

(بیان القرآن، دعوات عبدیت ص ۹۲ ج ۲)

تجسّس اور عیب جوئی کے احکام اور جواز کے مواقع

اس پر اجماع ہے کہ اگر ہم کسی شخص کی برائی سن کر بالکل التفات نہ کریں جائز ہے بلکہ بعض جگہ تو تجسّس (یعنی خفیہ طور پر کسی کا راز معلوم کرنا مثلاً کسی کی باتیں چپکے سے سننا) حرام ہے۔

قول مجمل یہ ہے کہ جہاں تحقیق نہ کرنے سے (عیب جوئی نہ کرنے سے) کوئی واجب شرعی فوت ہوتا ہو تو وہاں تحقیق واجب ہے، مثلاً سلطان کسی کے ارتداد کی خبر سنے تو چونکہ ارتداد کی صورت میں اس پر واجب ہے کہ اس کو توبہ کرائے ورنہ قتل کرے اس لئے تحقیق واجب ہوگی۔

اور جہاں تحقیق نہ کرنے سے کوئی واجب فوت نہیں ہوتا اور تحقیق کرنے سے اس مبلغ عنہ کا بھی کوئی ضرر نہیں ہوتا تو وہاں تحقیق جائز ہے جیسے یہ سنا کہ فلاں شخص مجھ کو مارے گا اور اگر تحقیق کرنے سے اپنی کوئی دفع مضرت نہیں اور اس دوسرے کو ناگواری ہے تو تحقیق حرام ہے جیسے کسی نے سنا کہ فلاں شخص شراب پیتا ہے تو تحقیق نہ کرنے سے اپنا کوئی ضرر نہیں، اور تحقیق کرنے سے وہ فضیحت (رسوا) ہوتا ہے۔ (بیان القرآن ۴۳ ج ۱۱)

اصلاح کا طریقہ اور خیر خواہی کا تقاضا

آپ کا کوئی بیٹا نالائق ہو اور برے افعال میں مبتلا ہو آپ کو تنگ کرتا ہو، اسکے عیب آپ کی زبان پر ہر جگہ نہ آئیں گے اس کے عیب زبان پر آنے سے آپ کا دل دکھے گا اور حتی الامکان یہ چاہیں گے کہ یہ عیب کسی پر ظاہر نہ ہوں، اور اس کو

مناسب طریقہ سے تنہائی میں آپ سمجھائیں گے کہ یہ حرکتیں چھوڑ دو، یہ کبھی نہ ہوگا کہ آپ ان عیبوں کو جگہ جگہ گاتے پھریں اصلاح اس کو کہتے ہیں۔ اگر آپ کو اس شخص کی اصلاح کرنی ہے جس کی غیبت میں آپ مبتلا ہیں تو دوسروں کے سامنے اس کے عیب ظاہر کرنے سے کیا فائدہ اس کو تنہائی میں سمجھائیں اور اسی طرح سمجھایئے جیسے اپنے بیٹے کو سمجھاتے ہیں، میں سچ کہتا ہوں کہ جو اثر آپ کے دس جگہ ان عیبوں کے مجمع میں ذکر کرنے سے ہوتا ہے اس سے زیادہ ایک جگہ علیحدگی میں سمجھانے سے ہوگا۔ اور اگر اس کی ہمت نہیں ہوتی کہ اس کو تنہائی میں سمجھائیں بلکہ مجمعوں میں اس کے عیب ظاہر کرنے میں لطف آتا ہے تو سمجھ لو کہ یہ وہی شیطان کا دھوکہ ہے جو زہر آلود مٹھائی کا کام دے گا۔ (دعوات عبدیت ص ۶۴ ج ۱۷)

اپنے کو بھول کر دوسرے کو الزام دینا

دوسرے کو الزام نہیں دینا چاہئے کیونکہ یہ طریقہ مفید نہیں، اگر کسی دوسرے کو الزام دے بھی دیا تو اس کا کیا کام ہوا؟ یعنی تہذیب نفس، اور اس کی اصلاح کیا ہوئی؟ یہ تو ایسی بات ہوئی کہ جیسے ایک شخص بتلائے کہ تمہارے منہ پر کالک لگ گئی ہے، اور یہ سننے والا بجائے اپنی کالک چھڑانے کے اس کو الزام دینے لگے کہ تیری بھی تو ناک ٹیڑھی ہے یہ بات اگر واقع میں سچی بھی ہو اور الزام غلط نہ ہو تب بھی یہ دیکھو کہ اس الزام سے تم کو کیا نفع ہوا؟

جو شخص نفس کی تربیت کرنا چاہتا ہے اسے دوسرے کو الزام دینے کی طرف متوجہ نہیں ہونا چاہئے، اگر دوسرا کسی بات میں گھٹا ہوا بھی ہے تب بھی اس کو اس کے مقابلہ میں اپنے نفس کو بڑھانے سے کیا فائدہ، اس صورت میں اپنے نفس کی

تربیت نہیں کی بلکہ ایک برائی زیادہ کرلی اور حاصل یہ ہوا کہ پہلے تو شاید اس دوسرے شخص سے کسی بات میں بڑھا ہوا بھی ہو لیکن اب یعنی جب کہ اپنے نفس کو اس سے بڑا سمجھا یقیناً اس سے گھٹ گیا، دوسرے کو الزام دینے کا یہ نتیجہ ہوا۔

اب بتلایئے یہ طریقہ مذکورہ صحیح ثابت ہوا یا یہ طریقہ آئندہ کہ ہر شخص ہر بات کو تحقیق کی نظر سے دیکھے، اور دوسرے کو الزام دینے سے قطع نظر کرلے۔

اگر کسی بات میں دوسرے کو گھٹا ہوا دیکھا ہے تو اس وقت یہ سوچے کہ ہم بھی کسی بات میں اس سے گھٹے ہوئے ہیں یا نہیں؟ کیونکہ ہر شخص میں کچھ خوبیاں بھی ہوتی ہیں اور کچھ برائیاں بھی اگر اس شخص میں ایک برائی ہے تو ممکن ہے کہ ہم میں بہت سی برائیاں ہوں یا ایک ہی برائی ہو لیکن اس کی برائی سے بدتر ہو پھر کس طرح ہم اس کو گھٹا ہوا سمجھتے ہیں۔ (وعظ السوق لاہل الشوق)

ہمارے اکابر کا انداز فکر

حضرت ذوالنون مصریؒ کا حال

حضرت ذوالنون مصریؒ سے لوگوں نے آکر عرض کیا کہ حضرت دعاء فرمایئے کہ بارش ہو، فرمایا کہ میرے گناہوں کی وجہ سے بارش نہیں ہوتی، مجھ کو شہر سے نکال دو، ان حضرات کو جب کبھی گمان ہوا ہے تو یہی ہوا کہ ہماری بداعمالیوں کی وجہ سے یہ مصیبت آئی ہے، ایک صاحب فرماتے تھے کہ ایک کتاب میں لکھا ہے کہ انسان کے پاس دو تھیلے ہیں ایک آگے اور ایک پیچھے، آگے کے تھیلے میں اپنی بھلائیاں ہیں جو ہر وقت پیش نظر رہتی ہیں، اور پچھلے کے تھیلے میں دوسروں کی

بھلائیاں ہیں جو نظروں سے غائب ہیں (یہ ہمارا حال ہے) ارے ہم کو یہ غور کرنا چاہئے کہ کیا ان کے اندر کوئی خوبی کی بات نہیں ہے؟

ایک بزرگ سے کسی نے پوچھا کہ یزید کیسا ہے؟ فرمایا: اچھا شاعر تھا، حضرت مولانا احمد علی صاحب محدث سہارنپوری ہمارے مجمع کے اکثر بزرگوں کے استاد تھے، ایک شخص نے گستاخانہ کلمات روبرو کہے، طلبہ نے چاہا کہ اس کی خبر لیں (مولانا نے) فرمایا کہ ارے اس کی ساری باتیں تو غلط نہیں، کچھ تو سچ بھی ہیں۔

ہمارے حضرت حاجی امداد اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی کسی نے تکفیر کی، حضرت نے سن کر برا نہیں مانا، اور یہ فرمایا کہ اگر میں عند اللہ مومن ہوں تو مجھ کو کسی کی تکفیر سے نقصان نہیں اور اگر خدانخواستہ کافر ہوں تو برا ماننے کی کیا بات ہے، ذوق کے اشعار اسی مضمون کے ہیں ؎

تو بھلا ہے تو برا ہو نہیں سکتا اے ذوق ہے برا وہی جو تجھ کو برا جانتا ہے
اور اگر تو ہی برا ہے تو وہ سچ کہتا ہے پھر برا کہنے سے کیوں اسکے برا مانتا ہے

دیکھئے یہ اشعار بالکل نثر سے معلوم ہوتے ہیں، کمال شاعری اسی کا نام ہے کہ پتہ بھی نہ لگے کہ نظم ہے یا نثر اور بالکل سچا مضمون ہے۔ ہم لوگوں کی تو یہ حالت ہے کہ ذرا کوئی کچھ کہہ دے تو پھر دیکھئے چہرہ سرخ ہو جائے گا، رگیں پھول جائیں گی۔

مولانا اسمٰعیل شہیدؒ کا حال

حضرت مولانا اسماعیل شہیدؒ سے ایک شخص نے عام مجمع میں مولانا سے پوچھا کہ مولانا میں نے سنا ہے کہ آپ حرام زادہ ہیں، مولانا نے بہت متانت اور

نرمی سے فرمایا کہ کسی نے تم سے غلط کہا ہے، شریعت کا قاعدہ ہے "اَلْوَلَدُ لِلْفِرَاشِ" سو میرے والدین کے نکاح کے گواہ بڑے بوڑھے لوگ اب تک موجود ہیں، ایسی باتوں کا یقین نہیں کیا کرتے، وہ شخص پاؤں پر گر پڑا۔

اہل اللہ کی یہ حالت ہوتی ہے کہ ان کی ذات کو جس قدر بھی کوئی برا کہے وہ اپنے کو اس سے بدتر جانتے ہیں۔ (عمل الذرۃ ملحقہ آداب انسانیت ص ۵۱۹)

بغض فی اللہ کا ایک امتحان

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اے شخص! تجھ کو شیطان نے دھوکہ دے رکھا ہے اور یہ بہکایا ہے کہ تو غضب فی اللہ کرتا ہے، اور اس کا امتحان یہ ہے کہ جیسے تم کو تمہاری بات رد کرنے یا تمہارے بیان کئے ہوئے مسئلہ کو رد کرنے سے غصہ آتا ہے، اگر یہی مسئلہ دوسرا عالم بیان کرے اور اس عالم میں اور تم میں مخالفت بھی ہو اور کوئی شخص اس کے مسئلہ میں مزاحمت کرے (اور اس کا رد کرے) تو دیکھو تمہارا جی خوش ہوتا ہے یا نہیں؟ غالب تو یہی ہے کہ تمہارا جی خوش ہوگا۔ اس سے تم خود فیصلہ کرلو کہ تمہارا یہ غضب فی اللہ تھا یا نہیں، اگر واقعی غضب فی اللہ تھا تو کیا وجہ ہے کہ تمہارے مخالف نے جب وہی مسئلہ بیان کیا اور اس سے کسی نے مزاحمت کی تو تم کو اس وقت کیوں حق کا رد کرنے کی وجہ سے ویسا جوش نہیں آیا (جیسا اپنے بیان کردہ مسئلہ کے رد کرنے میں آیا تھا) اس سے معلوم ہوگیا کہ تیرے اندر دین کی حمیت نہیں نفسانی جوش ہے، یہ ایک ایسا امتحان ہے کہ اس میں بہت کم پاس نکلیں گے، یہ ساری خرابی اس کی ہے کہ اپنے کمالات پر نظر ہے، اور اپنے عیوب نظروں سے پوشیدہ ہیں۔ (عمل الذرۃ ملحقہ آداب انسانیت ص ۵۲۰)

باب ۵

اتحاد و اتفاق اور الفت و محبت کے باطنی اسباب

اتحاد و اتفاق اللہ تعالیٰ کے کرنے ہی سے پیدا ہوگا

اتفاق جو ایک ضروری شئی ہے اس کے لئے بھی اسباب ضروری ہیں، اور چونکہ وہ محمود و مطلوب ہے لہٰذا اس کے اسباب بھی قابل اہتمام ہوں گے، سو اس سبب کی ہمارے عقلاء نے تحقیق نہیں کی بلکہ جو اس کے اسباب نہیں ہیں ان کو سبب قرار دے دیا اسی لئے اتفاق قائم نہیں ہوتا، پس زیر بحث مسئلہ میں اس کی تحقیق و تفتیش ضروری ہے کہ اتفاق کا سبب کیا ہے تاکہ اس کو اختیار کرنے سے اتفاق پیدا ہو۔

سو اس کی تفتیش میں ہم کو بفضلہٖ تعالیٰ دوسروں کی تقلید کی ضرورت نہیں، ہمارے پاس تو قرآن ہے اس میں اس کے متعلق ارشاد ہے:

هُوَ الَّذِیْ اَیَّدَکَ بِنَصْرِهٖ وَبِالْمُؤْمِنِیْنَ، وَاَلَّفَ بَیْنَ قُلُوْبِهِمْ لَوْ اَنْفَقْتَ مَا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا مَّا اَلَّفْتَ بَیْنَ قُلُوْبِهِمْ وَلٰکِنَّ اللّٰهَ اَلَّفَ بَیْنَهُمْ اِنَّهٗ عَزِیْزٌ حَکِیْمٌ۔ (سورہ انفال پ۱۰)

(ترجمہ) یعنی خدا تعالیٰ کی وہ شان ہے اے (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کہ اس نے اپنی مدد اور مؤمنین سے آپ کو قوت دی، اور ان کے دلوں میں باہم الفت ڈال دی، اگر آپ روئے زمین کا تمام مال خرچ کرتے تو آپ ان کے قلوب میں الفت نہ ڈال سکتے۔ لیکن اللہ ہی نے ان کے درمیان الفت ڈال دی بیشک اللہ غالب حکمت والا ہے۔

دیکھئے! جہاں حضور جیسے مدبر عاقل، حکیم دور اندیش ہوں کہ جن کے عقل کے کامل ہونے پر تمام دنیا والوں کا اتفاق ہو، اور تدبیر یہ کہ تمام روئے زمین کے خزانے اتفاق کے لئے خرچ کریں (اس کے بعد بھی) نتیجہ کیا ہے؟ مَا اَلَّفْتَ بَیْنَ قُلُوْبِهِمْ (کہ اے محمد آپ باہم الفت پیدا نہیں کر سکتے) اس سے کیا پتہ چلتا ہے؟ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ظاہری اسباب جیسے کوئی اسلامی فنڈ قائم کرنا، لکچر دینا، رسالوں میں اتفاق کے مضامین شائع کرنا، اس سے اتفاق پیدا نہیں ہوتا، وَلٰكِنَّ اللّٰهَ اَلَّفَ بَیْنَهُمْ (لیکن اللہ نے ان میں باہم الفت پیدا کر دی) سے معلوم ہوتا ہے کہ اتفاق کا مدار یہ ہے کہ خدا تعالیٰ دلوں میں الفت پیدا کر دیتے ہیں۔ آپ مجھ کو چاہیں میں آپ کو چاہوں، ہر ایک دوسرے کو محبوب ہو۔

(الاتفاق ملحقہ آداب انسانیت ص ۴۴۵)

حق تعالیٰ باہم الفت و محبت کیسے فرما دیتے ہیں؟

اب یہ بات رہی کہ باہم الفت و محبت حق تعالیٰ کس طرح پیدا کر دیتے ہیں؟ اس کا سبب کیا ہے؟ یہ بھی حق تعالیٰ ہی سے پوچھو، چنانچہ اس محبت پیدا کرنے کے واسطے اس آیت میں ارشاد فرمایا ہے جو میں نے تلاوت کی ہے وہ یہ ہے:

اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَیَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا.

(سورہ کہف پ ۱۶)

حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ: "بیشک جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کئے عنقریب اللہ تعالیٰ ان کے لئے محبت پیدا کر دیں گے"

یعنی ایمان اور اعمال صالحہ والوں کے لئے اللہ تعالیٰ ایک وعدہ فرماتے ہیں

اور وعدہ بھی قریب کا، گو یہ آخرت کا وعدہ بھی ہوسکتا ہے کیونکہ آخرت بھی قریب ہی ہے۔ مگر لفظ سیجعل کے س سے یہی مفہوم ہوتا ہے کہ دنیا کا وعدہ ہے کیونکہ متعارف قرب دنیا ہی کو ہے، چنانچہ جب یہ کہا جاتا ہے کہ یہ کام جلدی ہوجائیگا تو یہی مفہوم ہوتا ہے کہ بہت جلد ہوجائے گا، پس ہم کو قواعد لسانیہ کی بنا پر یہ حق حاصل ہے کہ جس شئی کے متعلق حق تعالیٰ جلدی ہوجانے کا وعدہ فرمادیں اس کو دنیا کے وعدہ پر اور دنیا میں بھی بہت جلد حاصل ہوجانے پر محمول کرلیں۔ بہرحال ایمان اور عمل صالح پر وُدًّا کا وعدہ ہے جس کا نام محبت ہے۔

آیت کا حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایمان اور عمل صالح کی یہ خاصیت بیان فرمائی ہے کہ اس کے اختیار کرنے والے دلوں میں محبوب ہوجاتے ہیں۔

پس جب کہ ایک جماعت کی جماعت ایمان اور عمل صالح اختیار کرے گی تو ان میں ایسا اتفاق پیدا ہوگا کہ کبھی نہ جائے گا، پس اتفاق واتحاد کا اصلی سبب ایمان اور عمل صالح ٹھہرا۔

اب فرمایئے کہ دنیا میں کتنے عقلمند ہیں جنہوں نے یہ راز سمجھا ہو، ہاں اتفاق اتفاق سب گاتے ہیں، میں تو یہ کہتا ہوں کہ اتفاق کا نام بھی نہ لو مگر ایمان اور عمل صالح اختیار کرلیجئے ضرور اتفاق پیدا ہوجائے گا۔ آپ کو اس کی ضرورت نہیں کہ آپ لکچر دیں یا مضمون لکھیں اور پھر اتفاق بھی ایسا ہوگا کہ مرنے تک اور مرنے کے بعد جنت میں بھی نہ جائے گا، اور دعویٰ سے کہا جاتا ہے کہ یہی ہے وہ محبت جو (صحابہ کے درمیان باہم پائی جاتی تھی اور یہی وہ محبت ہے جو) قائم رہنے والی ہے، باقی محبتیں سب زائل ہونے والی ہیں۔

(الاتفاق ملحقہ آداب انسانیت ص ۴۱۹، ۵۱۹)

اتحاد و محبوبیت ایمان و عمل صالح میں منحصر ہے

محبوبیت ایمان اور اعمال صالحہ میں منحصر ہے (جیسا کہ گذشتہ بیان سے معلوم ہو چکا) اس سے ان لوگوں کی غلطی معلوم ہوگئی جو لوگ اتفاق اتفاق پکارتے ہیں اور شریعت کے خلاف کام کرتے ہیں، ان کو آج تک تو کامیابی ہوئی نہیں۔

اور اگر کوئی کہے کہ ہم تو دیکھتے ہیں کہ بعض جگہ ان میں اتفاق ہے، تو صاحبو! وہ اتفاق نہیں اس لئے کہ آپ پر یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ اتفاق ہوتا ہے باہمی الفت سے اور ان میں الفت نہیں وہ تو عارضی اور صورۃً اتفاق ہے جو بہت جلدی زائل ہوتا ہے کیونکہ اس اتفاق کا منشاء اتحاد اغراض ہے (یعنی سب کی غرض ایک ہے) جب تک اغراض متحد ہوتے ہیں وہ اتفاق کا ڈھانچہ قائم رہتا ہے اور جب اغراض میں اختلاف ہوتا ہے فوراً وہ اتفاق ٹوٹ جاتا ہے۔

بخلاف مؤمن کے اتفاق کے اس لئے کہ اس کی غرض اور مطلوب ہمیشہ اللہ اور اس کے رسول کی رضا ہے اور اس میں تزاحم (مقابلہ و مزاحمت) کا احتمال ہی نہیں۔ اس لئے اس کا اتفاق قائم رہتا ہے۔ دو مؤمن اگر جنوب و شمال میں بھی ہیں اور ان میں پہلے سے کوئی تعلقات بھی نہیں ان میں بھی باہم اتفاق ہوتا ہے پس عقلی طور پر ثابت ہوگیا کہ اتفاق اگر ہے تو مؤمنین میں ہے اور اگر باقی رہ سکتا ہے تو ان ہی کا اتفاق باقی رہ سکتا ہے۔ (الاتفاق ص ۳۶۶)

ایمان اور عمل صالح کی وجہ سے محبت پیدا ہوتی ہے

محبوبیت کا مدار ایمان اور عمل صالح ہے، مجھے اس دعویٰ پر دلائل قائم کرنے

کی ضرورت نہیں اسلئے کہ جب میں مشاہدہ کر رہا ہوں تو دلیل کی اب کیا ضرورت ہے، مگر تبرعاً اس کی وجہ بھی بتاتا ہوں کہ ایمان وعمل صالح کی وجہ سے محبت کیوں ہوتی ہے؟

اصل وجہ تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس میں خاصیت ہی یہ رکھ دی ہے جیسے بعض دواؤں میں خاص تأثر ہوتا ہے ایسے ہی یہ بھی ہے، لیکن یہ زمانہ تحقیقات کا ہے اس لئے اس پر اکتفانہ کیا جائے گا اس لئے میں اس کی دو وجہ بیان کرتا ہوں ایک ظاہری اور ایک باطنی۔

محبت کا باطنی سبب

حدیث شریف میں آیا ہے کہ جب بندہ اللہ کی اطاعت کرتا ہے تو حق تعالیٰ اس سے محبت کرنے لگتے ہیں اور جبرئیل علیہ السلام کو حکم ہوتا ہے کہ تمام ملائکہ میں پکار دو کہ فلاں بندہ سے ہم کو محبت ہے تم بھی اس کو دوست رکھو، پھر حکم ہوتا ہے کہ دنیا میں بھی پکار دو، چنانچہ زمین میں یہ اعلان کیا جاتا ہے فیوضع لہ القبول فی الارض پس وہ سب کی نظروں میں مقبول ہوتا ہے، اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے استشہاد میں (یعنی دلیل کے طور پر) یہی آیت پڑھی "اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَیَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا" (پ۱۶ مریم)

(ترجمہ) بے شک جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے اچھے کام کئے اللہ تعالیٰ ان کے لئے محبت پیدا کر دے گا۔

(اس موقع پر) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ آیت پڑھنا صریح دلیل ہے کہ میرا اس مضمون کو اس آیت سے استنباط کرنا صحیح ہے۔

تنبیہ! اگر کوئی کہے کہ ہم کو تو کسی کے متعلق اعلان کی خبر نہیں تو سنیے بات یہ ہے کہ فرشتوں کا اعلان قلوب میں ہوتا ہے اور وہ یہی ہے کہ اس کی محبت قلوب میں پڑ جاتی ہے۔ (الاتفاق ص ۴۴۹)

محبت کا دوسرا باطنی راز

دوسرا باطنی راز یہ ہے کہ محبت کا محل قلب ہے اور قلوب حق تعالیٰ کے قبضے میں ہیں اور جب وہ قلوب میں کسی کی محبت پیدا کرنا چاہیں گے بالاضطرار (مجبور ہوکر) اس کے سامنے جھک جانا ہی پڑے گا، اس کے سامنے پھر کسی کا حوصلہ نہیں ہے کہ ٹیڑھا چلے۔

(حکایت) ایک مقام پر ایک بزرگ سے کوئی شخص الجھا، دونوں طرف خشک خشک جواب ہوئے، ان بزرگ کے پاس سے وہ شخص پچاس قدم بھی نہ گیا ہوگا کہ دل میں ایک چوٹ سی لگی اور قدم آگے نہ بڑھا اور واپس آکر ہاتھ جوڑے کہ خدا کے واسطے میرا قصور معاف کردو، اور یہ کہا کہ خدا جانے مجھ کو کیا ہو گیا کہ میں قدم آگے بڑھاتا تھا اور وہ پیچھے کو ہٹتا تھا، وہ بات کیا تھی؟ یہ نہیں کہ ان بزرگ نے کچھ تصرف کر دیا ہو بلکہ اس پر ایک سرکاری پیادہ مسلط ہو گیا اور کشاں کشاں اس کو پکڑ لیا۔

غرض ان بزرگ نے جب قصور معاف کیا اس وقت وہ گیا، اس سے معلوم ہوا کہ قلب میں کوئی بات خدا تعالیٰ پیدا کر دیتے ہیں۔ غرض (ایمان و عمل صالح کی وجہ سے محبوبیت کا) باطنی راز تو یہ ہے۔

(الاتفاق آداب انسانیت ص ۴۵)

اعمال صالحہ کی وجہ سے محبوبیت کیوں ہو جاتی ہے؟

اور ایمان و عمل صالح اور خدا تعالیٰ کی اطاعت کی وجہ سے محبوبیت کا ظاہری راز یہ ہے کہ محبت کے کل تین سبب ہوا کرتے ہیں نوال، کمال، جمال۔

یعنی عطاء و احسان محبت کا سبب ہوتا ہے چنانچہ محسن سے اسی بنا پر محبت ہوتی ہے، اور عطاء ہی میں یہ بھی داخل ہے کہ کسی کی خطاء معاف کر دی جائے، یا کسی کا کام کر دیا جائے، کسی کی بے ہودگی (اور غلطی) کو درگذر کر دیا جائے۔

اور کبھی کمال کی وجہ سے محبت ہوتی ہے خواہ کمال علمی ہو یا عملی یا اخلاقی، مثلاً اہل علم سے محبت اسی واسطے ہوتی ہے کہ ان میں کمال علم ہے اگرچہ اس کے علم سے اپنے کو بھی نفع نہ ہو، اور جیسے حاتم کی سخاوت سن کر اس کی طرف ایک میلان ہوتا ہے اور جیسے رستم سے اسی واسطے محبت ہے کہ اس میں شجاعت (بہادری) کا کمال ہے۔

مجھ کو یاد ہے کہ بچپن میں اردو شاہنامہ دیکھا کرتا تھا جب کسی لڑائی کا قصہ آتا تو جی سے تمنا ہوتی تھی کہ خدا کرے یہ لکھا ہو کہ رستم جیت گیا حالانکہ اگر وہ جیت گیا یا ہار گیا تو ہم کو کیا نفع ہے، مگر اس کے کمال کی وجہ سے کان اس بات کو نہیں سن سکتے تھے کہ ہار گیا، تو اس کی وجہ یہی ہے کہ اس کے اندر شجاعت (بہادری) کا کمال تھا۔

اور اس زمانہ میں جو بہت سے لڑائی کے واقعات ہوئے تو مسلمانوں کے غلبہ کو سن کر مسلمانوں کا دل تو خوش ہوتا ہی تھا مگر بہت سے ہندوؤں کو بھی دیکھا کہ وہ ان کے غلبہ کو سن کر خوش ہوتے تھے اس کا سبب بھی وہی کمال شجاعت کی وجہ سے

محبت ہے، اور اس کے علاوہ ترکوں سے محبت کا ایک سبب ان کی مظلومیت بھی تھی کہ یہ بھی کمال میں داخل ہے، اس لئے کہ کمال یہ ہے کہ کسی پر ظلم نہ کرے اور جب اس پر ظلم ہو تو مستقل رہے۔ (یعنی حق پر ثابت قدم رہے)

محبت کا تیسرا سبب جمال ہوتا ہے جیسے کوئی حسین وجمیل ہے اس سے طبعی طور پر محبت ہوتی ہے، لیکن اس کے ساتھ ہی یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ گورے چٹے کو جمیل نہیں کہتے، یہ تو پوست پرستوں کا مذہب ہے کہ ان کے یہاں محبت جمال صورت ہی سے ہے۔

عقلاء کے نزدیک اصلی جمال یہ ہے کہ اخلاق میں تناسب اور اعتدال ہو، اور اسی سے قلوب کو کشش ہوتی ہے، اگر اس کے ساتھ صورت بھی کچھ اچھی ہو تو بہت ہی کچھ کشش ہوتی ہے، محبت کے طبعی اسباب یہ ہیں۔

اب دیکھئے شریعت کی اتباع کرنے والوں میں یہ امور کس درجہ کے ہوتے ہیں کیونکہ خود شریعت کی تعلیم ہی ان کی جامع ہے۔

چنانچہ نوال (عطاء وبخشش) کی تو یہ کیفیت ہے کہ ایثار، جود، کرم، عطاء، انسان ہی کے ساتھ نہیں بلکہ جانوروں تک کے ساتھ کرنے کا حکم فرمایا (جو بزرگوں میں پایا جاتا ہے)

اب کمال کو لیجئے! بڑا کمال علم ہے، شریعت میں اس کے حاصل کرنے کی بہت ہی تاکید ہے، سخاوت اور شجاعت بھی کمال ہے، شریعت نے ان دونوں کا بھی ایسا اہتمام کیا ہے کہ کوئی اس کی نظیر نہیں دکھلا سکتا۔

اب رہ گیا جمال تو اس کا مدار ہے اخلاق پر اس لئے کہ اخلاق جمیلہ میں جو کشش ہے حسن صورت میں اس قدر نہیں ہے۔ اگر کسی میں اخلاق جمیلہ (اچھے

اخلاق) ہوں اگرچہ شکل وصورت سے حسین نہ ہو مگر اس کے اندر ایک دلربائی، چہرہ پر حلاوت اور نور ایسا ہوتا ہے کہ بڑے بڑے حسینوں میں وہ بات نہیں ہوتی، سو اعمال صالحہ میں یہ خاصیت بھی ہے کہ جمال بڑھ جاتا ہے حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں سِیْمَاهُمْ فِیْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ۔ (ان کی علامتیں سجدہ کے اثر سے ان کے چہروں پر نمایاں ہیں)

اور اگر کسی کی سیرت اچھی نہ ہو تو (محض صورت کی بنا پر) بعض کو تو اس سے محبت ہی نہ ہوگی، اور اگر کسی کو ہوگی تو کامل نہ ہوگی ضعیف ہوگی یا جلدی زائل ہو جائے گی، یعنی جب یہ حسن جاتا رہے گا تو محبوبیت بھی جاتی رہے گی، اور حسن سیرت کی وجہ سے جو محبوبیت ہوگی وہ مدت العمر باقی رہے گی۔

(الاتفاق، آداب انسانیت ص ۴۵۱، ۴۵۲)

محبوبیت کے لئے تمام اسبابِ محبت کا جمع ہونا ضروری نہیں

محبوبیت کے لئے مجموعۂ اسباب (یعنی اتحاد واتفاق کے تمام اسباب) کا جمع ہونا ضروری نہیں، اگر مومن اور عمل صالح کرنے والے میں جمال نہ بھی ہو تب بھی دوسرے اسباب تو قوت کے ساتھ موجود ہیں وہ بھی محبوبیت کے لئے کافی ہیں۔

اور اگر کسی کافر میں محبوبیت پائی جائے تو اگر وہ اسلامی اخلاق میں سے کسی خلق کے پائے جانے سے ہے تب تو اس کا سبب وہی عمل صالح ہے۔

باقی یہ بات کہ (آیت میں) پھر مومن کی کیا تخصیص ہوئی، اس کی تحقیق یہ ہے کہ وہ خلق (وصف) غیر مومن میں اس کمال کے ساتھ ہرگز نہ پایا جائے گا جیسا

کہ مومن میں (پایا جاتا ہے) کیونکہ مومن میں اس کا مقتضی مضبوط ہوگا یعنی ابتغاء مرضات حق (اللہ تعالیٰ کی رضامندی) جس میں تغیر وتبدل نہیں ہوتا۔ بخلاف کافر کے کہ اس کا جو منشاء ہوگا وہ تبدیل ہوسکتا ہے اور اس کے بدلنے سے وہ خلق بھی تبدیل ہوسکتا ہے۔ پس کمال محبوبیت مومن ہی میں رہی۔

اور اگر اخلاق کے علاوہ اور کوئی امر محبوبیت کا ہے جیسے حسن صورت وغیرہ تو وہ عام محبوبیت کا سبب نہ ہوگا، بخلاف شریعت کی تعلیم کردہ اسباب کے کہ اس میں یہ اثر عام ہے۔

(الاتفاق ملحقہ آداب انسانیت ص ۴۵۴)

اختلاف کا باطنی سبب

حق تعالیٰ کی نافرمانی کرنا ہے

اس پر اس کی ضد کو قیاس کر لیجئے کہ بغض وعداوت (اور باہمی اختلاف) جب ہوگا شریعت کے خلاف کرنے سے ہوگا، اور بغض اگر قائم رہنے والا ہے تو وہ ان (بددینوں) ہی میں ہے جو ایمان اور عمل صالح میں خلل ڈالتے ہیں، پھر بھی مؤمنین میں جتنا بھی ایمان ہے اسی مقدار کے موافق ان میں باہم مودت ومحبت لازم ہے (جیسا کہ مشاہدہ ہے) پس اگر آپ محبوب بننا چاہتے ہیں اور اپنے آپ میں اتفاق قائم رکھنا چاہتے ہیں تو خدا ورسول کی اطاعت کیجئے، ورنہ مبغوضیت (باہمی نفرت وعداوت اور اختلاف) کے لئے تیار ہو جایئے۔

لیکن خدا کے لئے ایمان اور عمل صالح کو اس نیت سے نہ کیجئے کہ ہم محبوب بنیں بلکہ ارادہ تو حق تعالیٰ کی اطاعت کا ہونا چاہئے، ہاں اس پر یہ ثمرہ (اور نتیجہ)

بھی مرتب ہوجاتا ہے۔ جیسے جب خانہ کعبہ کا ارادہ ہو تو بمبئی (دہلی) کی سیر کا ارادہ نہ کرو، نیت تو ہونا چاہئے حج کی ہاں راستہ میں بمبئی (یا دہلی) بھی آئے گا اور سیر بھی کرلوگے۔

الغرض اتحاد واتفاق کے اسباب حق تعالیٰ کی اطاعت کرنا ہے اور نااتفاقی واختلاف کے اسباب حق تعالیٰ کی نافرمانی کرنا ہے، اللہ تعالیٰ سے دعا کیجئے کہ عمل کی توفیق نصیب فرمائے۔ آمین۔

(الاتفاق ص ۴۶۸ آداب انسانیت)

اسلامی احکام پر عمل کرو، حقوق کی ادائیگی کرو

یقیناً اتحاد پیدا ہوجائے گا

پس ہمیں کسی سے یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ ہم آپ سے اتحاد کرنا چاہتے ہیں، یا ہم کو آپ سے ہمدردی ہے بلکہ کفار پڑوسی کے ساتھ تم اسلامی تعلیم کے موافق عمل شروع کردو وہ خود آپ سے متحد ہوجائیں گے اور آپ کی محبت وعظمت ان کے قلوب میں پیدا ہوجائے گی۔

نہ اس کی ضرورت ہے کہ تم احکام شرعیہ میں ترمیم کرو، نہ اس کی ضرورت ہے کہ جلسوں میں ان کو مدعو کر کے خوشامد کے الفاظ کہو، بلکہ عمل کی ضرورت ہے اور معاملہ درست کرنے کی، مگر عمل میں ہماری یہ حالت ہے کہ مسلمانوں سے بھی ہمارا برتاؤ اچھا نہیں کفار سے تو کیا اچھا ہوتا، پھر یہ زبانی باتیں کب تک چلیں گی۔

(بالاخوۃ، التبلیغ ص ۲۰ ج ۱۳)

نماز وروزہ کو بھی اتحاد واتفاق اور محبوبیت میں بڑا دخل ہے

اب رہی یہ بات کہ ایمان اور نماز روزہ کو محبوبیت میں کیا دخل ہے؟ سو اس کے متعلق سنو کہ قاعدہ عقلیہ ہے کہ کوئی بھی کام ہو پہلے اس کا قلب میں ارادہ پیدا ہوتا ہے، پھر اس کا جوارح سے ظہور ہوتا ہے، اور یہ بھی مسلم ہے کہ کسی امر پر مواظبت (اور پابندی) اس کے بغیر نہیں ہوسکتی کہ قلب میں اس کا شدید تقاضا راسخ ہوجائے، اور اس کے اضداد وموانع (یعنی مخالف اسباب) قلب سے دور ہوجائیں ورنہ غیر راسخ ارادہ ہوگا، اور جب ارادہ راسخ (اور پختہ) نہ ہوگا تو عمل بھی نہ ہوگا، پس ثابت ہوا کہ مداومت (پابندی) اور استقامت قلب کے تقاضے کے بغیر نہیں ہوتی، پس اس قاعدہ کے موافق اخلاق ومعاملات ومعاشرت کی درستگی بھی (جس کا دخیل ہونا محبوبیت میں مسلم ہو چکا ہے) اسی وقت ہوسکتی ہے کہ ان چیزوں کا قلب میں تقاضا درسوخ ہو اور وہ تقاضا درسوخ ایمان ونماز اور روزہ کے بغیر نہیں ہوسکتا، اس لئے کہ معاملات ومعاشرت کے تمام قواعد اللہ ورسول ہی نے ہم کو تعلیم فرمائے ہیں تو جب تک اللہ ورسول کی تصدیق قلب میں راسخ نہ ہوگی تو ان تعلیمات پر استقامت نہ ہوگی یہ تو ایمان کا دخل ہوا۔

اور (محبوبیت میں) روزہ نماز کو اس طرح دخل ہے کہ قلبی تقاضے کی یہ کیفیت قلب کی صفائی پر موقوف ہے اور قلب کی صفائی بغیر نماز روزہ کے نہیں ہوتی، روزہ تو اس طرح کہ اس سے قوت بہیمیہ ٹوٹتی ہے، اور نماز سے تواضع پیدا ہوتی ہے، تکبر ٹوٹتا ہے، اور بہت سے اخلاق ذمیمہ کی اصل تکبر اور قوت بہیمیہ ہی ہے، پس نماز روزہ سے اس کی اصلاح ہوگی، اور اس کی اصلاح سے معاملات

وغیرہ درست ہوں گے جو محبوبیت کا مدار ہے، پس نماز روزہ بھی محبوبیت کا سبب ہوا۔ (الاتفاق، آداب انسانیت ص ۴۶۱)

پیر و مرشد اور بزرگوں سے اس قدر محبت کا راز

دیکھئے پیر سے جو محبت ہوتی ہے وہ کیسی ہوتی ہے کہ کبھی نہیں جاتی، آخر پیر میں کیا شئی ہے کہ اس سے ایسی محبت ہو جاتی ہے کہ اگر وہ جان بھی مانگے اس سے بھی انکار نہیں، اس کا کیا سبب ہے؟ اس کا سبب وہی ایمان اور عمل صالح ہے چونکہ اس ایمان اور عمل صالح سے یہ اعتقاد ہے کہ یہ حق تعالیٰ کا مقرب ہے اس لئے طبعاً اس کی محبت ہوتی ہے، حتیٰ کہ بعض اوقات پیر اس سے ناخوش بھی ہوتا ہے، مارتا بھی ہے، کبھی کبھی نکال بھی دیتا ہے اور طرح طرح کی خدمتیں لیتا ہے مگر ان کی کیفیت یہ ہے کہ بچھے جاتے ہیں مرے جاتے ہیں، یہ نمونہ آنکھوں سے دیکھ لیجئے، اس قدر محبت کا منشاء صرف یہی امر ہے کہ اس کو اللہ والا اور بلفظ دیگر کامل الایمان کامل العمل سمجھتے ہیں۔

حضرت (حاجی امداد اللہ صاحبؒ) فرماتے تھے کہ ایک مولوی صاحب فرماتے تھے کہ خدا جانے یہ فقیر کیا گھول کر پلا دیتے ہیں، ہم طالب علموں کو کھلاتے ہیں پہناتے ہیں سبق پڑھاتے ہیں، کتاب اپنے پاس سے دیتے ہیں، ان کے تمام ناز نخرے اٹھاتے ہیں اور جب پڑھ لکھ کر چلے جاتے ہیں تو کوئی پوچھتا بھی نہیں۔ اور ان فقیروں کے پاس جو آتا ہے (وہ فقیر) منہ سے بولتے تک نہیں وہ خانقاہ میں پڑے ہیں اور ان کی خبر بھی نہیں ہے، (لیکن اس کے باجود) کبھی شاہ صاحب ہنس پڑے تو (مرید) کی عید ہوگئی، مرید صاحب پیر صاحب کے ہنسنے پر

پھولے نہیں سماتے، اور برسوں کے بعد اگر کچھ بات چیت کرلی تو بہت ہی خوش ہیں۔ غرض خدا جانے کیا پلا دیتے ہیں کہ وہ ان ہی کا ہو کر رہ جاتا ہے۔ حضرت ان کے پاس ایک مقناطیس ہے وہ اس سے جذب کرتے ہیں وہ مقناطیس کیا ہے؟ وہی خدا تعالیٰ کی اطاعت (ایمان اور عمل صالح) معلوم ہوا کہ محبوبیت کا مدار ایمان اور عمل ہی ہے۔ (الاتفاق ص ۴۴۷، ۴۴۸)

خلوص والی محبت اور دوستی کبھی ختم نہیں ہوتی

اہل اللہ کی زندگی بھی کیسی لطف کی زندگی ہے، ان کی محبت اہل دنیا کی سی محبت نہیں ہوتی کہ ذرا سی بات میں ختم ہو جائے کیونکہ ان کی محبت دنیا کے واسطے نہیں ہوتی جس میں تغیر لازم ہے، ہاں اہل دنیا کی محبت بیشک دنیا کی وجہ سے ہوتی ہے جب تک وہ حاصل رہی محبت رہی اور جب اس میں فرق آیا محبت میں بھی فرق آ گیا، بلکہ اہل اللہ کی محبت دنیا کے ختم ہو جانے اور مر جانے سے بھی ختم نہیں ہوتی کیونکہ جس کی وجہ سے ان میں باہم محبت ہے جب تک وہ باقی ہے محبت بھی رہنی چاہئے اور آپ جانتے ہیں وہ کیا چیز ہے جس کی وجہ سے تم میں باہم محبت ہے وہ اللہ سبحانہ کی ذات ہے، جب ان کی محبت اللہ واسطے ہے تو جیسے اللہ تعالیٰ کی ذات کو فنا نہیں ایسے ہی ان کی محبت کو بھی فنا نہیں۔

اہل محبت کی زندگی کیا اچھی زندگی ہے، غریبی ہو یا امیری ہر حالت میں بادشاہوں سے بھی زیادہ عیش کے ساتھ گذرتی ہے، جہاں ایک دوسرے کو تکلیف نہ پہنچے تو وہ کونسا عیش ہے جو ان کو نصیب نہ ہوگا۔

(وعظ ذم المکروھات ملحقہ اصلاح اعمال ص: ۳۹۰)

ایک اعتراض اور اس کا جواب

لوگ نیک اور دیندار شخص کے مخالف کیوں ہوتے ہیں؟

اب ایک اعتراض باقی رہا وہ یہ کہ ایک مؤمن جو شریعت کا پورا پابند ہے اس کا کسی سے مقدمہ ہو اور اس میں وہ مومن ہی حق پر ہو تب بھی فریق مخالف اس کو نظر غیظ (یعنی نفرت اور غصہ کی نگاہ) سے دیکھتا ہے، محبت کی نگاہ سے ہرگز نہیں دیکھتا تو اب وہ دینداری کا خاصہ کہاں گیا؟

اس کا جواب یہ ہے کہ ہر شئی کی خاصیت کے ظاہر ہونے کی شرط یہ ہے کہ اس کا کوئی معارض (یعنی خلاف) نہ ہو اگر اس کا کوئی معارض (مقابل) ہو تو یوں کہیں گے کہ شئی اپنے اثر سے مختلف ہوگئی، تو یہاں یہ معارض ہے کہ اس کو اس کے خیال میں نقصان پہنچ رہا ہے اس لئے یہ شخص اگر غصہ اور نفرت کی نگاہ سے دیکھے تو ہمارے دعوے کے کچھ منافی نہیں ہے، ہاں عام طور سے دیکھو کہ دوسرے لوگ کس نظر سے دیکھتے ہیں سو یقینی بات ہے کہ ایسے موقع پر عام طور پر سب ہی چاہا کرتے ہیں کہ خدا کرے یہ جیت جائے۔

اسی طرح اگر کافر مظلوم ہو تو سب کی خواہش ہوتی ہے کہ اس کو کامیابی ہو، اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ کفر محبت کا سبب ہے بلکہ یہاں اس کی مظلومیت اس کی مبغوضیت (نفرت) کے معارض (مقابل) ہو رہی ہے ورنہ دراصل وہ مبغوض (قابل نفرت) ہی ہے پس خلاصہ یہ ہوا کہ محبوبیت ایمان اور اعمال صالحہ میں منحصر ہے۔

(الاتفاق، آداب انسانیت ص ۴۶۶)

ایک اور اشکال اور اس کا جواب

بد دینوں میں اتحاد اور محبوبیت کی شان کیوں ہو جاتی ہے؟

دوسرا سوال یہ ہے کہ بعض لوگ دیندار بھی نہیں ہوتے اور پھر بھی وہ محبوب ہوتے ہیں، تو پھر محبوبیت میں صرف دینداری کی کیا خصوصیت رہی؟ میں اس کا راز بتلاتا ہوں وہ یہ ہے کہ جب کوئی محبوب ہو اور دیندار نہ ہو تو یہ دیکھو کہ اس کے محبوب ہونے کی علت کیا ہے؟ سو اس کی علت اکثر تو وہی شئی نکلے گی جس کا شریعت نے حکم کیا ہے مثلاً کوئی کافر سخی ہے یا عادل ہے تو اس سے اس کی سخاوت اور عدل کی وجہ سے محبت ہوتی ہے، اور سخاوت اور عدل دونوں کی شریعت نے تعلیم کی ہے، کفر کے ساتھ مل کر بھی انہوں نے اپنا اثر دکھلایا ہے (غور کیجئے!) اعمال شرعیہ کفر کی نجاست کی آلودگی کے ساتھ بھی جب اپنا کام کر رہے ہیں اگر ایمان کے ساتھ ملیں گے تو دیکھو کیا رنگ لاتے ہیں، ایک جواب تو یہ ہوا۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ محبوبیت مطلقہ من کل الوجوہ (یعنی مطلق محبت جو ہر پہلو سے ہو اس کے متعلق) گفتگو ہے، ہر شخص کے نزدیک محبوب بنادے یہ بجز مومن کامل کے کسی کو نصیب نہیں، اگر کوئی کافر کسی خلق حسن (یعنی اچھی عادت اور کسی خوبی) سے متصف ہے تو وہ بعض کے نزدیک محبوب ہے، اور بعض کے نزدیک نہیں، بلکہ کفر یا اس کے بعض برے اخلاق کی وجہ سے مبغوض (قابل نفرت) ہے اب شبہ جاتا رہا، اور اگر حسن (خوبصورتی) وغیرہ علت ہو تو اس کا جواب اوپر آچکا ہے۔ (الاتفاق، آداب انسانیت ص ۴۶۵)

تبلیغ کرنے اور نصیحت کرنے والوں سے لوگ کیوں نفرت کرتے ہیں؟

سوال پیدا ہوتا ہے کہ ہم بعضے دینداروں کو دیکھتے ہیں کہ وہ شریعت کی پوری پابندی کرتے ہیں اور ساری دنیا کو نصیحت کرتے ہیں (امر بالمعروف نہی عن المنکر کرتے ہیں) لیکن سب سے ان کی لڑائی رہتی ہے، لوگ ان کو اچھی نظروں سے نہیں دیکھتے ہیں وہاں محبوبیت کا ثمرہ کیوں نہیں ظاہر ہوتا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ آپ کا یہ سوال کم فہمی کی وجہ سے پیدا ہوا ہے۔ صاحبو! نصیحت کا بھی شارع نے قانون مقرر کیا ہے جب کوئی شخص اس قانون کے خلاف کرے گا تو وہ کمال ایمان وعمل صالح کے اس ثمرہ سے یعنی محبوبیت ومودت سے ضرور محروم رہے گا، اس سے وہ شبہ جاتا رہا، اور وہ قانون یہ ہے کہ نصیحت خیر خواہی اور محبت اور ہمدردی سے ہو، نفسانیت کا اس میں شائبہ نہ ہو، تو جو شخص اس قانون کے موافق عمل کرے گا اس کی کسی سے مخالفت ہو ہی نہیں سکتی۔

(الاتفاق، آداب انسانیت ص ۴۶۲)

اتحاد واتفاق کی اصل تواضع ہے

حضرت حاجی (امداللہ) صاحب فرمایا کرتے تھے کہ لوگ اتفاق اتفاق پکارتے پھرتے ہیں مگر اتفاق کی جو اصل ہے اس سے بہت دور ہیں اتفاق کی اصل تواضع ہے، جن دو شخصوں میں تواضع ہوگی ان میں نااتفاقی نہیں ہوسکتی اور تواضع کی ضد تکبر ہے، جہاں تکبر ہوگا وہاں اتفاق نہیں ہوسکتا، اب لوگ ہر بات میں تکبر کو

اختیار کرتے ہیں اور زبان سے اتفاق اتفاق پکارتے ہیں تو اس سے کیا ہوتا ہے، اگر واقعی دونوں تواضع سے کام لیں تو اتفاق قائم رہے، اور تواضع جب ہوتی ہے جب کہ حبِّ مال وجاہ نہ ہو، اور جہاں مال وجاہ کا دخل ہوگا وہاں تزاحم ضرور ہوگا، حُبِّ جاہ وحُبِّ مال (عزت اور مال کی محبت وخواہش) فساد کی جڑ ہے اگر یہ نہ ہو تو خدا کی قسم کبھی تزاحم نہ ہو۔ (السوق لاہل الشوق ص ۳۴)

آج کل جو تقریروں میں کہا جاتا ہے کہ اتفاق کرو، اتفاق کرو، اس کا مطلب صرف یہ ہوتا ہے کہ سب میرے ساتھ اتفاق کریں ہر شخص اپنی رائے پر اتفاق کی دعوت دیتا ہے، اور اس طرح قیامت تک اتفاق نہیں ہوسکتا، بلکہ اتفاق قائم کرنے کی صورت یہ ہے کہ ہر شخص اس بات کے لئے آمادہ ہو کہ اگر کوئی میری اتباع نہ کرے گا تو میں اس کی اتباع کروں گا، بشرطیکہ خلاف شرع کام نہ کرے، اتفاق کی جڑ تواضع ہے اس کے بغیر اتفاق نہیں ہوسکتا، اتفاق تو محض تواضع ہی سے ہوگا کہ ہر شخص دوسرے کی موافقت اور تقلید کے لئے تیار ہو ورنہ اتفاق دشوار ہے، اور اگر ہوا بھی تو محض زبانی اور کاغذی ہوگا۔

(الارتباط، ارشادات حکیم الامت ص ۵۰۷، ۵۱۱)

اختلاف اور نفرت کی بنیاد تکبر ہے، اختلاف ہمیشہ نفسانیت اور ترفع (یعنی اپنے کو برتر سمجھنے) سے ہوتا ہے ہمارے حضرت حاجی صاحب مرشدنا فرمایا کرتے تھے کہ اتفاق کی جڑ تو تواضع ہے، دو متکبروں میں کبھی اتفاق نہیں ہوتا، جب کسی شخص میں تواضع ہوتی ہے تو اس کو یہ مشکل معلوم نہیں ہوتا کہ اپنے آپ کو دوسرے کا تابع بنادے اور اپنی رائے پر دوسرے کی رائے کے مقابلہ میں اصرار نہ کرے اور متکبر سے یہ کام کبھی نہیں ہوتا۔

(خلاصہ یہ کہ) اتفاق کی جڑ تواضع ہے جو لوگ متواضع ہوں گے (ان میں) آپس میں نزاع (جھگڑا) ہو ہی نہیں سکتا۔ اور تواضع کے بغیر کبھی اتفاق پیدا نہیں ہوسکتا۔ (مجالس حکیم الامت ص۲۷۸، ۹۸)

پس جو لوگ اتفاق کے طالب ہیں، اور میل جول کرنا چاہتے ہیں ان کو پہلے اپنے اندر تواضع پیدا کرنا چاہئے، اور تواضع حاصل کرنے کے لئے کسی کامل کے قدموں میں پامال ہونے کی ضرورت ہے، خلاصہ یہ کہ اتفاق کا مدار تواضع پر ہے اور تواضع موقوف ہے اصلاح نفس پر اور اصلاح نفس موقوف ہے شیخ کامل کی صحبت پر، یا کم از کم عدم انکار ہی ہو کہ ان کی غیبت وشکایت تو نہ کیا کرے۔

(اصلاح ذات البین، آداب انسانیت ص۳۱۳، ۳۱۴)

تواضع کی حقیقت

اللہ کے واسطے تواضع اختیار کرنے کی حقیقت یہ ہے کہ حقیقت میں وہ شخص اپنے کو لاشئی سمجھے، اور ہیچ سمجھ کر تواضع کرے، اور اپنے کو رفعت (بلندی) کا اہل نہ سمجھے اور سچ مچ اپنے کو مٹانے کا قصد کرے۔

بخدا اقرار خطاء (یعنی اپنی غلطی تسلیم کرنے اور تواضع اختیار کرنے) سے اور عزت بڑھ جاتی ہے، کچھ نہ ہو تو یہ تو ضروری ہے کہ اقرار خطاء میں خدا کی رضا ضرور ہے۔ (انفاس عیسیٰ ص۲۷۲ ج۲)

اتحاد واتفاق کی جڑ تواضع اور تواضع کی اصل مجاہدۂ نفس ہے کیونکہ تواضع اس کا نام نہیں کہ زبان سے خاکسار، نیاز مند، ذرہ بے مقدار، (حقیر سراپا تقصیر) کہہ دیا بلکہ تواضع یہ ہے کہ اگر کوئی تم کو ذرہ بے مقدار، اور خاکسار سمجھ کر برا بھلا

کہے، اور حقیر و ذلیل کرے تو تم کو انتقام کا جوش پیدا ہو اور (اس وقت تم) نفس کو یوں سمجھا لو کہ تو واقعی ایسا ہے، پھر کیوں برا مانتا ہے، اور کسی کی برائی سے کچھ رنج و اثر ہی نہ ہو تو یہ تواضع کا اعلیٰ درجہ ہے کہ مدح و ذم (یعنی تعریف اور برائی سب) برابر ہو جائے، مطلب یہ کہ عقلاً برابر ہو جائے، کیونکہ طبعاً تو مساوات ہو نہیں سکتی۔

کسی متواضع سے کبھی کوئی بات تکبر کی نکل جائے تو یہ مضر نہیں، ہاں اس کے افعال اور احوال میں زیادہ غلبہ تواضع کو ہونا چاہئے۔

جس جگہ زیادہ تواضع کرنے سے دوسرے کو تکلیف ہوتی ہو وہاں قصداً اتنی تواضع نہ کرو۔ (انفاس عیسیٰ ۲۷۳)

تواضع اختیار کرنے کا طریقہ

محققین کا قول ہے کہ تم یہ سمجھ کر تواضع اختیار کرو کہ حق تعالیٰ کی عظمت کا حق یہی ہے کہ ان کے سامنے ہر شخص پستی اور تواضع کو اپنی صفت بنائے، اور اپنے کو لاشئ محض سمجھے، اس پر حق تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ جو اس طرح تواضع اختیار کرے گا ہم اس کو رفعت (عزت) عطا فرمائیں گے، لیکن تم رفعت (وعزت) کی نیت سے تواضع نہ اختیار کرو، گو ایک گونہ رفعت (عزت) اس طرح بھی حاصل ہو جائے گی کیونکہ تواضع میں خاصیت ہے گو کسی نیت سے ہو کہ وہ قلوب کو کشش کرتی ہے، مگر اس صورت میں حقیقی رفعت یعنی حق تعالیٰ کا قرب اور اس کی رضامندی حاصل نہ ہوگی۔

(انفاس عیسیٰ ص ۲۷۵)

چھوٹا اور تابع بن جانا کوئی عیب کی بات نہیں

تابعیت (یعنی چھوٹا بن جانا، تابع ہوجانا) کوئی عیب کی بات نہیں کیونکہ متبوعیت کو کوئی کہاں تک نباہے گا، کسی نہ کسی بات میں تو ہر شخص کو کسی نہ کسی کا تابع بننا ہی پڑتا ہے تو اس موقع پر بھی تابعیت (چھوٹا ہونا) اختیار کرلیا جائے تو کیا عیب لگ جائے گا۔ تابعیت اور چھوٹا پن تو بڑی اچھی چیز ہے، اس سے اپنا بوجھ تو ہلکا ہوجاتا ہے۔ تم متبوع بن کر بھی دیکھو اور تابع بن کر بھی دیکھو، اندازہ ہوجائے گا کہ کس میں راحت ہے۔

دیکھو ایک عالم سے کوئی مسئلہ پوچھا جائے اور وہ اس میں غور وخوض کرے مگر اطمینان نہ ہو تو اگر وہ یہ کہہ دے کہ مجھے شرح صدر نہیں ہوا دوسرے سے پوچھ لو، تو کتنا بوجھ ہلکا ہوجائے گا، مگر آج کل اس کو کسرِ شان سمجھا جاتا ہے اور علم کی شان یہی سمجھی جاتی ہے کہ ہر مسئلہ کا جواب ضرور دیا جائے خواہ وہ غلط ہی ہو، بس اس شان نے تباہ کیا، اسی شان کی وجہ سے علماء میں اتفاق نہیں ہوتا، کوئی عالم دوسرے کا تابع بننا نہیں چاہتا، حالانکہ اتفاق اور تابعیت سے مؤنت (مشقت) کم ہوجاتی ہے اور بوجھ بٹ جاتا ہے۔

(السوق لاہل الشوق ص ۱۸)

ایک تواضع نے پورا خاندان بچالیا اور ایک تکبر نے پورا خاندان تباہ کردیا، ایک دلچسپ فرضی حکایت

دب جانے اور چھوٹا بن جانے پر ایک حکایت یاد آئی ایک شیخ صاحب ڈاڑھی

چڑھائے ہوئے چلے آرہے تھے راستے میں ایک خانصاحب ملے، ان کو شیخ صاحب کا ڈاڑھی چڑھانا سخت ناگوار ہوا، اور کہا کیوں بے تو ہماری برابری کرنے لگا؟ شیخ جی بڑے چالاک تھے کہا کہ برابری کیوں نہ کریں ہم تجھ سے کس بات میں کم ہیں، خانصاحب کو اور غصہ آگیا، اور کہا کہ اچھا آلڑلے! شیخ جی نے کہا یوں نہیں لڑتے، لڑائی لڑنی ہی ہے تو اچھی طرح لڑیں گے پھر اپنے پیچھے بیوی بچوں کو بیوہ اور یتیم چھوڑیں گے تو کس کام کی بات ہوگی، لڑنا ہے تو پہلے اپنے اپنے کنبہ (خاندان اور گھر والوں) کو ختم کرلو پھر دل کھول کر لڑو، خانصاحب کو غصہ بیحد چڑھا ہوا تھا زور میں آکر اس کے لئے بھی تیار ہوگئے اور گھر جا کر تمام کنبہ (گھر والوں) کو صاف کردیا ۔اور لوٹ کر آئے اور کہا اب لڑلے، شیخ جی نے کیا کیا کہ اپنی ڈاڑھی اتار لی اور کہا کہ لو بھائی تم ہی جیتے میں ہارا، میں تمہاری برابری نہیں کرتا تم بڑے اور میں چھوٹا۔

تواضع ایسی بڑی چیز ہے جس کی بدولت شیخ جی اور شیخ جی کا کنبہ صحیح اور سالم رہا، اور تکبر ایسی بری چیز ہے کہ جس کی بدولت خانصاحب کا پورا کنبہ غارت ہوگیا۔ اور اگر شیخ جی بھی اکڑتے ہی جاتے تو نتیجہ یہ ہوتا کہ شیخ جی کا سارا کنبہ بھی صاف ہوجاتا بلکہ شیخ جی بھی نہ رہتے اور خانصاحب بھی نہ رہتے، اگر مرتے بھی نہیں تو زخمی تو ہو ہی جاتے۔ ایک تواضع نے ان کا پورا کنبہ بچالیا اور دونوں کی جان بچائی۔

(السوق لاہل الشوق ص ۱۷)

حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کا واقعہ

حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کا واقعہ ہے کہ ایک دفعہ کسی عیسائی قوم سے آپ نے عارضی مصالحت کی، صلح میں میدان تقسیم ہوگئے، ان لوگوں نے سرحد پر

ہرقل کا مجسمہ بنا کر بطور نشان کے قائم کردیا، اتفاق سے کچھ مسلمان اس مجسمہ کے آس پاس گھوڑ دوڑ کررہے تھے، ایک سپاہی نے مجسمہ کی آنکھ پر برچھا مار دیا وہ آنکھ ٹوٹ گئی، عیسائیوں کو اس کی اطلاع ہوئی، انہوں نے حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ سے احتجاج کیا کہ ہمارے بادشاہ کے مجسمہ کی توہین کی گئی ہے، ہم اس کا انتقام لینا چاہتے ہیں، حالانکہ بات کچھ نہ تھی مگر حضرت ابوعبیدہ نے فرمایا کہ واقعی ہمارے سپاہی نے بہت بڑی غلطی کی، اور اس کے معاوضہ میں اپنی آنکھ پیش کرتا ہوں تم میری آنکھ پھوڑ دو، اس جواب کا یہ اثر ہوا کہ مسلمانوں کے وفاء عہد کا عیسائیوں میں چرچا ہوگیا کہ یہ لوگ عہد کے کیسے پکے ہیں، بالآخر وہ لوگ خود ہی ڈھیلے ہوگئے، اور کہا کہ ہم تصویر کی آنکھ کے معاوضہ میں آپ کی آنکھ نہیں لینا چاہتے، یہ باتیں ہیں جن کی وجہ سے مسلمانوں کو ترقی ہوئی تھی۔ (بالاخوۃ التبلیغ ۱۲۱ ج ۱۳)

ایک بزرگ کے تواضع کی حکایت

اہل اللہ کے تواضع کے واقعات بہت ہی دلکش ہیں، دیکھئے ان واقعات میں کیسی دلکشی ہے، ایک بزرگ کی حکایت ہے کہ کسی نے ان کی دعوت کی اور کہہ دیا کہ فلاں وقت مکان پر تشریف لے آیئے گا چنانچہ جب وہ وقت پر آئے تو داعی نے کہا کیوں آئے؟ کیسے آئے؟ فرمایا: بھائی تم نے دعوت بھی کی تھی، کہا: کس نے دعوت کی تھی؟ خوامخواہ لوگوں کے سر ہوتے پھرتے ہو، یہ سن کر وہ بیچارے لوٹ چلے تو وہ کہتا ہے کہ جاتے کہاں ہو، ہم نے تو دعوت کی تھی تم نخرے کرتے ہو، وہ پھر واپس چلے آئے تو کہنے لگا سبحان اللہ! آپ تو کھانے کیلئے ہاتھ دھوئے پھرتے ہیں وہ بیچارے پھر لوٹنے لگے تو کچھ دور جانے کے بعد کہتا ہے عجیب آدمی ہو ہم

نے تو تمہاری دعوت کی تھی میاں چلے جارہے ہیں کئی بار ایسا کیا وہ بار بار چلے جاتے تھے اور چلے آتے تھے، اخیر میں وہ پیروں میں گر پڑا (اور کہا) کہ حضرت میں تو دیکھنا چاہتا تھا (کہ آپ میں صبر وحلم کتنا ہے) پس میں نے آزمالیا کہ واقعی آپ بزرگ ہیں، فرمایا: میاں اس سے دھوکہ نہ کھانا، بزرگی تو وہ ہے جو انسان کے اوصاف میں ہو، اور جو بات تم نے میرے اندر دیکھی ہے یہ صفت تو کتے کے اندر بھی ہے کہ دھمکا دو تو چلا جائے گا اور روٹی دکھلا دو تو آجائے گا۔ یہ بات پہلے سے بھی زیادہ تواضع کی ہے۔

(الاخوۃ، التبلیغ ص ۸۳)

حضرت مولانا اسماعیل شہیدؒ کی متواضعانہ حکایت

حضرت مولانا اسماعیل شہیدؒ ایک دن جامع مسجد دہلی میں وعظ فرمارہے تھے، مسجد بھری ہوئی تھی، ایک ظالم نے بھرے مجمع میں جاکر کہا کہ مولانا میں نے سنا ہے کہ آپ حرام زادہ ہیں، غور کیجئے ایک شخص کو بھرے مجمع میں ایسا لفظ کہا جائے تو اس کا کیا حال ہوگا، خصوصاً اس شخص کا جو وعظ کہہ رہا ہو، اس کو تو اس طعن سے ایسا غصہ آئے گا کہ سارا مضمون اگلا پچھلا بھول جائے گا، مگر مولانا کے چہرہ پر اس سے بل بھی نہیں پڑا، نہ تقریر میں کوئی بندش ہوئی، نہایت نرم لہجہ میں فرمایا کسی نے تم سے غلط کہہ دیا ہے، شرعی قاعدہ ہے الولد للفراش کہ بچہ فراش کے تابع ہوتا ہے اور میرے ماں باپ کے نکاح کے گواہ ابتک موجود ہیں، تو شرعاً میں ثابت النسب ہوں، حرام زادہ نہیں، اور ثابت النسب کو غیر ثابت النسب (حرامی) کہنا شرعاً جائز نہیں بلکہ گناہ ہے، یہ فرما کر پھر وہی مضمون شروع کردیا جو

پہلے سے بیان فرمارہے تھے۔

یہ ہیں وہ واقعات جن سے دشمنوں کے دل بھی موم ہوجاتے ہیں، اور تواضع سے وہ رفعت (وعزت) حاصل ہوتی ہے جو تصنع سے کبھی نہیں ہوتی۔

(الاخوۃ التبلیغ ص ۸۲ ج ۱۳)

حضرت شاہ اسحٰق صاحب دہلویؒ کی حکایت

حضرت شاہ اسحٰق صاحب دہلویؒ کی عادت تھی کہ جوان کو کسی سے سفارش کرنے کے لئے کہتا تو فوراً سفارش کردیتے تھے۔

حضرت شاہ اسحٰق صاحب سے ایک صاحب ملنے آئے اور آپ سے ایک ایسے شخص کے پاس سفارش کرنے کی درخواست کی جو شاہ صاحب کا مخالف تھا، شاہ صاحبؒ نے فوراً سفارش لکھ دی، جب وہ شخص شاہ صاحب کا خط لے کر اس کے پاس پہنچا تو اس گستاخ نے اس خط کو موڑ کر ایک بتی سی بنادی اور کہا کہ لے جاؤ شاہ صاحب سے کہو کہ اس کو اپنی فلاں جگہ میں رکھ لو (گالی دی) یہ شخص بھی عجیب تھا، یہ سیدھا شاہ صاحب کے پاس واپس آیا اور جو الفاظ اس نے کہے تھے وہ نقل کردیئے، شاہ اسحٰق صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اگر میں جانتا کہ میرے اس عمل سے تیرا کام ہوجائے گا تو میں اس میں بھی تأمل نہ کرتا، مگر میں جانتا ہوں کہ یہ ایک لغو حرکت ہے، یہ شخص یہاں سے پھر اس شخص کے پاس پہنچا اور شاہ صاحبؒ کا قول اس کو سنادیا، اب تو اس شخص پر وجد طاری ہوگیا اور فوراً حضرت شاہ صاحب کی خدمت میں حاضر ہوکر معافی مانگ لی اور مرید ہوگیا۔ (مجالس حکیم الامت ص ۱۸۴)

سرسید احمدؒ کی وسعتِ ظرفی

ایک مرتبہ علی گڑھ کے اسٹیشن پر ریل میں سرسید سوار ہوئے، اسی ڈبہ میں ایک اور صاحب پہلے سے سوار تھے، انہوں نے ان سے دریافت کیا کہ یہ کون شہر ہے، سرسید بولے کہ علی گڑھ، یہ سن کر وہ صاحب کیا کہتے ہیں وہی علی گڑھ جہاں سرسید ایسا تیسا رہتا ہے، سرسید کہتے ہیں جی ہاں وہی علی گڑھ، وہ صاحب کہتے ہیں کہ وہ تو بڑا ہی ایسا ویسا ہے، خوب برا بھلا کہا، اس نے دین کو بہت نقصان پہنچایا، سرسید نے کہا کہ ہاں وہ ایسا ہے، یہ صاحب اور زیادہ کھلے اور کئی اسٹیشن تک تبرا کرتے چلے گئے، سرسید کو ذرہ برابر تغیر نہیں ہوا بلکہ تصدیق کرتے رہے، آخر ایک اسٹیشن پر ان تبرا کرنے والے صاحب نے کھانا کھانے کے لئے نکالا، جب کھانے بیٹھے تو ان کی بھی تواضع کی، سرسید نے جواب دیا کہ آپ کھائیں، انہوں نے کہا کہ مصنوعی تواضع نہیں، آجایئے، سرسید نے پھر ٹالا انہوں نے پھر اصرار کیا اور کہا میری دلشکنی ہوگی سرسید نے کہا کہ مجھ کو کچھ عذر ہے ان کا بہت اصرار ہوا، سرسید نے پھر کہا کہ واقعی مجھ کو عذر ہے، انہوں نے کہا کہ وہ عذر کیا ہے بتلایئے، سرسید نے کہا کہ بتلانے کا نہیں ہے انہوں نے کہا کہ بتلانا ہوگا سرسید نے کہا کہ اگر بتلادوں تو اس وقت تو آپ کھانا کھلانے پر اصرار کررہے ہیں اور عذر معلوم ہوجانے کے بعد تو شاید میری صورت دیکھنا بھی گوارہ نہ کریں گے، انہوں نے کہا توبہ توبہ ایسی کیا بات ہے اور آپ کیوں ایسا فرمارہے ہیں؟ تب سرسید نے کہا کہ میں ہی وہ شخص ہوں جس پر آپ کئی اسٹیشنوں سے تبرا کرتے چلے آرہے ہیں، وہ سن کر یہ صاحب کٹ ہی تو گئے بے حد ندامت اور شرمندگی

سوار ہوئی، معافی چاہی نتیجہ یہ ہوا کہ معتقد ہو گئے، باوجود اس کے کہ سر سید ایک دنیادار شخص تھے مگر استغناء اور حوصلہ تھا مگر آج کل نہ دنیاداروں میں یہ وصف ہے نہ دینداروں میں الا ماشاء اللہ، عالم بھی ہیں شیخ بھی ہیں، صوفی بھی ہیں، عارف بھی ہیں، زہد و تقویٰ کا بھی دعویٰ ہے، یہ تو سب کچھ ہے مگر استغناء و حوصلہ نہیں ہے۔

(ملفوظات حکیم الامت ص:۱۴۱ قسط نمبر ۱)

مروّت و صبر اور رعایت سے متعلق دو حکایتیں

ایک مرتبہ یورپ میں شاہ ایران مہمان ہوئے، کھانے کے بعد پیالیوں میں نہایت رنگین اور خوشنما اور خوشبودار صابن ہاتھ صاف کرنے کے لئے آیا یہ سمجھے کہ یہ کوئی کھانے کی چیز ہے یا پینے کی اس کو پی گئے، اس کھانے پر جس قدر انگریز تھے سب نے اس کو پیا محض اس خیال سے کہ ان کو کوئی شرمندگی نہ ہو، ایسی باتوں کا بہت خیال رکھتے ہیں۔

ایک نواب زادہ کی عبرت آمیز حکایت

ایک نواب زادہ کی حکایت ہے کہ یہ ایک جہاز میں سوار تھے اور ان کے چند دوست احباب بھی ہمراہ تھے، ایک انگریز بھی بڑے درجہ کا اس جہاز میں سفر کر رہا تھا اور ان کو رئیس سمجھ کر ان کے پاس ملنے آتا تھا اور انگریزی میں بات چیت کرتا تھا، یہ یوں سمجھتے کہ یہ اردو نہیں جانتا، انہوں نے مذاق میں اس کا نام الّو کا بچہ رکھا تھا اور یہی سمجھتے تھے کہ یہ اس کو نہیں سمجھتا، اور وہ باوجود سمجھنے کے بھی چیں بچیں (یعنی غصہ) نہ ہوا، جب جہاز سے اتر کر چلنے لگے تو وہ نواب زادہ سے

رخصت ہونے کے لئے کہتا ہے کہ ”الوکا بچہ آداب بجالاتا ہے“ اودھ کا سا سلام کیا، اس وقت معلوم ہوا کہ یہ اردو اعلیٰ درجہ کی جانتے ہیں، مگر غضب یہ کیا کہ سارے راستہ ان کو محسوس نہیں ہونے دیا کہ میں اس کو سمجھتا ہوں، برابر اس کہنے پر بولتا رہا، اور کوئی ناگواری نہیں ہوئی، نواب زادہ کی تو یہ حالت ہوئی کہ مارے شرمندگی کے پسینے پسینے ہو گئے اور بے حد محجوب اور شرمندہ ہوئے اور وہ کہہ کر چل دیا، اس صبر کو ملاحظہ فرمایئے۔

یہ ایسی قوم ہے مگر دین نہ ہونے کے سبب یہ سب اخلاق کی نقل ہے اصل نہیں۔

کفر جڑ ہے تمام اخلاق رذیلہ کی اور اسلام جڑ ہے تمام اخلاق حمیدہ کی، اس لئے کفر کے ہوتے ہوئے اتفاق ہونا نہایت عجیب ہے، اور اسلام کے ہوتے ہوئے نا اتفاقی ہونا عجیب ہے، ان دونوں کا سبب کچھ عوارض ہوتے ہیں۔

(الافاضات الیومیہ ص ۱۵۹ ج ۷ ملفوظ ۲۷۳)

جس قدر غیر مسلم اقوام ہیں سب نے اسلام کے اصول لے لئے ہیں راحت اٹھا رہے ہیں، اور مسلمانوں نے چھوڑ دیئے، پریشان ہیں، تکلیف اٹھا رہے ہیں۔

(الافاضات الیومیہ ص ۱۵۱ ج ۷ ملفوظ ۲۷۰)

باب ۶

اتحاد و اتفاق کے حدود

ہر اتفاق مطلوب نہیں اور ہر اختلاف مذموم نہیں

حق تعالیٰ فرماتے ہیں "وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا": (پ۴ آل عمران)
ترجمہ اس کا یہ ہے کہ تم سب لوگ مل کر اللہ کے دین کے ساتھ تمسک کرو، اور سب کے سب دین پر قائم رہو، اس سے معلوم ہوا کہ اصل مقصود دین ہے، اور اتفاق بھی وہی مطلوب ہے جو تمسک بالدین (یعنی شریعت کو مضبوطی سے پکڑنے) کے ساتھ ہو، آج کل کے عقلاء نے صرف اتفاق کا نام سن لیا ہے اور اس کی رٹ دن رات لگاتے رہتے ہیں تو ان کے نزدیک اتفاق کے معنی صرف یہ ہیں کہ ایک شخص دوسرے کا ہم خیال (اور اس کے تابع) ہو جائے، یعنی اگر کوئی شخص حق کو چھوڑ کر باطل پرست کے ساتھ ہو جائے وہ بھی اتفاق سمجھا جاتا ہے حالانکہ کوئی صحیح عقل رکھنے والا اس کا قائل نہیں ہو سکتا۔

قرآن پاک نے فیصلہ کر دیا ہے کہ مطلقاً اتفاق محمود (پسندیدہ) نہیں بلکہ اتفاق وہی مطلوب ہے جو باطل کے ساتھ نہ ہو اور اگر اس کا عکس ہو تو ایسا اتفاق مردود ہے چنانچہ حق تعالیٰ عز اسمہ نے اِجْتَمِعُوْا (کہ اتفاق کر لو) نہیں فرمایا بلکہ اِعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا فرمایا کہ اتفاق (وہی) مطلوب ہے جس میں دین کی لگام ہاتھ سے نہ چھوٹے اور اس کی پوری توضیح مثالوں سے ہو جاتی ہے۔
مثلاً دو سلطنتوں میں جنگ ہو اور بازارِ قتل گرم ہو اب یہی قوم کے ہمدرد کیا

اتفاق اتفاق وہاں بھی پکاریں گے؟ اور اتفاق کی صورت یہ تجویز کریں گے کہ ایک سلطنت بلا کسی ترجیح کے اپنی حکومت سے دستبردار ہو جائے، اور دوسری سلطنت غالب و کامیاب ہو کر واپس آ جائے تو کیا یہ اتفاق سمجھا جائے گا؟

یا ایک ظالم شخص ایک مظلوم سے لڑنے لگے تو اب یہاں اتفاق کی صورت ایک یہ بھی ہے کہ مظلوم خاموش کھڑا پٹتا رہے تا کہ اتفاق ہاتھ سے نہ جائے تو ظاہر ہے کہ یہ اتفاق مطلوب نہیں بلکہ اتفاق مطلوب (یعنی وہ اتفاق جو شرعاً مطلوب و پسندیدہ ہے اس) کے معنی یہ ہیں کہ ظالم اس شنیع (برے) فعل سے باز رہے اور مظلوم کے ساتھ اتفاق کرے نہ کہ یہ مظلوم بیچارہ مصیبت میں مبتلا رہے

اور مثلاً ایک شخص نے ایک لاکھ روپے کا دعویٰ کیا اور روداد سے حاکم کو یہ بھی معلوم ہو گیا کہ مدعا علیہ جھوٹا ہے اور اس کے ذمہ ایک لاکھ روپیہ واجب الاداء ہے لیکن وہ فدائے قوم اپنے اتفاق کی دھن میں مدعی کو ڈگری (اور اس کا حق) دلانے کے بجائے یہ کہے کہ تم ایک لاکھ چھوڑ دو اور آپس میں اختلاف نہ کرو، اتفاق سے رہو، کیا یہ اتفاق ہے؟ (اور کیا ایسے اتفاق کا بھی کوئی قائل ہو سکتا ہے؟) ہرگز نہیں، جہاں قانون میں اور جرائم لکھے ہیں کیا مطلق نا اتفاق بھی کہیں جرم ہے؟ بلکہ اس قسم کے اتفاق سے فیصلہ کرنا (جس میں دوسرے کی حق تلفی ہو) خود بہت بڑا جرم ہے کیوں کہ مغلوب کا دبانا اور مظلوم کو ستانا عدالت میں بہت سنگین جرم ہے۔

ان سب باتوں سے روز روشن کی طرح واضح ہو گیا کہ مطلق اتفاق مطلوب نہیں بلکہ وہی اتفاق مطلوب ہے جس میں ناحق کو حق کے تابع کیا جائے، نہ کہ اس کا عکس لہٰذا یہ عنوان کہ آپس میں اتفاق سے رہو نہایت ہی مہمل عنوان ہے، بلکہ اولاً

حق متعین کرنے کی ضرورت ہے، اس کے بعد جو ناحق پر ہو اس کو سمجھایا جائے کہ اہل حق کے ساتھ متفق ہو کر رہے نہ کہ یہ محض اٹکل سے مطلقاً اتفاق اتفاق پکارنا شروع کر دیا۔ (الاعتصام بحبل اللہ ص ۳۷۳، ۳۷۴)

اس مسئلہ کی تفصیل کہ ہر اختلاف مذموم نہیں

بعض اختلاف حق اور درست بھی ہوتے ہیں

بعض (لوگ) تو اہل حق ہی سے کہتے ہیں کہ آپ کو دوسروں سے اتفاق کر لینا چاہئے اور بعض ایسے بھی ہیں جو دونوں سے کہتے ہیں کہ دونوں کو باہم اتفاق کر لینا چاہئے، یہ لوگ اہل حق کو بھی اہل باطل سے اختلاف کرنے کی وجہ سے مجرم سمجھتے ہیں ان کا مطلب یہ ہے کہ اہل حق کو اہل باطل کے ساتھ اتفاق رکھنا چاہئے خواہ یا تو وہ ان کی بات کو مان لیں اگر وہ نہ مانیں تو پھر ان کو ان کی بات مان لینا چاہئے، کیونکہ اختلاف مذموم ہے۔ میں کہتا ہوں کہ اگر اختلاف مطلقاً مذموم ہے تو پھر آج سے اگر کاشتکار آپ کی زمین کا لگان نہ دے تو اس کی نالش نہ کرنا کیونکہ نالش کرنا نزاع ہے اور نزاع مطلقاً مذموم ہے اور اگر وہ گھر مانگے اور اس وقت اس سے پوچھا جائے کہ تو ہمارا گھر کیوں لیتا ہے؟ اور وہ یہ جواب دے کہ ناحق لیتا ہوں اور اگر آپ نے گھر نہ دیا تو مجھ میں اور آپ میں اتفاق نہ رہے گا، اختلاف ہو جائے گا تو آپ کو چاہئے کہ نزاع (جھگڑا) سے بچنے کے لئے اپنا گھر بھی اس کو دے دیں اور اگر وہ زمین دبا لے تو اتفاق کے لئے زمین بھی دیدو۔

(اصلاح ذات البین ملحقہ آداب انسانیت)

ایک دنیادار واعظ اور شہزادہ کی حکایت

جیسے دہلی میں شہزادہ ثریا جاہ نے تماشا کیا تھا کہ وہاں ایک واعظ صاحب کسی کی مسجد کے مکان پر تولیت کے بہانہ سے قبضہ کرنا چاہتے تھے اور حق تولیت ثابت کرنے کے لئے ایک استفتاء بھی لکھا جس پر بڑے بڑے علماء کے دستخط کرانا چاہتے تھے۔

چونکہ ان کے زعم میں بعض علماء ثریا جاہ کے اثر میں تھے اس لئے ان کے ذریعہ سے یہ کام کرانا چاہا۔ ثریا جاہ کو ایک صاحب نے پہلے سے خبر کردی کہ کل فلانے ایک مولوی صاحب اس قسم کا استفتاء لائیں گے اور وہ تولیت کے بہانہ سے مسجد کے مکان پر قبضہ کرنا چاہتے ہیں۔ ثریا جاہ نے کہا بہت اچھا میں ان کا اچھی طرح علاج کردوں گا کہ پھر اس کا نام لینا بھی بھول جائیں گے۔

چنانچہ اگلے دن مولوی صاحب پالکی پر سوار ہوکر ان کے مکان پر آئے انہوں نے بڑے تپاک سے استقبال کیا، اور صدر پر بٹھلایا اور چائے پان وغیرہ سے خوب تواضع کی۔ پھر پوچھا کہ جناب نے کیسے تکلیف فرمائی؟ کوئی خدمت میرے لائق ہو تو ارشاد فرمایئے! کہا جی ہاں، مجھے ایک استفتاء پر علماء کے دستخط کرانے ہیں آپ دستخط کرادیجئے۔ ثریا جاہ نے استفتاء کو پڑھا اور پڑھ کر اپنے خزانچی کو بلایا کہ ہمارے خزانہ کی کنجیاں مولانا کے سپرد کردو اس نے کنجیاں لاکر سامنے رکھ دیں، مولوی صاحب بڑے حیران ہوئے کہ یہ کیا معاملہ ہے، ثریا جاہ نے کہا مولانا یہ تو خزانہ کی کنجیاں ہیں اور یہ گھر مع سامان کے حاضر ہے اگر آپ کو گھر کی ضرورت ہے تو میں اپنا گھر اور اپنا خزانہ پیش کرسکتا ہوں لیکن خدا کا گھر نہیں

دے سکتا، اس کے بعد باہر نکل کر محلہ والوں کو پکارا کہ بھائی ذرا یہاں آنا سب لوگ گھبرائے کہ آج ثریا جاہ کو کیا ہوگیا جو یوں باولوں کی طرح چلا رہا ہے لوگ جمع ہوگئے تو ثریا جاہ نے سب سے کہا کہ بھائی یہ مولوی صاحب مجھ سے خدا کا گھر مانگتے تھے میں نے عرض کر دیا کہ آپ کو مکان کی ضرورت ہو تو میں اپنا گھر دے سکتا ہوں خدا کا گھر نہیں دے سکتا اب تم سب گواہ رہو کہ آج سے یہ گھر میرا نہیں۔ بلکہ مولوی صاحب کا ہے میرے لئے اگر تھوڑی سی جگہ ایک جھونپڑے کے برابر آپ لوگ دیدیں گے تو میں اسی میں اپنا گذر کرلوں گا۔

اس ترکیب سے مولوی صاحب کی تو یہ حالت ہوئی کہ ان کا رنگ زرد ہوگیا ان میں کاٹو تو خون نہیں تھا۔ بیٹھے بیٹھے مارے ندامت کے کانپنے لگے اور ثریا جاہ سے کہا شاہزادے صاحب! مجھے آپ سے یہ امید نہ تھی کہ آپ میرے ساتھ یہ معاملہ فرمائیں گے۔ ثریا جاہ نے کہا مولانا مجھے بھی آپ سے یہ امید نہ تھی کہ میرے ذریعہ خدا کے گھر پر قبضہ کرنا چاہیں گے۔

بس مولوی صاحب تو اسی وقت ہانپتے ہانپتے بخار کی حالت میں سوار ہوکر اپنے گھر چلے گئے اور مہینوں تک گھر سے باہر نہ نکلے اور ادھر تمام شہر میں اس واقعہ کا شور ہوگیا کہ فلاں مولوی صاحب مسجد پر قبضہ کرنا چاہتے ہیں اس کے بعد پھر ان کو دعویٰ تولیت کی ہمت نہ ہوئی، تو جیسے ثریا جاہ نے رفع نزاع کے لئے اپنا گھر اور خزانہ پیش کر دیا تھا۔ ایسے ہی آپ بھی کر دیا کیجئے مگر وہاں تو مولوی صاحب نے گھر لیا نہیں تھا لیکن کاشتکار کو اگر تم دینا چاہو گے وہ تو سب کچھ لے لے گا ذرا اس طرح کر کے دیکھو انشاء اللہ گھر کا صفایا ہو جائے گا۔

اب انصاف سے بتلایئے کہ اگر کاشتکار اس قسم کی ناحق حرکتیں کرے تو

آپ کو اس سے اختلاف ونزاع کرنے کا حق ہے یا نہیں؟ اور اگر آپ نالش کر دیں تو کیا کاشتکار کی طرح آپ بھی اختلاف کے مجرم ہوں گے یا صرف کاشتکار ہی مجرم ہوگا؟ آپ ضرور کہیں گے کہ مجرم صرف کاشتکار ہے۔ میں پوچھتا ہوں کیوں؟ اختلاف تو طرفین نے کیا تھا پھر ایک ہی مجرم کیوں ہوا؟ آپ ضرور کہیں گے کہ وہ باطل پر ہے اور ہم حق پر ہیں اور اہل باطل کو اہل حق سے اختلاف کرنے کا حق نہیں۔ اور صاحب حق کو صاحب باطل سے اختلاف کا حق ہے، بارک اللہ، جزاک اللہ۔

علماء کے باہمی اختلاف کی وجہ سے سارے علماء سے بدگمانی صحیح نہیں

بس تمہارے ہی اقرار سے اختلاف کی دو قسمیں ہیں ایک اختلاف محمود اور ایک اختلاف مذموم، اختلاف محمود وہ ہے جو صاحب حق کو صاحب باطل سے ہو۔ اور مذموم وہ ہے جو اہل باطل کو صاحب حق سے ہو۔ پھر علماء کے اختلاف میں یہ اقسام کیوں جاری نہیں کی جاتیں، یہاں اختلاف ہو تو دونوں جماعتوں کو کس لئے مجرم قرار دیا جاتا ہے؟ آخر اس کی کیا وجہ ہے کہ آپ سے کسی کا اختلاف ہو وہاں تو دو قسمیں نکل آئیں اور علماء کے اختلاف ایک ہی قسم میں داخل ہو۔ پس جہاں حق متعین ومعلوم ہو، وہاں تو اہل باطل کو اتفاق پر مجبور کرنا چاہئے کہ تم اہل حق سے نزاع نہ کرو جیسے حاکم ایک فریق کو دوسرے فریق کی بات ماننے پر مجبور کیا کرتا ہے۔ اور اگر وہ حاکم کا فیصلہ ماننے سے انکار کرے تو پھر خود سرکار اس فریق کی مخالف اور مقابل بن جاتی ہے اور گو ظاہر میں یہ بھی اختلاف ہے مگر اس پر ہزار اتفاق قربان ہیں کیونکہ یہ اختلاف احداث نزاع (جھگڑا پیدا کرنے) کے لئے نہیں

بلکہ رفع اختلاف (یعنی اختلاف کو ختم کرنے) کے لئے ہے۔

اسی طرح مسلمانوں کو کرنا چاہئے کہ جہاں علماء میں اختلاف ہو اور ایک جماعت کا حق پر ہونا معلوم ہو وہاں اہل باطل کو اہل حق کے راستہ پر آنے کے لئے مجبور کریں اور اگر وہ نہ مانیں تو سب مل کر ان کی مخالفت کریں اور جہاں حق معلوم نہ ہو وہاں کسی کو بھی مجبور نہ کریں بلکہ پہلے حق کی تحقیق کریں۔ قاعدہ عقلیہ کا مقتضی یہی ہے۔ یہ کیا واہیات ہے کہ جہاں دو مولویوں میں اختلاف دیکھا اور لگے دونوں کو برا کہنے۔

لوگ آج کل اتفاق اتفاق تو پکارتے ہیں مگر اس کی حدود کی رعایت نہیں کرتے بس اتنا یاد کر لیا ہے کہ قرآن میں حکم ہے لَاتَفَرَّقُوْا افتراق نہ کرو، مگر اس سے پہلا جملہ نہیں دیکھتے، وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا کہ اس میں اللہ کے راستہ پر قائم رہنے کا پہلے حکم ہے اس کے بعد ارشاد ہے کہ حَبْلِ اللّٰہ (اللہ کی رسی یعنی اللہ کے حکم) پر متفق ہو کر اس سے تفرق (اختلاف) نہ کرو تو اب مجرم وہ ہے جو حبل اللہ سے الگ ہو۔ اور جو حبل اللہ پر قائم ہے وہ ہرگز مجرم نہیں گو اہل باطل سے اس کو ضرور اختلاف ہوگا۔

پس یاد رکھو! کہ نہ اختلاف مطلقاً مذموم ہے جیسا کہ ابھی ثابت کیا گیا اور نہ اتفاق مطلقاً محمود ہے، بلکہ وہ اتفاق محمود ہے جو حبل اللہ کے اعتصام پر ہو ورنہ کفار نے بھی تو بت پرستی پر اتفاق کیا تھا جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام فرماتے ہیں وَقَالَ اِنَّمَا اتَّخَذْتُمْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْثَانًا مَّوَدَّةَ بَيْنِكُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا کہ تم لوگوں نے حیات دنیا میں اتحاد اور دوستی قائم کر کے چند بتوں کو معبود بنا لیا ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ ابراہیم علیہ السلام سے پہلے کفار میں اتحاد و اتفاق تھا

پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس اتفاق کے ساتھ کیا برتاؤ کیا؟ دوسرے مقام پر اس کا بھی ذکر ہے قَدْ كَانَتْ لَكُمْ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِي إِبْرَاهِيمَ وَالَّذِينَ مَعَهُ إِذْ قَالُوا لِقَوْمِهِمْ إِنَّا بُرَآؤُا مِنْكُمْ وَمِمَّا تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ كَفَرْنَا بِكُمْ وَبَدَا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةُ وَالْبَغْضَاءُ أَبَدًا الاية۔ (سورۃ الممتحنۃ پ۲۸)

(ترجمہ: تمہارے لئے ابراہیم اور ان کے ساتھیوں میں بہترین نمونہ ہے جب انہوں نے اپنی قوم سے کہا تھا کہ ہمارے تم سے اور اللہ کے سوا تم جن جن کی عبادت کرتے ہو ان سے کوئی تعلق نہیں ہے ہم تمہارے (عقائد کے) منکر ہیں اور ہمارے اور تمہارے درمیان ہمیشہ کے لئے دشمنی اور بغض پیدا ہو گیا ہے)

ایسا اتفاق ہرگز مطلوب نہیں کہ اہل باطل باطل پر جمے رہیں اور اہل حق ان سے اتفاق کر لیں

ابراہیم علیہ السلام نے اس اتفاق کی جڑیں اکھاڑ دیں اور اہل باطل سے صاف صاف بیزاری کا اعلان کر دیا اور فرما دیا کہ قیامت تک کے لئے ہمارے اور تمہارے درمیان عداوت و بغض قائم ہو گیا، معلوم ہوا کہ اہل باطل کے ساتھ اس طرح اتفاق کرنا محمود نہیں کہ وہ اپنے باطل پر جمے رہیں اور اسی حالت میں ہم ان سے اتفاق کر لیں، بلکہ اس صورت میں تو ان سے بیزاری اور اختلاف و عداوت رکھنا ہی مطلوب ہے جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کے ماننے والوں نے کیا اور انہی کی اقتداء کا حق تعالیٰ ہم کو حکم فرما رہے ہیں۔

مگر آج کل تو لوگ ایسا اتفاق چاہتے ہیں جیسا کہ نعمان خاں نے اتفاق

کرنا چاہا تھا، یہ ایک ان پڑھ شخص ہیں مگر اہل کتاب سے مناظرہ کا بہت شوق تھا، ایک دفعہ کوئی پادری کہہ رہا تھا کہ عیسیٰ علیہ السلام (سیدنا) محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے افضل ہیں کیونکہ عیسیٰ علیہ السلام اندھوں کو سوانکھا کرتے تھے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی اندھے کو سوانکھا نہیں کیا، نعمان خاں نے جواب دیا کہ لاؤ یہ تو میں کردوں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو بڑی چیز ہیں، وہ پادری یک چشم تھا۔ کہنے لگا اچھا تم میری دونوں آنکھوں کو برابر کردو۔ اب آپ نے کہا کہ نبی اور امتی میں کچھ فرق ہونا چاہئے نبی تو دوسری آنکھ کو بینا کرکے دونوں کو برابر کرتے مگر میں یہ کرسکتا ہوں کہ تندرست آنکھ کو بھی پھوڑ دوں اس سے بھی دونوں برابر ہوجاویں گی اور اس کے بعد اس کی آنکھ میں انگلی دینے لگے کہ بولو پھوڑ دوں، اس سے مجمع کو ہنسی آگئی اور پادری کی تقریر کا رنگ اکھڑ گیا اور یہ حضرت جیت گئے، گو بات بے ڈھنگی تھی، مگر آج کل مناظرہ میں ایسے ہی لوگ اچھے رہتے ہیں کیونکہ آج کل جیتنے اور ہارنے کا مدار اس پر ہے کہ مجلس پر کسی کا اثر جم جائے اور مقابل کا رنگ اکھڑ جائے، چاہے بات معقول ہو یا نامعقول ہو۔

جس طرح مولوی نعمان خاں نے اس پادری کی دونوں آنکھیں برابر کرنا چاہی تھی اسی طرح آج کل لوگ اہل حق واہل باطل میں یوں اتحاد کرانا چاہتے ہیں کہ اہل حق بھی اپنی آنکھوں کو پھوڑ کر کانے لوگوں کے برابر ہوجائیں۔ حالانکہ مقتضائے عقل یہ تھا کہ کانوں سے یہ کہا جاتا کہ تم اپنی ایک آنکھ بنوا کر سوانکھوں میں داخل ہوجاؤ۔

اگر نزاع واختلاف مطلقاً مذموم ہے اور اہل حق کو بھی اہل باطل کے ساتھ اتحاد پر مجبور کیا جاسکتا ہے تو کیا نعوذ باللہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فعل بھی موجب

اختلاف شمار کیا جائے گا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے توحید کی تعلیم وتبلیغ سے تمام عرب میں ہل چل مچادی، اس دعویٰ کے اظہار سے پہلے مذہباً تمام اہل عرب متحد تھے مگر دعویٰ توحید کے بعد سب میں پھوٹ پڑگئی مگر یہ اختلاف محمود تھا کیونکہ ابطال باطل پر تھا۔

معلوم ہوا کہ نہ اختلاف مطلقاً مذموم ہے نہ اتفاق مطلقاً محمود ہے اسی لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں اختلاف کا لفظ نہیں اختیار فرمایا، کیونکہ اختلاف ہر حالت میں ممنوع وموجب ملامت نہیں بلکہ آپ نے لفظ فساد اختیار فرمایا کہ آپس میں بگاڑ وفساد ڈالنے سے بچو اور فساد کا مصداق وہی امر ہے جو خلاف شرع اور معصیت ہو، فساد میں محمودیت کا احتمال نہیں ہوسکتا وہ تو ہمیشہ مذموم ہی ہوگا۔ خواہ اس کا مصداق اتفاقِ خلاف شرع ہو یا نااتفاقی ہو لفظ فساد دونوں کو عام ہے صرف نااتفاقی اور اختلاف ہی کے ساتھ خاص نہیں۔ پس اب ان لوگوں کو احتجاج کا موقع نہیں رہا جو اختلاف کو مطلقاً مذموم کہتے ہیں کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس لفظ ہی کو اختیار نہیں فرمایا۔ بلکہ فساد فرمایا ہے تو مذمت کے قابل وہ شخص ہے جو مفسد ہو اور مفسد وہ ہے جو شریعت سے ہٹا ہوا ہے اور شریعت پر قائم رہ کر جو کوئی دوسروں سے اختلاف کرے وہ مفسد ہرگز نہیں گو اختلاف اور مخالفت کرنے والا ہے۔ اور اگر کسی روایت میں بجائے فساد کے اختلاف کا لفظ وارد ہوا ہو تو بقاعدہ **الاحادیث یفسر بعضها بعضا** ان سے مطلق اختلاف مراد نہ ہوگا، بلکہ خاص وہ اختلاف مراد ہوگا جو فساد میں داخل ہو۔

(وعظ اصلاح ذات البین ملحقہ آداب انسانیت ص ۳۳۸)

اختلاف محمود ومذموم کا معیار اور اختلاف رحمت کا مصداق

وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ تَفَرَّقُوا وَاخْتَلَفُوا مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ الْبَيِّنَٰتُ وَأُولَٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ۔

(ترجمہ وتفسیر) اور تم لوگ ان لوگوں کی طرح مت ہو جانا جنہوں نے (دین میں) باہم تفریق کرلی اور (نفسانیت سے) باہم اختلاف کرلیا، ان کے پاس احکام واضحہ پہنچنے کے بعد، اور ان لوگوں کیلئے سزائے عظیم ہوگی۔

(بیان القرآن)

فائدہ: آیت میں جو تفریق واختلاف کی مذمت ہے، اس سے مراد وہ تفریق ہے جو اصول دین میں ہو، یا فروع میں براہ نفسانیت ہو جیسا کہ اہل اہواء نے اہل سنت کے ساتھ اختلاف کیا، چنانچہ آیت میں خود یہ قید کہ "احکام واضحہ آئے پیچھے" اس کا قرینہ موجود ہے، کیونکہ اصول سب واضح ہوتے ہیں، اور فروع بھی بعضے ایسے واضح ہوتے ہیں کہ اگر نفسانیت نہ ہو تو اختلاف کی گنجائش نہیں ہوتی، پس جو فروع غیر واضح ہیں یا تو نص صریح نہ ہونے کی وجہ سے یا نصوص میں ظاہری تعارض کی وجہ سے جن میں وجہ تطبیق صریح نہ ہو، ایسے فروع میں اختلاف ہو جانا آیت میں داخل نہیں اور مذموم نہیں بلکہ امت مرحومہ میں واقع ہے۔ اور یہ حدیث اس کی اجازت کے لئے کافی ہے جس کو شیخین نے عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کیا ہے کہ جب کوئی حاکم اپنے اجتہاد سے حکم شرعی کرے اور وہ حکم ٹھیک ہو تو اس کو دو اجر ملتے ہیں اور جب حکم اجتہاد سے کرے اور وہ غلط ہو جائے تو اس کو ایک اجر ملتا ہے، اور اس اختلاف کی مشروعیت پر امت کا اجماع

ہی کافی ہے، اور روح المعانی میں بیہقی سے قاسم بن محمد کا قول اور مدخل سے عمر بن عبدالعزیز کا قول اس مضمون کا نقل کیا ہے کہ صحابہ کا اختلاف لوگوں کے لئے موجب رحمت ورخصت ہوگیا۔

(بیان القرآن سورہ آل عمران پ ۴ ص ۳۶ ج ۱)

ایسا اختلاف تو رحمت ہے، اس اختلاف سے فتنے اور فساد کی نوبت نہیں آیا کرتی، دیکھئے ائمہ اربعہ میں کیسا ہی کا اختلاف ہے مگر اس کے ساتھ پھر سب متفق ہیں، کوئی ایک دوسرے پر ملامت وطعن نہیں کرتا بلکہ ہر ایک سب کو حق پر سمجھتا ہے، اگر ایسا اختلاف ہوتا تو مسلمانوں کو آج یہ پریشانی نہ ہوتی جو آنکھوں سے نظر آرہی ہے، یہ اختلاف تو روٹیوں کا ہے، میں کہا کرتا ہوں کہ اگر اہل حق کے پاس کافی روپیہ ہو اور وہ ان سب فرقوں کی تنخواہ مقرر کردیں تو سارا اختلاف ایک دن میں مٹ جائے، یہ سارا اختلاف پیٹ کی وجہ سے ہے۔

(وعظ اسباب الفتنہ ملحقہ اصلاح ظاہر ص ۱۰۵)

شریعت میں کون سا اختلاف مذموم ہے

اگر نزاع (جھگڑا) واختلاف مطلقاً مذموم (برا) ہے اور اہل حق کو بھی اہل باطل کے ساتھ اتحاد پر مجبور کیا جاسکتا ہے تو کیا نعوذ باللہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فعل بھی موجب اختلاف شمار کیا جائے گا کہ ہمارے توحید کی تعلیم سے تمام عرب میں ہلچل مچادی، اور اس دعویٰ کے اظہار سے پہلے مذہبی حیثیت سے تمام اہل عرب متحد تھے مگر توحید کے دعوی کے بعد سب میں پھوٹ پڑگئی، مگر یہ اختلاف محمود تھا، کیونکہ ابطال باطل پر (یعنی باطل اور غلط بات کو مٹانے کے لئے) تھا۔

(خلاصہ یہ کہ) نااتفاقی کی غرض سے اتفاق کرنا تو برا ہے اور اتفاق کی غرض سے نااتفاقی کرنا جائز بلکہ واجب ہے۔ اسی طرح اگر خدا تعالیٰ سے نااتفاقی کرنے پر اتفاق ہو یعنی معاصی پر اجماع ہو تو وہ اتحاد سب سے بدتر اتحاد ہے اور ایسے لوگوں کے ساتھ نااتفاقی کرنا اور مقابلہ کرنا محمود (قابل تعریف) ہے۔

(کمالات اشرفیہ قدیم ص ۱۳۹)

فساد کے معنیٰ

فساد کے معنی ہیں حالت کا اعتدال شرعی سے نکل جانا اور یہ افتراق ہی کے ساتھ خاص نہیں بلکہ کبھی اتفاق سے بھی فساد ہوتا ہے پس ایسا اتفاق بھی مذموم ہے۔

قرآن کا ایک لقب فرقان بھی ہے جس سے معلوم ہوا کہ قرآن ہمیشہ جوڑتا ہی نہیں بلکہ کبھی جوڑتا ہے اور کہیں توڑتا ہے۔ جو لوگ حق پر ہوں ان کے ساتھ وصل کا حکم ہے اور جو باطل پر ہوں ان کے ساتھ فصل کا حکم ہے۔

نااتفاقی اس واسطے مذموم ہے کہ یہ دین کو مضر ہے اور اگر دین کو مفید ہو گو دنیا کو مضر ہو تو وہ مذموم نہیں چنانچہ ایک نااتفاقی وہ ہے جس کو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اختیار فرمایا تھا، کیا اس نااتفاقی کو کوئی مذموم کہہ سکتا ہے؟

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مقابلہ میں جو کفار تھے ان میں باہم اتفاق واتحاد کامل تھا مگر کیا اس اتفاق کو کوئی محمود کہہ سکتا ہے؟ ہرگز نہیں، بلکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تو اتفاق کی بنیادیں اکھاڑ کر پھینک دی تھیں کیونکہ یہ اتحاد حق کے خلاف تھا۔

(کمالات اشرفیہ ص ۳۶، ۳۷)

اختلاف کے محمود و مذموم ہونے کا معیار

خوب سمجھ لو کہ اتفاق صرف اسی وقت مطلوب و محمود ہے جب کہ دین کو مفید ہو، اور نا اتفاقی جب ہی مذموم ہے جبکہ دین کو مضر ہو، اور اگر اتفاق دین کو مضر ہو اور نا اتفاقی دین کو مفید ہو تو اس وقت نا اتفاقی ہی مطلوب ہوگی۔ (کمالات اشرفیہ ۴۶)

اختلاف کی وجہ سے فریقین اور پوری جماعت سے بدگمان ہونا صحیح نہیں

میں یہ نہیں کہتا کہ اس اختلاف میں مولویوں کی خطا نہیں بلکہ ضرور ہے، مگر آپ کی اتنی شکایت ضرور کروں گا کہ اس اختلاف کی وجہ سے سب کو چھوڑ دینا غلط رائے ہے۔ بعض لوگ علماء کو رائے دیتے ہیں کہ سب مولویوں کو متفق ہو جانا چاہئے، نا اتفاقی بری چیز ہے تو میں پوچھتا ہوں کہ کیا نا اتفاقی علی الاطلاق جرم ہے یا اس کے لئے کوئی قید بھی ہے؟ اگر نا اتفاقی علی الاطلاق جرم ہے اور اس کی وجہ سے ہر فریق مجرم ہو جاتا ہے تو عدالت کو چاہئے کہ جب اس کے پاس کوئی مدعی دعویٰ پیش کرے تو مقدمہ کی تحقیق کے قبل ہی مدعی مدعیٰ علیہ دونوں کو سزا دیا کرے کیونکہ دعویٰ اور انکار سے دونوں میں نا اتفاقی کا ہونا ثابت ہو گیا اور نا اتفاقی علی الاطلاق جرم ہے تو مدعی اور مدعیٰ علیہ دونوں مجرم ہوئے، اگر عدالت ایسا کرے تو سب سے پہلے آپ ہی مخالف ہوں گے اور شور و غل مچائیں گے کہ یہ کون سا انصاف ہے۔

پس علماء کی باہم نا اتفاقی اور اختلاف سے آپ کا سب کو مجرم بنانا اور

ہر فریق سے یہ کہنا کہ دوسرے سے اتفاق کرلو غلط رائے ہے، بلکہ اول آپ کو تحقیق کرنا چاہئے کہ حق پر کون ہے، ناحق پر کون ہے۔ پھر جو ناحق پر ہو اسے مجرم بنایئے اور اس کو اہل حق کے ساتھ اتفاق کرنے پر مجبور کیجئے، ورنہ اہل حق کو دوسروں کے ساتھ مجبور کرنے کے تو یہ معنیٰ ہوں گے کہ وہ حق کو چھوڑ کر ناحق طریق اختیار کرلیں اور اس کو کوئی عاقل تسلیم نہیں کرسکتا۔ مولویوں کی شکایت ہم کو بھی ہے مگر صرف ان کی جو ناحق پر ہیں۔ (اسباب الفتنہ ص ۱۳۷ ج ۱۰)

حق کا تقاضا

فرمایا کہ مقتضائے حق یہی ہے کہ جب دو جماعتوں یا دو شخصوں میں اختلاف ہو تو اول یہ معلوم کیا جائے کہ حق پر کون اور ناحق پر کون جب حق متعین ہوجائے تو صاحب حق سے کچھ نہ کہا جائے اور صاحب باطل کو اس کی مخالفت سے روکا جائے، چنانچہ نص ہے۔ فَقَاتِلُوا الَّتِیْ تَبْغِیْ حَتّٰی تَفِیْٓءَ اِلٰٓی اَمْرِ اللّٰہِ (حجرات پ ۲۶) (کمالات اشرفیہ ص ۲۷)

فیصلہ کرنے اور صلح کرانے کا صحیح طریقہ

فرمایا: اصلاح کے معنی یہ ہیں کہ حکم الٰہی کے موافق فیصلہ کیا جائے اور صاحب حق کو دبانا حکم الٰہی کے خلاف ہے، پس صلح کرانے کا طریقہ یہ نہیں جو آج کل رائج ہے کہ دونوں فریق کو کچھ کچھ دبایا جاتا ہے، یہاں تک کہ جس کا حق ہوتا ہے اس کو بھی دبایا جاتا ہے، بلکہ صلح کرانے کا طریقہ یہ ہے کہ جو ناحق پر ہو اس کو دبایا جائے کیونکہ صاحب حق کو دبانا اضرار (نقصان پہونچانا) ہے، اور غیر صاحب حق کو دبانا اضرار نہیں بلکہ اس میں تو اس کو اضرار (نقصان پہنچانے) سے روکنا ہے

،چنانچہ ارشاد ہے،وَاِنْ طَائِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اقْتَتَلُوْا فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا ،(سورۃ حجرات پ۲۶) مطلب یہ ہے کہ حق کی بنیاد پر صلح کراؤ اور اگر اس پر راضی نہ ہو تو سب مل کر غلط بنیاد کو ڈھادو۔ (کمالات اشرفیہ ص۸۱)

اختلاف کی صورت میں فریقین سے بدگمان ہونا صحیح نہیں

مطلق اتفاق محمود نہیں بلکہ اتفاق کے بعض افراد ناجائز بھی ہیں (اور عام طور پر لوگ بلکہ) عقلمند لوگ بھی اس سے چشم پوشی کرتے ہیں۔

مثلاً دو مولوی آپس میں لڑتے ہیں اور ایک دوسرے کو ترکی بہ ترکی جواب دیتے ہیں اب اس میں کبھی تو یہ ہوتا ہے کہ ایک ایک من ایک سو من، اور بعض مرتبہ ایسا ہوتا ہے کہ ایک بالکل خاموش ہے لیکن دوسرا اشتہار بازی کرتا ہے، اور اخباروں میں بے ہودہ اور غیر موزوں مضامین شائع کراتا ہے، وعظ وغیرہ کے جلسوں میں لاف اور گزاف سے کام لیتا ہے (یعنی اشاروں کنایوں میں بلکہ صراحتاً بھی برا بھلا کہتا ہے) اب حیرت ہے عقلاء سے کہ وہ دونوں کو برا کہتے ہیں، نااتفاقی کا الزام دونوں پر عائد کرتے ہیں حالانکہ ایک بالکل خاموش ہے۔ اب یہ کیا کرسکتا ہے، اپنا بولنا اس کے قبضہ میں تھا اس کو چھوڑ دیا اب دوسرے کو تو بند نہیں کرسکتا، اس پر الزام لگانے کے کیا معنی، اولاً تو حق ناحق کی تحقیق کرو پھر جو حق پر نہ ہو اس کو دباؤ۔

دیکھو ایک شخص عدالت میں مقدمہ دائر کرے تو جج صاحب مدعی سے یہ کبھی نہیں کہہ سکتے کہ میں تیرا دعویٰ نہیں سنتا جاؤ مخالفت نہ کرو، متفق ہو کر رہو، میں تمہارا مقدمہ خارج کرتا ہوں، کیونکہ تم نااتفاقی کے مرتکب ہو، اور اگر وہ ایسا کرے تو دیکھئے حکام بالا کی طرف سے ایسی صلح کی کیسی گت بنتی ہے۔ (الاعتصام بحبل اللہ ص۳۷۴)

ایک درجہ نا اتفاقی کا بھی مطلوب ہے

ایسے اتفاق سے دینداروں کو الگ ہو جانا چاہئے

یہ تو اتفاق کے حدود و اسباب تھے، اور میں بتلا چکا ہوں کہ ایک درجہ نا اتفاقی کا بھی مطلوب ہے، وہ یہ کہ کسی جماعت نے معصیت (یعنی گناہ کے کام) پر اتفاق کیا ہو، ان کی مخالفت اور ان سے علیحدگی شرعاً مطلوب ہے، یا اتفاق تو معصیت پر نہ ہوا تھا، لیکن اتفاق کے بعد وہ لوگ معاصی اختیار کرنے لگے (یعنی گناہ کرنے لگے) تو اس وقت دینداروں کو ان سے الگ ہو جانا چاہئے۔

مگر افسوس ہے کہ آج کل جہاں دیندار اور بے دین لوگ کسی کام میں اتفاق کرتے ہیں وہاں بے دین تو اپنے طریقہ پر پختہ ہوتے ہیں اور نہ معلوم دیندار کیوں ڈھیلے ہو جاتے ہیں، بے دین تو وہی کرتے ہیں جو ان کے مذاق کے موافق ہو، اور ان کے مذہب کے موافق ہو، اور ان کی رائے میں مفید ہو، اور دیندار یہ جان لینے کے باوجود کہ یہ کام ہمارے مذہب میں ناجائز یا حرام ہے، یا یہ طریقہ ہمارے نزدیک مضر ہے مفید نہیں، یا یہ کام ہماری جماعت کے مذاق کے خلاف ہے پھر بھی بے دینوں کے ہاں میں ہاں ملائے جاتے ہیں تاکہ اتفاق میں فتور نہ آئے، سبحان اللہ صاحبو! اتفاق تو طرفین سے ہوا کرتا ہے جب دوسری جماعت آپ کے جذبات کی رعایت نہیں کرتی تو اب وہ اتفاق ہی کہاں رہا۔ بس یوں کہو کہ تم ان کی محض خوشامد کر رہے ہو، اگر اتفاق ہوتا تو دوسرے بھی تو تمہاری کچھ رعایت کرتے، مگر لوگوں نے آج کل خوشامد کا نام اتفاق رکھ لیا ہے، اس لئے

علیحدگی اختیار کرتے ہوئے ڈرتے ہیں کہ مخلوق طعن کرے گی کہ انہوں نے اتفاق میں کھنڈت (پھوٹ) ڈال دی۔ میں کہتا ہوں کہ تم اس طعن سے کیوں ڈرتے ہو، صاف کہہ دو کہ ہم نے اتفاق کو توڑ دیا اس لئے کہ اتفاق مطلقاً محمود و مطلوب نہیں، بلکہ بعض نا اتفاقی بھی مطلوب ہے جب کہ اتفاق سے دین کو ضرر پہنچ رہا ہو۔

(اصلاح ذات البین ملحقہ آداب انسانیت ص ۴۱۵)

اتحاد و اتفاق کی عقلاً تین صورتیں

فریقین میں اگر اتفاق ہوگا تو عقلاً اس کی تین صورتیں ہو سکتی ہیں:

ایک یہ کہ صاحب حق اپنا حق چھوڑ دے، اور دونوں باطل پر متفق ہو جائیں یعنی دیندار دین کو چھوڑ کر بددین ہو جائے۔

ایک یہ کہ دیندار تو دین پر قائم رہے اور بددین اپنی بددینی چھوڑ دے۔

تیسری صورت یہ ہے کہ کچھ دیندار تو دین کو چھوڑ دیں، اور کچھ بددین بددینی کو چھوڑ دیں، اس طرح دونوں طرف سے اتفاق ہو سکتا ہے۔

اب عقلاً خود فیصلہ کر لیں کہ ان میں سے کون سی صورت عقل کے مطابق ہے، یقیناً صرف دوسری ہی صورت کو عقل کے مطابق کہا جائے گا کہ دیندار تو دین پر قائم رہیں اور بددین بددینی کو چھوڑ دیں، اس کا حاصل یہ ہے کہ دیندار کو تو بددین سے نا اتفاقی کا حق ہے مگر بددین کو دیندار سے نا اتفاقی کا حق نہیں، بلکہ اس کو دیندار کے ساتھ اتفاق کرنا چاہئے۔

صاحبو! یہ وہ افتراق ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا میں پیدا کیا ہے، کیونکہ آپ کی نبوت سے پہلے سب لوگ کفر پر متفق تھے، آپ نے آ کر اس اتفاق

کو توڑ دیا اور باپ بیٹوں کو باہم جدا جدا کر دیا۔

پس یہ بڑی غلطی ہے جس میں آج کل لوگ مبتلا ہیں کہ جہاں دو جماعتوں میں اختلاف دیکھتے ہیں، دونوں پر ملامت کرتے ہیں کہ تم کیسے مسلمان (یا اہل علم) ہو کہ آپس میں اختلاف کرتے ہو، اور دونوں کو باہم اتفاق کرنے پر مجبور کرتے ہیں، جس کا مطلب اس کے سوا اور کیا ہے کہ دیندار کو دین چھوڑ کر بددین ہو جانا چاہئے، اور صاحب حق حق کو چھوڑ کر باطل طریقہ اختیار کر لے، اور اس کا غلط ہونا ظاہر ہے، بلکہ عقل کا تقاضا یہ ہے کہ جب دو جماعتوں یا دو شخصوں میں اختلاف ہو تو پہلے یہ معلوم کیا جائے کہ حق پر کون ہے اور ناحق پر کون، جب حق متعین ہو جائے تو صاحب حق سے کچھ نہ کہا جائے بلکہ اس کا ساتھ دیا جائے، اور صاحب باطل کو اس کی مخالفت سے روکا جائے۔

(وعظ الانسداد ملحقہ آداب انسانیت ص ۴۰۰)

ایک علمی اشکال اور اس کا جواب

جب یہ معلوم ہو گیا کہ نہ اتفاق مطلقاً محمود ہے اور نہ اختلاف مطلقاً مذموم ہے، تو اب اس حدیث پر سوال وارد ہوگا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اِیَّاکُمْ وَفَسَادِ ذَاتِ الْبَیْنِ ہی کیوں فرمایا (یعنی باہم فساد سے بچو) کسی جگہ "ایاکم واصلاح ذات البین" (یعنی باہم صلاح سے بچو) بھی فرمانا چاہئے تھا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ زیادہ تر فساد نا اتفاقی سے ہوتا ہے، اتفاق سے فساد کم ہوتا ہے، کیونکہ اتفاق کی حالت میں قوائے سبعیہ بہیمیہ (یعنی بدلہ لینے والے اعضاء) کو سکون ہوتا ہے، ہیجان (جوش) نہیں ہوتا، اور معاصی زیادہ تر قوائے

بہیمہ کے ہیجان سے ہوتے ہیں، تو جب ان کو سکون ہوگا اس وقت معاصی کا صدور کم ہوگا، اور نا اتفاقی میں ان قویٰ (اعضاء) کے اندر اشتعال و ہیجان ہوتا ہے، اس وقت زیادہ گڑبڑ ہوتی ہے اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اَلْاَ ھَمُّ فَالْاَھَمُّ کے لحاظ سے فساد ذات البین (یعنی آپسی اختلاف) کے ضرر پر خصوصیت کے ساتھ متنبہ فرمایا، کیونکہ اس سے واقعی دین کا صفایا ہوجاتا ہے، اور اتفاق اگر معصیت میں بھی ہو تو خاص اس کام میں وہ اتفاق والوں کو نقصان پہنچادے گا مگر اس کا نقصان دوسروں تک نہ پہنچے گا، بہرحال مذموم اتفاق کے یہ دوست بہت مضر ہوتے ہیں، مگر اس کے باوجود دوستی کے مفاسد بہ نسبت اس دشمنی کے جو نا اتفاقی میں ہوتی ہے بہت کم ہے، مثلاً دوستی میں ایک دوسرے کی غیبت نہیں ہوتی، اور دشمنی میں غیبت کا بازار گرم ہوتا ہے۔

(الانسداد للفساد ملحقہ آداب انسانیت ص ۴۰۱ تا ۴۰۴)

اصلاح کس اتفاق سے ہوتی ہے؟

اصول جدیدۃ کے موافق تو کامل اتفاق چوروں اور ڈاکوؤں میں ہے یا اور جو بدمعاش (غنڈوں) کی جماعت ہے کہ جان مال، دین، آبرو گنوا کر ایک دوسرے کا ساتھ دیتے ہیں لیکن آج تک کسی مصلح نے نہ تو کسی چور کو انعام دیا نہ کسی ڈاکو کو اتفاق کی وجہ سے آزاد کیا، ہمارے مصلحین قوم کو ضرورت ہے کہ وہ اتفاق کی تقسیم کریں اور ایک قسم کی تو رغبت دلائیں اور دوسری قسم کی نفرت بٹھائیں۔

جس اتفاق سے اصلاح ہوتی ہے وہ وہی اتفاق ہے جس میں باطل کو حق کے تابع کیا جائے ورنہ وہ اتفاق نا اتفاقی سے بھی زیادہ برا ہوجائے گا۔

مثلاً کوئی مسلمان کسی کافر کے اسلام لانے کی کوشش کرے لیکن اتفاق سے وہ کامیاب نہ ہوسکے تو کیا اتفاق کی وجہ سے یہ مسلمان اپنے اسلام کو چھوڑ کر کافر ہوسکتا ہے؟ ہرگز نہیں، اس اتفاق سے تو نااتفاقی اچھی ہے کہ مسلمان مسلمان تو رہے گا دوستی اور اتفاق چاہے رہے یا نہ رہے۔

(الاعتصام بحبل اللہ ص ۳۷۷)

اتحاد واتفاق اور اخوت والفت بذات خود مقصود نہیں

بلکہ اصل مقصود اللہ تعالیٰ کی رضامندی ہے

آگے ارشاد ہے لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ (حجرات)

(اپنے بھائیوں کے درمیان صلح کرادو تاکہ اللہ کی طرف سے تم پر رحم کیا جائے) اس میں بتلادیا کہ اخوت (یعنی بھائی چارگی اور باہم اتحاد واتفاق) سے صرف اخوت ہی مطلوب نہیں، بلکہ اصل مقصود حق تعالیٰ کی رضا اور اس کا قرب ہے، مگر وہ ایسا مطلوب ہے کہ جب وہ حاصل ہوجاتا ہے تو دنیوی مقاصد بھی ساتھ ساتھ چلے آتے ہیں، یہ نہیں کہ صرف حق تعالیٰ کی رضا حاصل ہوگی اور دنیا کے مقاصد فوت ہوجائیں گے۔

میں سچ کہتا ہوں کہ جب بندہ کا خدا تعالیٰ سے تعلق مستحکم (اور مضبوط) ہوجاتا ہے تو دنیاوی تعلقات کے حقوق پہلے سے زیادہ مستحکم (اور مضبوط) ہوجاتے ہیں کیونکہ پہلے تو ان حقوق کو حظِ نفس (یعنی نفسانی لذت) کے لئے ادا کیا جاتا تھا، اور حظِ نفس اپنی اختیاری شئی ہے جب چاہو اس سے قطع نظر کرلو تو وہ

حقوق بھی ضائع ہوجاتے ہیں، اور جب حق تعالیٰ کی رضاء کے لئے ان حقوق کو ادا کیا جاتا ہے، اور رضاء حق سے قطع نظر نہیں ہوسکتی، اس لئے دیندار سے زیادہ تعلقات کے حقوق کو کوئی بھی ادا نہیں کرسکتا (یعنی دیندار شخص زیادہ لوگوں کے حقوق ادا کرتا ہے)

پس یہ شبہ نہ کیا جائے کہ جب اخوت (بھائی چارگی واتفاق) سے مقصود حق تعالیٰ کی رضامندی ہوگی اور اخوت مقصود نہ ہوگی تو اخوت کے حقوق کیوں اور کیسے ادا ہوں گے، سو میں نے بتلادیا کہ اس صورت میں پہلے سے زیادہ حقوق ادا ہوں گے اور جو لوگ دیندار بن کر متعلقین کے حقوق میں کمی کرتے ہیں وہ دین سے ناواقف ہیں، حقیقت میں وہ دیندار نہیں گو دنیا ان کو دیندار سمجھتی ہے۔

بس خلاصہ یہ ہے کہ تم دین کی پابندی کرو انشاء اللہ دوسری قومیں بھی تم سے خوش رہیں گی اور کامیابی تمہارے قدم چومے گی، یہ طریقہ ہے اتحاد کے قائم رکھنے اور اس کے باقی رکھنے کا، اس کی رعایت کروگے تو اتحاد باقی رہے گا، ورنہ زبانی جمع خرچ سے کچھ نہیں ہوتا ایسا اتفاق تو چار دن میں ختم ہوجاتا ہے۔

دعاء کیجئے کہ حق تعالیٰ شانہٗ ہمیں علم وعمل کی توفیق عنایت فرمائیں آمین۔

(الاخوۃ ملحقہ التبلیغ ص ۱۲۹ ج ۱۳، مطبوعہ دیوبند)

باب ۷

اختلاف کے حدود و آداب

عدل و انصاف کی ترغیب

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ • بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ •
يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا كُوْنُوْا قَوَّامِيْنَ لِلّٰهِ شُهَدَاءَ بِالْقِسْطِ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰى اَنْ لَّا تَعْدِلُوْا اِعْدِلُوْا هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌ بِمَا تَعْمَلُوْنَ۔ (مائدہ پ۶)

ترجمہ وتفسیر: اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لئے احکام کی پوری پابندی کرنے والے اور شہادت کی نوبت آئے تو انصاف کی شہادت ادا کرنے والے رہو اور کسی خاص گروہ کی عداوت تم کو اس پر آمادہ نہ کردے کہ تم ان کے معاملات میں عدل نہ کرو، ضرور ہر معاملہ میں عدل کیا کرو کہ وہ یعنی عدل کرنا تقویٰ سے زیادہ قریب ہے اور تقویٰ اختیار کرنا تم پر فرض ہے چنانچہ حکم ہوا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مخالفت سے ڈرو، بلاشبہ اللہ تعالیٰ کو تمہارے سب اعمال کی پوری اطلاع ہے۔

(بیان القرآن پ۶ ص۱۰ ج۳)

حد سے تجاوز کرنے والے شخص سے یقیناً مؤاخذہ ہوگا

فرمایا: اس دربار میں (یعنی حق تعالیٰ کے شاہی دربار میں) ہر چیز کی میزان

ہے، ہر کام اور ہر بات میں عدل ہے، (مشہور ہے کہ) حجاج اتنا بڑا ظالم گذرا ہے ایک لاکھ چوبیس ہزار آدمی اس نے بندھوا کر قتل کرائے ہیں، (واللہ اعلم) ایک شخص اس کی غیبت کر رہا تھا ایک بزرگ نے کہا کہ وہاں کسی سے ذاتی عداوت نہیں ہر شئی میں عدل ہے سو جس طرح حجاج سے اس کے ظلم پر مؤاخذہ ہوگا اسی طرح تم اس پر جو ظلم کر رہے ہو (یعنی غیبت کر رہے ہو) اس کا تم سے مؤاخذہ ہوگا، وہاں پر ایک عمل کا اثر دوسرے عمل پر نہیں پڑتا۔

لیکن ہماری حالت یہ ہے کہ اگر ایک شخص سے ہم ناراض ہیں تو اس کی ہر بات سے ہم خفا رہتے ہیں، خدا تعالیٰ کے یہاں یہ بات نہیں، وہاں تو یہ ہے کہ

فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ (پ۳۰)

(ترجمہ) سو جو شخص دنیا میں ذرہ برابر نیکی کرے گا وہ وہاں اس کو دیکھ لے گا اور جو شخص ذرہ برابر بدی کرے گا وہ اس کو دیکھ لے گا۔ (بیان القرآن)

جو بھی حد سے گذرے گا اسی سے مؤاخذہ ہوگا گو جس شخص کے معاملہ میں وہ حد سے گذرا ہے وہ بھی مبغوض (اور مستحق عذاب) ہو۔ (ملفوظات حکیم الامت)

محبت و بغض اور رنج و غصہ میں اعتدال

فرمایا: دین نام ہے حفظِ حدود شریعت کا (یعنی شرعی حدود پر قائم رہنے کا)

(مکتوبات اشرفیہ ص ۱۳۹)

شیخ اکبر ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ کی ایک عالم سے مخالفت تھی، مخالفت کی وجہ یہ تھی کہ ان صاحب نے ان کے پیر حضرت ابو مدین رحمۃ اللہ علیہ کا رد کیا تھا، شیخ اکبر کو عالم خواب میں حضرت سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی، حضور

صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کیا تجھ کو فلاں عالم سے بغض ہے؟ عرض کیا جی! حضور اس واسطے کہ ان کو میرے شیخ ابو مدین سے بغض ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس عالم کو ہم سے محبت ہے یا نہیں؟ عرض کیا ہے، اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب اس میں دونوں تعلق ہیں تو کیا وجہ کہ تم نے اپنے شیخ کے بغض کے سبب سے تو اس سے بغض رکھا اور ہماری محبت کی وجہ سے اس سے محبت نہ کی، اس تعلق کا کیا حق ادا کیا؟ شیخ اکبر رحمۃ اللہ علیہ بیدار ہو کر اپنی غلطی پر متنبہ ہوئے، اور فوراً ان عالم صاحب کے پاس جا کر معافی طلب کی، اس کا یہ اثر ہوا کہ ان عالم صاحب نے حضرت ابو مدین رحمۃ اللہ علیہ سے معافی طلب کی۔

حضرت والا نے اس واقعہ کو بیان فرما کر فرمایا کہ مجھ کو اس سے بے حد نفع ہوا، غصہ اور رنج میں اعتدال ہو گیا۔ (سفرنامہ لاہور ص ۷۷)

حدیث شریف میں ہے **أحبب حبيبك هونا ماعسى أن يكون بغيضك يوما ما، وابغض بغيضك هونا ماعسى أن يكون حبيبك يوما ما** (رواه الترمذی باب ماجاء فی الاقتصاد فی الحب والبغض، ص: ۲۰ ج ۲)

یعنی محبت و عداوت دونوں اعتدال سے ہونا چاہئے، ممکن ہے کہ حالات پلٹا کھائیں دوست دشمن بن جائیں اور دشمن دوست ہو جائیں۔

(سفرنامہ لاہور ص ۳۶۱)

اتحاد میں بھی احتیاط چاہئے

اتحاد و اتفاق میں اس کی ضرورت ہے کہ اتنا اختلاط بھی نہ ہو کہ اپنے خاص اسرار (راز کی باتیں) دوسروں سے ظاہر کر دے، کیونکہ ممکن ہے کہ کسی وقت یہ تعلق نہ

رہے، تو پھر ان اسرار (راز کی باتوں) کے ظاہر کرنے کی وجہ سے پچھتانا پڑے گا۔

حدیث شریف میں آتا ہے **احبب حبیبک ھونا ماعسیٰ ان یکون بغیضک یوماما، وابغض بغیضک ھونا ماعسیٰ ان یکون حبیبک یوماما** (ترمذی شریف)، یعنی دوست سے سنبھل کر دوستی کرو، زیادہ میل جول نہ کرو، شاید کسی دن دشمنی ہو جائے تو گھر کے بھیدی کی دشمنی بہت نقصان دیتی ہے، اور اگر کسی کو اپنے دوست کے متعلق عداوت کا احتمال نہ ہو تو وہ اپنے ہی متعلق احتمال رکھے کہ شاید کسی دن میں ہی بدل جاؤں، اس لئے اتفاق میں بھی احتیاط کی ضرورت ہے۔

اسی طرح اگر کسی سے عداوت کرو تو وہاں بھی حد کے اندر عداوت کرنا چاہئے، حد سے نہ بڑھے کیونکہ کیا خبر ہے کسی وقت پر دوستی کرنے کی ضرورت ہو تو اس وقت آنکھیں سامنے کرنے سے حیا دامن گیر ہوگی، اور جس کی دوستی دوشمنی اعتدال سے ہوگی اس کو کسی وقت بھی پریشانی نہ ہوگی۔

(اصلاح ذات البین ملحقہ آداب انسانیت ص ۳۱۴)

جس پر تم نے احسان کیا ہے اس کے بھی شر سے بچو

کثرت اختلاط سے باہم دوستی ہو جاتی ہے جس میں بعض دفعہ اپنے راز دوسرے پر ظاہر ہو جاتے ہیں، پھر یہ دوست اپنے دوسرے دوستوں پر ان رازوں کو ظاہر کر دیتا ہے، کیونکہ اس کو ان پر ویسا ہی اعتماد تھا جب تم کو اس پر مگر بعض دفعہ ان میں تمہارا کوئی دشمن ہوتا ہے جو راز کو معلوم کر کے تم کو ضرر (نقصان) پہنچا دیتا ہے، نیز بعض دفعہ خود آپ کا دوست ہی بدل جاتا ہے اور دوست جب دشمنی پر آمادہ ہوتا ہے تو وہ اور دشمنوں سے زیادہ (ایذا) دیتا ہے،

اسی لیے عرب کی مثل ہے اِتَّقِ شَرَّ مَنْ اَحْسَنْتَ اِلَیْہِ ۔یعنی جس پر تم نے احسان کیا ہو اس کے شر سے بچتے رہو، اور آج کل یہ کچھ بعید نہیں، اس زمانہ میں دوستی اور محبت اکثر اغراض کے لیے ہوتی ہے جب تک غرض پوری ہوتی رہی دوست ہیں اور جس دن اغراض میں کمی آئی اس دن سے دشمن ہیں، چنانچہ تجربہ ہوگیا کہ جن لوگوں پر پورا اعتماد تھا کہ یہ دوستی سے کبھی نہ بدلیں گے وہ بھی اپنے اغراض میں کسی وقت نقصان دیکھ کر بالکل بدل گئے، اور ایسے بدلے کہ دشمن سے بھی بدتر دشمن بن گئے۔ (التبلیغ وعظ تقلیل الطعام ۲۲/۶۵، خیر المال ص:۱۱۴)

دشمن کی نعمت زائل ہوجانے سے خوش ہونا

فرمایا: کسی دوست یا دشمن کے زوال نعمت سے (یا کسی مصیبت کے پہنچ جانے سے) اگر اندر سے دل خوش ہوا گرچہ بظاہر اس سے افسوس کا اظہار بھی کیا جائے (لیکن) یہ خوشی چونکہ غیر اختیاری ہے، اور اس کو مذموم بھی سمجھا جاتا ہے اس لئے معصیت نہیں، البتہ نقص ہے، اس کا علاج بتکلف اس شخص کے لئے دعاء کرنا ہے، بکثرت ایسا کرنے سے انشاء اللہ یہ نقص زائل ہوجائے گا۔ (اور اگر اپنے اختیار سے خوشی کا اظہار کیا جائے تو یہ باطنی مرض اور بہت بڑی معصیت یعنی گناہ کبیرہ ہے)

(کمالات اشرفیہ ص ۹۸)

ایک مسلمان کے دوسرے مسلمان پر واجبی حقوق

ایک مسلمان کا دوسرے مسلمان پر یہ حق ہے کہ:

جب بیمار ہو تو اس کی عیادت کرو۔

جب ملے تو سلام کرو۔

اس کو چھینک آوے اور وہ الحمدللہ کہے تو یرحمک اللہ کہو، مرجائے تو جنازہ کی نماز پڑھو، دفن کفن میں شریک ہو وغیرہ وغیرہ۔

(حقوق الاسلام ملحقہ اصلاحی نصاب ص ۴۳۶)

یہ حقوق عام لوگوں کے ہیں ان کے بعد کچھ خاص حقوق ہیں، جب کسی صاحب حق میں کوئی خاص خصوصیت ہوتی ہے تو اس کے کچھ خاص حقوق عام حقوق پر بڑھ جاتے ہیں، یہ حقوق مذکورہ تو ہر انسان کے دوسرے انسان پر بندہ ہونے کے حیثیت سے ہیں اب اگر کوئی شخص مسلمان بھی ہے تو اسلام کی وجہ سے اس کا حق اور بڑھ جائے گا۔

ایک خصوصیت یہ ہے کہ کوئی شخص ہمارا پڑوسی ہے تو پڑوس کی وجہ سے اس کا حق بڑھ جائے گا۔

ایک خصوصیت یہ ہے کہ کوئی ہمارا محسن بھی ہے جیسے استاد یا پیر (یا مدرسہ کا ناظم، بڑا عالم، شیخ، مسجد کا امام) یا دوست وغیرہ سو احسان کی وجہ سے ان کے حقوق عام مسلمانوں کے حقوق سے زیادہ ہوں گے۔

(وعظ خیر الارشاد ملحقہ التبلیغ ص ۱۳۷ ج ۱۴)

تنبیہ: جو شخص تم سے ملنے آئے تم کو چاہئے کہ ذرا اپنی جگہ سے کھسک جاؤ گو مجلس میں گنجائش نہ ہو، اس میں اس کا اکرام ہے، (بلا مجبوری کے) نہ کسی کی پشت کی طرف بیٹھو، نہ کسی کی طرف پشت کر کے بیٹھو۔

(تعلیم الدین ملحقہ اصلاحی نصاب ص ۲۸۲)

ایک مسلمان کا دوسرے مسلمان پر یہ بھی حق ہے کہ اس کو دینی نقصان سے بچائے

ہر مسلمان کا دوسرے مسلمان پر یہ بھی حق ہے کہ اس کے دین کا ضرر نہ کرے یعنی اپنی وجہ سے کسی کا دین برباد نہ کرے یہ سب سے مقدم ہے، اس کے بعد آبرو (عزت) کا درجہ ہے پھر جان کا، پھر مال کا، کیونکہ شریف آدمی جان کو مال سے مقدم سمجھتا ہے، اور جان بچانے کے لئے مال کو خرچ کر دیتا ہے مگر عزت و آبرو کو جان سے بھی مقدم سمجھتا ہے، چنانچہ شریف آدمی عزت و آبرو کے لئے جان پر کھیل جاتا ہے، جو شریف دیندار ہوگا اور مسلمان سب ہی دیندار ہیں وہ آبرو اور جان سے زیادہ دین کو سمجھتا ہے چنانچہ دیندار آدمی حفاظت دین کے لئے عزت آبرو کی پرواہ نہیں کیا کرتا۔ (خیر الارشاد، التبلیغ ص ۱۲۱ ج ۱۴)

اختلاف کے باوجود ادب و احترام کی ضرورت

ابن العربی اور مجدد الف ثانیؒ کا حال

کسی کے ساتھ اختلاف وغیرہ کچھ ہو مگر ادب یعنی حفظ حدود کو ہاتھ سے نہ جانے دینا چاہئے الحمد للہ میں اس کا خاص خیال رکھتا ہوں کہ امر حق بیان بھی ہو جائے اور کسی کی اہانت بلا ضرورت نہ ہو، مجدد صاحب رحمۃ اللہ علیہ ابن العربی کے اقوال کا زور شور سے رد کرتے ہیں مگر خود ان کو کچھ نہیں کہتے بلکہ ان کو مقبول کہتے ہیں، یہ ہے ادب، مگر ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ ابوالحسن اشعری کے باب میں

بہت بے باک ہیں جو غلو ہے، اور فرمایا کہ میں بہت ڈرتا ہوں ان فقیروں کو کچھ کہتے ہوئے کیونکہ وہاں یہ کون دیکھتا ہے کہ کون بڑا مولوی ہے، وہاں تو یہ دیکھا جاتا ہے کہ ہم سے اس بندہ کا کیسا تعلق ہے، ممکن ہے کہ اس متکلم سے اس متکلم فیہ کا تعلق حق تعالیٰ کے ساتھ زیادہ صحیح اور قوی ہو، اس لئے ادب کی سخت ضرورت ہے نیز اس میں احتیاط بھی ہے کیونکہ اگر کوئی شخص قابل ادب نہ ہو اور اس کا ادب کر لیا جائے جہاں دین کا کوئی نقصان نہ ہو تو کوئی گناہ نہیں اور اگر قابل ادب ہے اور اسکے ساتھ بے ادبی کی تو اس پر مؤاخذہ ہوگا۔

میں اپنے ادب طبعی کو کیا عرض کروں، ابوطالب حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) کے چچا ہیں تو حضور کے انتساب کی وجہ سے ہمیشہ حضرت ابوطالب زبان پر آتا ہے، باقی عقیدہ جو ہے وہ ہے تو ہر چیز اپنی جگہ پر رہنی چاہئے عقیدہ عقیدہ کی جگہ، ادب ادب کی جگہ۔ (ملفوظات حکیم الامت ص ۳۱۲ ج ۳)

پہلے لوگوں کا اختلاف

فرمایا: پہلے لوگوں میں بھی اختلاف تھا مگر نفسانیت سے نہ ہوتا تھا۔

(ملفوظات ص ۴۳۹ ج ۴)

پہلے زمانہ کے بدعتی بھی اللہ اللہ کرنے والے ہوتے تھے، مجھ کو اکثر سے ملنے کا اتفاق ہوا، ان میں شرارت نہ تھی، جیسے آج کل کے بدعتی شریر ہیں بلکہ بعضے فاسق اور فاجر تک ہیں، ان کو کبائر تک میں ابتلاء ہے، اور ایک بات ان بزرگوں میں اور بھی تھی کہ دوکان دار نہ تھے اور اہل علم سے نفرت نہ تھی، اہل علم کا ادب اور احترام قلب میں تھا، آج کل کے اکثر بدعتیوں میں یہ سب باتیں مفقود ہیں، اب

تو بدعتی عموماً نہایت ہی بددین ہیں، دلوں میں اہل علم سے بغض وعداوت ہے، شب وروز فسق وفجور میں ابتلاء ہے۔ (ملفوظات حکیم الامت ص:۲۷۳ ج۳)

اچھوں اور بروں، شریفوں اور غیر شریفوں کے اختلاف کا فرق

جہاں مختلف طبیعتوں کے لوگ ہوتے ہیں وہاں اختلاف ہو ہی جاتا ہے بلکہ اچھوں (شریفوں) میں بھی ہو جاتا ہے فرق اتنا ہوتا ہے کہ اچھوں کو اس پر (یعنی اپنی بات پر) اصرار نہیں ہوتا۔

(عہد صحابہ میں ایک مرتبہ) دو شخصوں میں کچھ گفتگو بڑھ گئی ایک مہاجر تھے اور ایک انصاری، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر ہوئی حضور نے فرمایا یہ ایک گندی بات ہے، تو ان لوگوں کا جوش فوراً کم ہو گیا، اور اس پر تعجب نہ ہو کہ اتنی سی بات میں کیسے جوش کم ہو گیا، اس کا نمونہ اب بھی موجود ہے کہ عرب سب سے زیادہ سخت مشہور ہیں خصوصاً بدوی حضرات کہ ان میں نہایت درجہ جہل ہے، غصہ میں فوراً تلوار نکل آتی ہے لیکن اس کے باوجود (اب بھی) حالت یہ ہے کہ کیسے ہی جوش میں ہوں اور ایک ادنیٰ سا آدمی بیچ میں جا کر کہہ دے کہ **یاشیخ صل علی النبی** یعنی اے شیخ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجو، فوراً تلوار کو نیام میں کر لیتے ہیں اور **اللھم صل علی سیدنا** پڑھنے لگتے ہیں، ایسے نمونے اب بھی موجود ہیں۔ (المال والجاہ ملحقہ حقیقت مال وجاہ ص۳۶)

دوسرے مشرب والوں کا ادب واحترام اور ان کی رعایت

اختلافِ مشرب کے باوجود جو محبت کرے وہ زیادہ قابل قدر ہے

بعض حضرات فرنگی محل سے (حضرت تھانویؒ کی) عیادت کیلئے تشریف

لائے، خلاف معمول خصوصیت کے ساتھ باوجود انتہائی ضعف کے حضرت اقدس تھانویؒ نے چارپائی سے اٹھ کر اول کھڑے ہو کر مصافحہ کیا، پھر یہ فرما کر فرش پر بیٹھ گئے کہ اب یہ مجھ سے نہیں ہوسکتا کہ میں چارپائی پر بیٹھا رہوں خواہ آپ کتنا ہی اصرار فرمائیں، وہ حضرات قالین چھوڑ کر بیٹھنے لگے تو باصرار ان کو اپنے قریب قالین پر بٹھلایا، ان حضرات نے گاؤ تکیہ لگا لینے پر اصرار کیا تو فرمایا: منجملہ اور امراض کے میرے اندر خودرائی کا بھی مرض ہے، اس معاملہ میں باوجود آپ کے حکم کے مجھے اپنی رائے ہی پر عمل کرنے کی اجازت مرحمت فرمادی جائے، انہوں نے مکرر عرض کیا کہ حضرت کو اس حالت ضعف وعلالت میں تکلیف سے بچانے کی غرض سے یہ عرض کیا گیا (کہ حضرت تکیہ لگالیں) فرمایا کہ بعض امور میں اس تکلیف سے بھی زیادہ تکلیف ہوتی ہے۔

حضرات فرنگی محل میں سے ایک صاحب کو کوئی خاص تکلیف عارض ہوگئی تھی اس لئے انہوں نے حاضر نہ ہوسکنے کی معذرت ان حضرات کے واسطہ سے کہلا کر بھیجی، تو فرمایا کہ اجی حضرت میں تو اگر اس قابل ہوتا تو ان کی خدمت میں خود حاضر ہوجاتا، اور اب بھی جب اس قابل ہوجاؤں گا تو انشاء اللہ خود حاضر ہوں گا، وہ اس حالتِ عذر میں تکلیف نہ فرمائیں، دوران گفتگو حضرت اقدس نے یہ بھی فرمایا کہ آپ حضرات کی عنایات اور اخلاق کا حال تو میں اپنے احباب میں بیٹھ کر اکثر بیان کرتا ہوں۔ پھر تھوڑی دیر کے بعد ان حضرات نے عرض کیا کہ جی تو یہاں سے جانے کے لئے نہیں چاہتا لیکن حضرت کو اس حالت ضعف وعلالت میں زیادہ تکلیف دینا بھی گوارہ نہیں اس لئے بادل ناخواستہ جانے کی اجازت چاہتے ہیں۔

رخصت کے وقت حضرت اقدس نے فرمایا کہ پلنگ پر سے نیچے پاؤں

ٹکا کر اٹھنا اور فرش پر بیٹھ جانا تو آسان تھا (لیکن) اب فرش پر سے اٹھنا بوجہ ضعیف ہوجانے کے بہت دشوار ہے۔ اس لئے معاف فرمایئے گا، نزول تو آسان تھا عروج مشکل ہے۔

ان حضرات کے تشریف لے جانے کے بعد حضرت اقدس نے فرمایا کہ جو ہم مشرب ہیں ان کو تو خیر محبت ہے ہی اور ان کی محبت بھی بہت قابل قدر ہے، لیکن اختلاف مشرب میں جو محبت کرے وہ زیادہ قابل قدر ہے، ان حضرات کی رعایتیں دیکھئے خود تشریف لانا، پھر مختصر جلسہ کرنا (یعنی تھوڑی دیر بیٹھنا) تاکہ تکلیف نہ ہو اور پھر یہ محض تکلف سے نہیں بلکہ دل سے کیونکہ جو برتاؤ دل سے ہو وہ چھپا نہیں رہتا، جب اتنی رعایتیں ہیں تو آخر کیا دوسرے آدمی کو حس نہیں کہاں تک اثر نہ ہو۔ (اپنے مخالف مشربوں کے ساتھ ہم کو بھی ایسا ہی برتاؤ اور رعایت کرنی چاہئے) اللھم وفقنا۔ (ملفوظات حکیم الامت ص ۳۰۰ ج ۵ ق ۳)

بزرگوں اور بڑوں کے ادب واحترام کی اہمیت اور اس کا فائدہ

حضرت تھانویؒ کا اپنے بڑوں کے ساتھ ادب واحترام

فرمایا: یہ خدا تعالیٰ کی نعمت اور اس کی دین ہے کہ ایسے مفید علوم قلب پر وارد ہوجاتے ہیں جس کا ظاہری سبب جو مجھ کو اب معلوم ہوتا ہے اور جو چیز مجھ کو اب محسوس ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ میں نے بزرگوں کا ادب اور ان کی اطاعت ہمیشہ کی ہے اور ان کی لغزشوں (غلطیوں) پر کبھی نظر نہیں کی۔ اگر کسی بزرگ سے کبھی کوئی لغزش بھی ہوئی تب بھی ان کے ساتھ ادب ہی سے پیش آیا، وعظ میں تو سب کی

غلطیوں کا رونام کا اظہار کئے بغیر کر دیتا تھا لیکن ان کی خاص مجلس میں جب کبھی حاضری کا اتفاق ہوتا ہمیشہ ادب سے گردن جھکا کر ہی بیٹھتا اور دل سے سمجھتا کہ یہ میرے بزرگ ہیں، اور خواہ کوئی کسی بھی مشرب کا ہو لیکن ہو درویش (صوفی) یعنی اللہ اللہ کرنے والا، دکاندار (فاسق) نہ ہو اس کی بھی میں نے دعا لی ہے، غرض اللہ اللہ کرنے والوں کا میں نے ادب ہی کیا ہے، کبھی ان کا دل نہیں دکھایا بلکہ ہمیشہ دعائیں ہی لیں، یہاں تک کہ اپنے ماموں صاحب سے بھی جن سے مشرب کا اختلاف ہونے کی وجہ سے قطع تعلق تک کرنا پڑا (لیکن ان کے ساتھ بھی) کبھی بے ادبی کا برتاؤ نہیں کیا مگر وعظوں میں اس مشرب کا ہمیشہ رد کرتا رہا۔

غرض میں نے ہمیشہ بزرگوں کا ادب کیا اور ان کی دعائیں لیں اور ان دعاؤں ہی کی برکت ہے جو آج یہ مفید باتیں ذہن میں آجاتی ہیں، اور واللہ میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اپنی حالت جو میں دیکھتا ہوں تو کوئی چیز اپنے اندر نجات کی نہیں پاتا سوائے ضعیف ایمان کے، پھر بھی جو یہ علوم و حقائق اور مفید باتیں قلب پر وارد ہو جاتی ہیں تو یہ بزرگوں کی دعاؤں کی اور ان کا ادب کرنے کی برکت نہیں تو اور کیا ہے، اور واقعی بزرگوں کا ادب ہے بھی بہت ضروری عمل، مگر اللہ اللہ کرنے والے ہوں، خواہ وہ کسی بھی مشرب کے ہوں، حتیٰ کہ اگر کسی غلطی میں بھی مبتلا ہوں اس حالت میں بھی ان کا اتباع تو نہ کرے لیکن ان کی شان میں کوئی گستاخی بھی نہ کرے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تو والد کے کفر کو بھی مانع ادب نہیں سمجھا حالانکہ صرف بت پرست ہی نہیں تھے بلکہ بت تراش بھی تھے لیکن پھر بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام جب ان کو نصیحت کرتے ہیں تو یا أبت یا أبت کہہ کر خطاب

فرماتے ہیں یعنی اے میرے ابا، اے میرے ابا، یہ ادب نہیں تو اور کیا ہے۔

اور ادب میں کوئی باپ ہی کی تخصیص نہیں ہے، بڑی عمر کا کوئی بھی آدمی ہو سب کا ادب کرنا چاہئے، لیکن خلاف شرع امور میں ان کا اتباع نہ کرنا چاہئے۔

(ملفوظات حکیم الامت ص ۳۰۹ ج ۵، قسط ۳)

ہمارے اسلاف اور بزرگوں کی شان

پہلے بزرگوں کی یہ حالت تھی کہ جب ہمارے حاجی (امداد اللہ صاحبؒ مہاجر مکی) صاحب نے اس مسجد (پیر محمد والی) میں قیام کا ارادہ کیا..... حاجی صاحب کے بیٹھنے سے پہلے اس مسجد میں ایک بزرگ حسن شاہ رہتے تھے، وہ صاحبِ سماع (بدعتی) تھے مگر سچے آدمی تھے، دکاندار نہ تھے، جب انہوں نے حضرت حاجی صاحب کو یہاں قیام کرتے دیکھا تو وہ اپنا بستر لپیٹ کر شاہ ولایت میں جا پڑے اور فرمایا کہ اب بستی میں کامل شیخ آ گیا، اس کے سامنے مجھے بستی میں رہنے کی ضرورت نہیں، وہ جنگل میں جا بسے اور وہیں زندگی کے دن پورے کر دیئے، واللہ میں تو اس ادا کا عاشق ہوں، افسوس اب ہمارے اندر یہ باتیں نہیں رہیں۔

(ارضاء الحق ملحقہ تسلیم و رضا ص ۱۵۴)

شیخ شمس الدین کی حکایت

اسی طرح حضرت شیخ شمس الدینؒ ترک پانی پتی شیخ علی احمد صابر کے حکم سے پانی پت تشریف لائے اور یہاں قیام کا ارادہ کیا تو پانی پت میں شاہ بوعلی

قلندرؒ پہلے سے موجود تھے، انہوں نے اپنے ایک مرید کے ہاتھ کٹورے میں پانی بھر کر شیخ شمس الدینؒ کے پاس بھیجا، شیخ شمس الدینؒ نے اس پر ایک پھول رکھ کر واپس کر دیا، لوگ اس رمز (اشارہ) کو نہ سمجھے، تو انہوں نے قلندر شاہ صاحب سے دریافت کیا کہ یہ کیا بات تھی؟ فرمایا کہ میں نے شیخ شمس الدین سے یہ کہا تھا کہ پانی پت میرے اثر سے ایسا بھرا ہوا ہے جیسے یہ کٹورا پانی سے بھرا ہوا ہے اس میں کسی دوسرے کی گنجائش نہیں، آپ یہاں فضول تشریف لائے، تو انہوں نے یہ جواب دیا کہ میں یہاں اس طرح رہوں گا جیسے پانی پر پھول رہتا ہے کہ پانی کی جگہ کو نہیں گھیرتا، یعنی میں آپ کے اثر میں تصرف نہ کروں گا، اس کے بعد شاہ بوعلی قلندر خود ہی بستی کو چھوڑ کر جنگل کی طرف تشریف لے گئے، گویا حضرت شیخ شمس الدینؒ کو اجازت دیدی کہ تم جس طرح چاہو تصرف کرو، اب ہماری ضرورت نہیں رہی کیونکہ دوسرا صاحب کمال آ گیا ہے۔

(ارضاء الحق ملحقہ تسلیم ورضا ص ۱۵۵)

ہم لوگوں میں یہی باتیں نہیں ہیں جس کی وجہ سے

ہم باہمی اختلاف کے شکار ہیں

ہمارے اندر یہی باتیں تو نہیں رہیں بلکہ اس کے بجائے تحزب اور گروہ بندی کا مرض آ گیا ہے، اگر ہم کو نفعِ خلق (یعنی مخلوق کو نفع پہنچانا) مقصود ہوتا تو دوسرے نفع پہنچانے والوں سے انقباض نہ ہوتا بلکہ خوشی ہوتی کہ اچھا ہوا اس نے میرے اوپر سے بوجھ ہلکا کر دیا، اب میں دین کا کوئی دوسرا کام کروں جس کو کوئی نہ

کر رہا ہو۔ نیز اگر مخلوق کو نفع پہنچانا مقصود ہوتا تو جس شخص کے ہاتھ سے بھی دین کا نفع پہنچتا ہم اس سے خوش ہوتے اگرچہ وہ ہمارے بزرگوں سے بعض مسائل فرعیہ میں اختلاف ہی رکھتا ہوتا، کیونکہ مسائل فرعیہ (یعنی جزوی اختلاف) تو اہل حق میں شروع سے چلا آرہا ہے کوئی نئی بات نہیں، مگر ہماری یہ حالت ہے کہ اگر ہمارے بزرگوں سے کسی عالم کو کسی مسئلہ میں بھی اختلاف ہو تو چاہے اس سے دین کا فیض ہمارے بزرگوں سے بھی زیادہ ہو رہا ہو اس سے خوش نہ ہوں گے اور نہ اس کے مرنے پر حسرت و رنج ہوتا ہے بلکہ کسی درجہ میں خوشی ہی ہوتی ہے، میں کہاں تک معیارات بیان کروں، اگر ہمارے اندر دین ہے تو اس کی کیا وجہ ہے کہ وہ ان کسوٹیوں پر نہیں کسا جاتا بس جہاں تک اپنی حالت میں غور کرتے ہیں حسرت ہی ہوتی ہے، اور زیادہ حسرت اس کی ہے کہ حسرت بھی پوری طرح نہیں ہوتی۔

صاحبو! یہ سب آثار اسی کے ہیں کہ ہم رضاء خلق کو (یعنی مخلوق کی رضامندی کو) رضاء حق پر ترجیح دیتے ہیں اور یہ بڑا مرض ہے جو شرک کا شائبہ ہے کیونکہ اسی سے ریا پیدا ہوتا ہے اس لئے کی ریا کی حقیقت مقصودیت خلق (یعنی مخلوق کو مقصود بنانا) ہے اور جو شخص رضاءِ خلق (یعنی مخلوق کی رضامندی) کا طالب ہوگا اس سے زیادہ مقصودیتِ خلق (یعنی مخلوق کو مقصود بنانا) کس میں ہوگا، پس ریا بھی اس مرض کی فرع ہے اور ریا کو حدیث میں شرک سے تعبیر کیا گیا ہے، کیونکہ توحید مطلوب کے مختلف درجات ہیں ایک توحید اعتقادی ہے کہ حق تعالیٰ کو ذات وصفات میں واحد و یکتا سمجھنا، اس درجہ کا عنوان لا معبود الا اللہ ہے، اور بحمداللہ توحید کا یہ درجہ سب مسلمانوں کو حاصل ہے، اس کا مقابل شرک اعتقادی ہے، اس شرک سے تو سب مسلمان محفوظ ہیں۔

اور ایک توحید قصدی ہے کہ حق تعالیٰ کو قصد میں بھی یکتا اور واحد سمجھے کہ حق تعالیٰ کے سوا کسی چیز کو مقصود و مطلوب نہ بنائے، اس درجہ کا عنوان لامقصود الا اللہ ہے، اس درجہ میں بہت لوگ کوتاہی کر رہے ہیں جیسا کہ اوپر معلوم ہوا اور توحید کے اس درجہ کے بالمقابل شرک قصدی ہے، یعنی غیر حق کو مقصود و مطلوب بنانا، اور اسی شرک کا ایک فرد ریا بھی ہے، اور توحید کے یہ دونوں درجے مطلوب ہیں۔

(ارضاء الحق ملحقہ تسلیم و رضا ص: ۱۵۵، ۱۵۶)

میں کہہ رہا تھا کہ رضاء خلق (یعنی مخلوق کی خوشنودی) پر نظر رکھنا شرک کا ایک فرد ہے، خواہ اصغر ہی ہو کیونکہ ریا اسی کی فرع ہے اور اس کو احادیث میں شرک سے تعبیر کیا گیا ہے، پس یہ نہایت سخت مرض ہے اور اس کا علاج یہ ہے کہ توحید قصدی حاصل کرو، اور مراقبۂ ذکر سے لامقصود الا اللہ کو اپنے اوپر غالب کرو، اس کے بعد انشاء اللہ تم رضاء خلق کو رضاء حق پر ہرگز ترجیح نہ دو گے۔

(ارضاء الحق ملحقہ تسلیم و رضا ص: ۱۶۱)

مظلوم کے لئے حکایت و شکایت کی اجازت ہے لیکن معمولی بات کو ہر جگہ گاتے پھرنا ظلم کے مترادف ہے

اگر کسی نے کسی کو ستایا ہو اور وہ اس کا بدلہ (اس طرح) نکالے کہ لوگوں سے اس کی شکایت و غیبت کرے تو ایسے وقت یہ شخص اس کی غیبت میں معذور ہے، اور قرآن سے بھی کسی درجہ میں اس کی اجازت ملتی ہے، (حق تعالیٰ) فرماتے ہیں لَا يُحِبُّ اللّٰهُ الْجَهْرَ بِالسُّوْٓءِ مِنَ الْقَوْلِ اِلَّا مَنْ ظُلِمَ (پ ۶ نساء) بری بات کو ظاہر کرنا خدا پسند نہیں کرتا مگر مظلوم کو اجازت ہے کہ ظالم کی شکایت کرے لیکن اس کی بھی خاص حد

تک اجازت ہے یہ تھوڑا ہی ہے کہ ایک دن اس نے ایک بات کہہ دی تھی اس کی وجہ سے ساری عمر کے لئے دھندا لے بیٹھے (جب دیکھو اور جس سے دیکھو اس کی برائی اور غیبت کرنے لگے) اس کی بھی ایک حد ہے وہ حد یہ ہے جو حدیث شریف میں آئی ہے اَلْبَادِیُٔ اَظْلَمُ مَالَمْ یَعْتَدِ الْمَظْلُوْمُ (ترمذی)۔ جو شروع کرتا ہے زیادہ ظالم وہی ہے جب تک مظلوم زیادتی نہ کرے لیکن اگر یہ حد سے نکل جائے تو یہ بھی ظالم ہوسکتا ہے۔

خلاصہ یہ کہ ہر شئی کی ایک حد ہوتی ہے اس سے تجاوز جائز نہیں پس یہ دیکھو کہ اس نے کتنا ستایا تھا اور کتنی تکلیف دی تھی پھر شرعی استفتاء طلب کرو کہ ایک شخص نے مجھ کو اتنی تکلیف پہنچائی ہے اس کی شرعی سزا کیا ہونا چاہئے اور کہاں تک بدلہ لینا جائز ہے، اور پوچھو کسی محقق سے جو وہ بتلادیں اس سے اپنے دل کی بھڑاس نکالو، یہ تھوڑا ہی ہے کہ ظالم کی غیبت کو ساری عمر کا وظیفہ بنالو خواہ اس بیچارے نے اس کا تدارک بھی کرلیا ہو قول سے یا فعل سے، قول سے تو یہ ہے کہ معاف کرالیا اور فعل سے یہ کہ برتاؤ ایسا کرنے لگا جو معذرت پر دلالت کرے

ے (وعظ رطوبۃ اللسان ملحقہ ذکر و فکر ص۱۴۹ ج۲۲)

باہم لڑنے والوں سے دوسرے حضرات کیا برتاؤ رکھیں

باہم اختلاف کا ایک اور نقصان

ایک بڑی پریشانی بے تعلق لوگوں کو پیش آتی ہے کہ ان لڑنے والوں سے ملیں یا نہ ملیں چنانچہ اسی (قسم کے ایک) واقعہ میں بعض لوگ میرے پاس آئے اور پوچھا کہ یہاں ایسا ناجائز قصہ ہوا ہے ہم کو ان سے ملنا جائز بھی ہے یا نہیں؟ یہ بھی بہت غنیمت ہے کہ یہاں کے مسلمانوں نے سوال تو کیا ورنہ بعض قصبات

میں تو لوگ سوال بھی نہیں کرتے، میں یہاں کے لوگوں کی دینداری کی تعریف کرتا ہوں کہ یہاں ابھی تک دین کا خیال باقی ہے چنانچہ بعض لوگ یہ پوچھنے آئے کہ ہم کو ان ناجائز کام کرنے والوں سے ملنا جائز ہے یا نہیں؟

میری عادت تشدد (سختی) کی نہیں ہے گو بعض دفعہ اس کی بھی ضرورت ہوتی ہے، بغیر سختی کے بعض لوگوں میں خوبی اور کمال پیدا نہیں ہوتا، جس پر ابتداء میں سختی نہ ہوئی ہو اس کے اخلاق درست نہیں ہوتے، اور وہ کمالات سے محروم رہتا ہے، آج جو لوگ باکمال کہلاتے ہیں ان پر کسی وقت ضرور سختی ہوئی ہے، پھر آج اس سختی کا یہ نتیجہ ہے کہ تعزیرات شرعیہ (یعنی شرعی قانون) میں بھی اہل عزت اور تعلیم یافتہ طبقہ کے ساتھ رعایت کا حکم کیا جاتا ہے، یعنی اگر ان سے کوئی خطا ہو جائے تو شرعی حکم ہے کہ اَقِیْلُوْا ذَوِی الْھَیْاٰتِ عَثَرَاتِھِمْ کہ ان کو سزا نہ دو بلکہ عدالت میں بلا کر برسر اجلاس بلا کر دھمکا دیا کرو کہ آئندہ ایسا نہ ہونے پائے، شریف و معزز آدمی کے لئے یہی سزا بہت ہے۔

سو آج یہ رعایت اس سختی کا اثر ہے جو بچپن میں ان پر ہو چکی ہے مگر یہ حکم تعزیرات کا ہے اور حدود میں کسی کے ساتھ رعایت نہیں بلکہ وہاں تو سفارش بھی جائز نہیں۔

بہرحال بعض دفعہ سختی کی ضرورت ہوتی ہے اس سے پہلے جو یہاں میرے ایک دوست کا بیان ہوا تھا لوگوں نے ان کو متشدد (سخت) کہا، مگر ان پر اعتراض نہیں ہو سکتا، ان کی رائے میں اسی سختی کی ضرورت تھی، ہاں یہ بات ضرور ہے کہ اگر میں تشدد (سختی) سے بھی کام لیتا تو ان سے کم ہی کہتا لیکن میں نے تشدد سے کام ہی نہیں لیا کیونکہ میں دیکھتا ہوں کہ گو تشدد (سختی) کی بعض جگہ ضرورت ہوتی ہے، مگر بعض طبیعتیں اس سے اچٹتی ہیں، اور ان پر الٹا اثر ہوتا ہے، اور نرمی کا اثر اچھا ہوتا ہے۔

اس لئے میں نے ان سوال کرنے والوں سے یہ نہیں کہا کہ اپنے گنہگار بھائیوں سے نہ ملو، بلکہ یہ کہا کہ جاؤ ملو مگر ان کو سمجھاؤ، تو اس کا اثر یہ ہوا کہ وہ باوجود اجازت دینے کے بھی نہ ملے کیونکہ اجازت کے ساتھ جو یہ شرط لگادی گئی تھی کہ ان کو سمجھاؤ اس شرط کے پورا کرنے پر انہوں نے اپنے کو قادر نہ دیکھا اس لئے ملے ہی نہیں، تو دیکھئے دو شخصوں کی عداوت سے دوسرے لوگوں کو یہ تنگی پیش آئی، اور بعض لوگوں کو یہ تنگی پیش آئی کہ وہ ان سے نہ ملنے پر قادر نہ تھے کیونکہ ان کی طبیعت ضعیف تھی، پھر وہ رات دن ایک ہی جگہ رہتے تھے ان سے نہ ہوسکا کہ پاس رہتے ہوئے بھی نہ ملیں اس لئے وہ ان سے ملے اور ان لوگوں کو گناہ ہوا۔ کیونکہ انہوں نے مل کر کچھ تشدد نہیں کیا (نہ سمجھایا) نہ اس فریق کی خلاف شرع حرکتوں سے ناگواری ظاہر کی، گو ان کی طبیعت کے ضعیف ہونے کی وجہ سے ان کو ان لوگوں سے کم گناہ ہوا جو باوجود قدرت کے بغیر تشدد کے اسی طرح ملتے رہے جیسے پہلے ملا کرتے تھے، اس لئے دونوں کی سزا میں بھی فرق ہوگا۔

تو فساد سے کتنی بڑی خرابی ہوئی کہ اس کی وجہ سے ایسے اسباب جمع ہوگئے کہ بعضے بے گناہ بھی گناہ میں مبتلا ہوگئے، چنانچہ حدیث میں ہے کہ ایک شخص کسی بستی میں گناہ کرکے رہتا ہے لوگ اس کو دیکھتے ہیں اور خاموش رہتے ہیں، اس سے کنارہ کشی نہیں کرتے، نہ اس پر سختی کرتے ہیں تو اس شخص کی وجہ سے سینکڑوں بے گناہ عذاب میں گرفتار ہوتے ہیں۔

(اصلاح ذات البین ملحقہ آداب انسانیت ص ۳۵۲)

ضرورت کے موقع پر سختی کی بھی اجازت ہے

اگر کسی شخص کی اصلاح سختی پر موقوف ہو تو وہاں سختی کی بھی اجازت ہے مگر اس کا طریقہ یہ ہے کہ پہلے مرہم سے کام لو (یعنی نرمی کرو) اگر مرہم سے کام نہ چلے بلکہ آپریشن ہی کی ضرورت ہو تو آپریشن کرو، مگر چند ماہروں کو مشورہ میں شریک کرلو، گو وہ تم سے چھوٹے ہی ہوں، جیسے ڈاکٹر آپریشن کے وقت اسسٹنٹ کو بھی بلا لیتا ہے حالانکہ وہ درجہ میں اس سے چھوٹا ہے۔

(التبلیغ ص:۹۸)

شاید اس سے کوئی صاحب یہ نتیجہ نکالیں کہ جب شریعت نے سختی کو بھی علاج بتلایا ہے تو بس آج سے ہم بھی سختی کیا کریں گے، تو صاحبو! خدا سے سابقہ ہے حق تعالیٰ کو سب کچھ معلوم ہے وہ نیت کو دیکھتے ہیں پس اپنے دل میں سختی کے وقت خود غور کرلو کہ ہم جو اس شخص کو سزا دے رہے ہیں اس میں کیا نیت ہے؟ آیا اپنا شفاءِ غیظ (یعنی غصہ کو ٹھنڈا کرنا) مقصود ہے یا اس کی اصلاح۔؟

بھلا عوام ورؤساء تو اصلاح کی نیت کیا کرتے معلم اور استاد جن کا کام ہی اصلاح ہے اور بچے ان کے سپرد کئے جاتے ہیں اصلاح ہی کے واسطے وہ بھی بعض دفعہ غصہ میں بچوں کو خوب مارتے ہیں، اس وقت اصلاح کا ارادہ بالکل نہیں ہوتا، بیوی سے لڑ کر آئے تھے اور غصہ بچوں پر نکالا۔

اے صاحبو! یہ ضرور ہے کہ اصلاح کے لئے سختی کی بھی اجازت ہے اگر ضرورت ہو، مگر اس کے لئے یہ قید بھی ہے کہ غصہ کی حالت میں سزا نہ دی جائے کیونکہ غصہ میں ضرورت کی مقدار کا صحیح اندازہ نہیں ہوسکتا۔

سزا دینے اور سختی کرنے کا طریقہ

اسی لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے غصہ کا دستور العمل بیان فرمایا ہے لَا يَقْضِيَنَّ قَاضٍ بَيْنَ اثْنَيْنِ وَهُوَ غَضْبَانُ (مشکوٰۃ شریف) یعنی حاکم کو چاہئے کہ غصہ کی حالت میں کبھی فیصلہ نہ کرے بلکہ اس وقت مقدمہ کو ملتوی کردے، اور یہاں حاکم سے مراد ہر وہ شخص ہے جس کی دو آدمی پر بھی حکومت ہو اس میں معلم اور استاد بھی داخل ہے اور گھر کا مالک بھی، کیونکہ اپنے گھر میں بھی ہر شخص حاکم ہے اور رؤساء و حکام تو داخل ہیں ہی، پس غصہ کی حالت میں کبھی سزا نہ دو بلکہ اس وقت کو ٹال دو اور بعد میں خوب سوچو کہ یہ عمل (یعنی یہ غلطی) کتنی سزا کے قابل ہے پھر سوچ سمجھ کر سزا دو، مگر سزا کی مقدار بھی کسی عالم (و مفتی) سے پوچھو اپنی رائے سے تجویز نہ کرو، اور عالم کو بھی چاہئے کہ جواب جلدی نہ دے بلکہ سوچ سمجھ کر جواب دے اور جو مسئلہ پیچیدہ ہو اس کا جواب زبانی کبھی نہ دیں۔

(الغرض غصہ میں کبھی سزا نہ دیں) مگر یہ میاں جی لوگ مانیں گے نہیں کیونکہ سوچ کر سزا دینے میں مزہ نہیں آتا مزہ تو غصہ ہی میں مارنے سے آتا ہے اور قیامت میں جب آپ کو سزا ملے گی تو مظلوموں کو مزہ آئے گا، اس لئے ہمیشہ غصہ کو ٹال کر سزا دو اور کسی عالم سے سزا کی مقدار معلوم کر کے جتنی وہ بتلا دے اتنی سزا دو، اسی طرح رؤساء اور حکام کو بھی علماء سے پوچھ کر فیصلہ کرنا چاہئے اپنی رائے سے فیصلہ نہ کریں۔

حدیث شریف میں آیا ہے کہ طبیب ناواقف (اناڑی ڈاکٹر) اور جاہل فیصلہ کرنے والا دونوں جہنم میں ہیں گو ان کی نیت درست ہی ہو مگر خوش نیتی سے کام نہیں چلتا، یہاں علم کی ضرورت ہے۔ (الاخوۃ التبلیغ ص ۹۲، ۹۳)

غصہ اور انتقام اللہ کے لئے نہ کہ شفاءِ غیظ کے لئے

حضرت علیؓ کی حکایت

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا واقعہ ہے کہ آپ نے ایک دفعہ معرکۂ جہاد میں ایک یہودی کو پچھاڑ لیا اور سینہ پر بیٹھ کر ذبح کرنا چاہا، یہودی نے آپ کے چہرہ پر تھوک دیا، تو فوراً چھوڑ کر کھڑے ہوگئے، جب حضرت علی رضی اللہ عنہ یہودی کو چھوڑ کر الگ ہوگئے تو اس نے سوال کیا کہ حضرت دشمن پر قابو پا کر اور اس کی گستاخی دیکھ کر چھوڑ دینا تعجب خیز ہے، فرمایا: گستاخی ہی کی وجہ سے چھوڑ دیا، کیونکہ اس سے پہلے تو میں اللہ کے واسطے مار رہا تھا اور گستاخی کے بعد نفس کو ہیجان اور انتقام کا جوش ہوا، اب میرا تجھے مارنا خالص اللہ کے واسطے نہ ہوتا بلکہ اس میں شفاء غیظِ نفس (یعنی نفس کے غصہ کو ٹھنڈا کرنا) بھی شامل ہوتا، اس کو میں نے گوارہ نہ کیا، کیونکہ یہ شان اخلاص کے خلاف تھا، یہ سنتے ہی یہودی ایمان لے آیا۔

صاحبو! ہمارے امر بالمعروف میں اثر نہ ہونے کی یہ بھی وجہ ہے کہ ہمارے اندر خلوص نہیں، ہمارے سب وعظ ونصائح اپنی بڑائی ظاہر کرنے (یا دوسروں سے انتقام اور شفاء غیظِ نفس) کے لئے ہوتے ہیں، ورنہ اخلاص ہو تو ضرور اثر ہوتا ہے۔

(اصلاح ذات البین ملحقہ آداب انسانیت ص ۳۵۵)

باب ۸

اختلافات ختم کیجئے، مرنے کی تیاری کیجئے

حضرت اقدس تھانویؒ کی امت سے درخواست

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ فرماتے ہیں:

(درخواست) خود بھی ملاحظہ فرمایئے اور جہاں تک ممکن ہو دوسروں کو بھی دکھلا کر ثواب لیجئے میری حیات میں بھی اور بعد حیات بھی۔

بعد الحمد والصلوٰۃ، اس تحریر کا باعث یہ ہے کہ راقم (اشرف علی) کی عمر اس وقت ساٹھ ستر کے بیچ میں ہے، جو حدیث کی رو سے امت محمدیہ کی عمر کا اکثر کے اعتبار سے گویا اختتام ہے اور ایسے وقت میں دوسرے اوقات سے بہت زیادہ آخرت کی تیاری کی ضرورت ہے، اور یہ تیاری ایمان کے بعد اعمال کی درستی ہے، اور ان اعمال میں سب سے زیادہ اہم حقوق العباد کی صفائی ہے، اور اس صفائی کی صرف دو صورتیں ہیں ایک ادائیگی اور دوسرے معافی، بحمد اللہ قابل ادا حقوق میں تو کبھی قصداً کوتاہی نہیں کی گئی، البتہ معافی کے قابل حقوق میں یعنی اہل حقوق سے معافی چاہنے میں کوتاہی یقیناً رہی، اور اس میں عموماً لوگوں کو ابتلاء ہے اس لئے واجب ہے کہ اس فریضہ کو اہتمام سے ادا کیا جائے، اسی مقصد کے پیش نظر چند احادیث اور اس کے ساتھ خطاب پیش کروں گا۔ وباللہ التوفیق۔

(اشرف السوانح ص ۱۲۸ ج ۳)

وقت آنے سے پہلے معافی تلافی کرالیجئے

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس کے ذمہ کسی (مسلمان یا انسانی) بھائی کا اس کی (عزت) آبرو کے متعلق یا اور کسی قسم کا کچھ حق ہو وہ اس سے آج معاف کرالے ایسے وقت سے پہلے کہ اس وقت نہ اس کے پاس دینار ہوگا نہ درہم ہوگا، اگر اس کے پاس کچھ عمل صالح ہوگا تو اس کے حق کے بقدر صاحب حق کو دے دیا جائے گا، اور اگر اس کے پاس نیکیاں نہ ہوں گی تو اس کے فریق کے گناہ لے کر اس پر لاد دیئے جائیں گے۔

(روایت کیا اس کو بخاری نے، مشکوٰۃ شریف باب الظلم)

اس حدیث کی بنا پر احقر اشرف علی تمام ان حضرات کی خدمت میں جن کا کوئی حق میرے ذمہ ہو خواہ وہ حق مالی ہو جس کا احتمال ضعیف و قلیل (یعنی بہت کم) ہے سوائے ایک حق کے کہ بعض خطوط میں جواب کے لئے ٹکٹ آتے ہیں اور کاتب کا پورا پتہ نہیں ہوتا، انتظار کے بعد میں ان ٹکٹوں کو لقطہ کے مصارف میں صرف کر دیتا ہوں، مگر نیت ہے کہ اگر ٹکٹ والے اس صرف کو جائز نہ رکھیں تو ٹکٹ مجھ سے لے لیں حاضر کروں گا۔

یا اس کے علاوہ کوئی اور حق ہو جو مجھ کو یاد نہ ہو اس کے ادا کرنے کے لئے بھی حاضر ہوں، اور ہر حال میں یہ شرط ہے کہ مدعی کا صدق میرے دل کو لگ جائے۔

اور خواہ وہ حق غیر مالی ہو جیسے کہ کسی کو ناحق کچھ کہہ دیا ہو خواہ سامنے یا پیٹھ پیچھے، خواہ ابتداءً ایسا ہوا ہو یا انتقام میں حد مساوات سے تجاوز ہو گیا ہو، یا کسی کو ناحق

جسمانی ایذاء پہنچائی ہو، اور ایسے غیر مالی حقوق کا احتمال قوی اور کثیر (یعنی بہت زیادہ) ہے، ان سب اہل حقوق کی خدمت میں دست بدستہ نہایت لجاجت وسماجت سے درخواست کرتا ہے کہ ان حقوق کا خواہ مجھ سے عوض لے لیں بشرطیکہ مدعی کا صدق (یعنی دعویٰ کرنے والے کا سچا ہونا) میرے دل کو لگ جائے، اور خواہ حسبۃً للہ (اللہ واسطے) معاف فرمادیں میں دونوں حالتوں میں ان کا شکر گذار ہوں گا کہ مجھ کو آخرت کے محاسبہ سے بری فرمایا، اور معافی کی صورت میں دعا بھی کرتا رہوں گا کہ میرے ساتھ یہ احسان فرمایا۔ (اشرف السوانح ۳۹ ج ۳)

معافی وتلافی کی فکر

حکیم الامت حضرت اقدس تھانویؒ کا اعلان

فرمایا: میں اپنے سب دوستوں سے درخواست کرتا ہوں کہ میرے صغیرہ وکبیرہ سب گناہوں کے لئے استغفار فرمادیں، اور جو میرے اندر عادات واخلاق ذمیمہ ہیں ان کے ازالہ کی دعاء کریں۔

میرے بعض اخلاق سیئہ کے سبب بعض بندگان خدا کو حاضرانہ وغائبانہ (یعنی سامنے یا پیٹھ پیچھے) میری زبان وہاتھ سے کچھ تکلیفیں پہنچی ہیں اور کچھ حقوق ضائع ہوئے ہیں، خواہ اہل حقوق کو اس کی اطلاع ہوئی ہو یا نہ ہوئی ہو، میں نہایت عاجزی سے سب چھوٹوں بڑوں سے درخواست کرتا ہوں کہ اللہ کے واسطے دل سے ان کو معاف فرمادیں، اللہ تعالیٰ ان کی تقصیرات (لغزشوں) سے درگذر فرمادیں گے، میں بھی ان کے لئے یہ دعاء کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ان کو دارین میں

عفو وعافیت عطا فرمادیں، معذرت کرنے والے کی کوتاہیوں کو درگذر کرنے (اور معاف کرنے) کی بڑی فضیلت آئی ہے۔ اور اگر معاف کرنے کی ہمت نہ ہو تو شرعی فتویٰ کے مطابق مجھ سے عوض لے لیں، خدا کے لئے قیامت پر مواخذہ نہ رکھیں کہ اس کا کسی طرح تحمل نہیں۔

اس قبیل کی کوتاہیاں جو دوسروں سے میرے حق میں ہوگئی ہوں میں بطیبِ خاطر (دلی خوشی سے) گذشتہ اور آئندہ کے لئے محض خدا تعالیٰ کے راضی کرنے کو، اور اپنی خطاؤں کی معافی کی توقع پر وہ سب معاف کرتا ہوں۔

اسی طرح اگر کسی کا مالی حق رہ گیا ہو خواہ اطلاع کر کے لے لیں، خواہ معاف فرمادیں۔ (اشرف السوانح ص ۱۱۱ ج ۳)

استدعا: حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے اس سلسلہ اپنی تقریر وتحریر میں جو اعلان فرمایا جو ابھی ماقبل میں مذکور ہوا۔

(احقر مرتب کتاب (محمد زید) بھی حکیم الامت حضرت تھانویؒ کے اعلان کے مطابق یہی اعلان کرتا ہے۔

رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا اِنْ نَسِيْنَا اَوْ اَخْطَاْنَا ۚ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِيْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۚ رَبَّنَا اغْفِرْ لِيْ وَلِوَالِدَيَّ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ يَوْمَ يَقُوْمُ الْحِسَابُ ۚ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۔ وَتُبْ عَلَيْنَا اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ۔) (مرتب)

خلاصہ یہ ہے کہ خدا کے واسطے اہل حقوق میری حیات تک تو خواہ اپنے گذشتہ اور آئندہ حقوق معاف فرمادیں (یعنی اس تحریر کے وقت سے قبل کے بھی اور بعد کے بھی اگر بعد میں صادر ہو جائیں، سب معاف فرمادیں) خواہ شرعی

طریق اور شرائط پر اس کا عوض یا مثل لے لیں، اور حیات کے بعد معاف ہی فرمادیں، اسی مضمون کو مختصراً ایک رسالہ سے نظم میں عرض کرتا ہوں۔

کسی کو اگر میں نے مارا بھی ہو — بری بات کہہ کر پکارا بھی ہو
وہ آج آکر مجھ سے لے انتقام — نہ رکھے قیامت کے دن پر یہ کام
کہ خجلت بروز قیامت نہ ہو — خدا پاس مجھ کو ندامت نہ ہو

آخر میں ناظرین سے اس دعا کی درخواست کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ سفر آخرت سے قبل تمام حقوق ومظالم سے اداءً یا ابراءً سبکدوش فرمادے اور آخرت میں ہر قسم کے مواخذہ سے محفوظ فرمادے۔ ویرحم اللہ عبداقال آمینا۔

(احقر مرتب کتاب بھی اپنے تمام بھائیوں سے یہی درخواست کرتا ہے۔)

(اشرف السوانح ص ۱۴۱ ج ۳)

میں اپنے تمام غیر مالی حقوق معاف کرتا ہوں

حدیث: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ایک شخص تھا جو لوگوں کو ادھار چیز دے دیتا تھا اور اپنے غلام سے کہہ دیتا تھا کہ جب کسی تنگ دست کے پاس جاؤ تو اس کو معاف کردیا کرو، شاید اللہ تعالیٰ ہم کو اپنے حقوق سے معاف فرمادے جب وہ مر کر خدا تعالیٰ کے پاس حاضر ہوا تو اس کو اللہ تعالیٰ نے معاف فرمادیا۔

(روایت کیا اس کو بخاری ومسلم نے، مشکوٰۃ شریف، باب الافلاس)

اس حدیث کی بنا پر اللہ تعالیٰ سے معافی کی امید پر میں اپنے حقوق غیر مالیہ جو کسی کے ذمہ ہوں بغیر کسی استثناء کے سب کو معاف کرتا ہوں، اور اس قسم کا اعلان

اس سے پہلے بھی زمانہ تحریکات میں کر چکا ہوں۔

اور حقوق مالیہ میں غیر مستطیع (غریب آدمی) کو اجازت دیتا ہوں کہ مجھ سے خاص طور پر گفتگو کریں انشاء اللہ کوئی سہل راستہ نکال دوں گا، خواہ معافی خواہ تخفیف خواہ مہلت یا اور کچھ۔ (حوالہ سابق)

ایک طالب علم سے معافی مانگنے کا حضرت تھانویؒ کا واقعہ

ایک روز آدھی رات کے بعد ایک مریض کو حکیم محمد مصطفیٰ صاحب کی ضرورت ہوئی جو مولوی مظہر صاحب کے مکان میں مقیم تھے، آدمی نے آکر پھاٹک کے باہر سے آوازیں دی لیکن باوجود دیر تک چیخنے چلانے سے کچھ جواب نہ ملا حتیٰ کہ حضرت والا جو پھاٹک سے ذرا فصل پر بیرونی مکان میں آرام فرما تھے اور مولانا احمد حسن صاحب سنبھلی جو دیوان خانہ میں سوتے تھے بیدار ہوئے مولوی صاحب نے کیواڑ کھولے حضرت والا کو سخت تعجب ہوا کہ پھاٹک کے متصل طالب علم سوتا ہے وہ کہاں ہے دیکھا تو وہ طالب علم تہجد میں مصروف ہے اور باوجود اتنے غل مچنے کے نہ انہوں نے نماز مختصر کی نہ قطع کی، حضرت والا ان پر بہت ناراض ہوئے اور تادیباً مارا بھی اور فرمایا کہ اتنے دن یہاں رہ کر تمہیں یہ بھی نہ معلوم ہوا کہ دین کیا چیز ہے، دین کثرتِ نوافل یا لمبی لمبی رکعتوں کا نام نہیں ہے۔

دین اور ہی چیز ہے، پھر حضرت والا کو اس سے رنج ہوا کہ ایک نماز پڑھنے والے کو مارا گویا نہی عن الصلوٰۃ کی صورت پیدا ہوگئی، بعد نماز فجر ان طالب علم کو بلا کر فرمایا میں نے اس وقت بحالت غصہ جو کچھ کہا سنا، وہ اگرچہ تمہارے نفع کے لئے تھا مگر بعد میں مجھ کو ندامت ہوئی، اللہ کے واسطے معاف کر دو، یا بدلہ لے لو،

طالب علم نے حضرت والا کے پاؤں پکڑ لئے اور عرض کیا حضرت نے کیا زیادتی کی، میرا قصور تھا میں تو گھر بار اسی کے واسطے چھوڑے پڑا ہوں (کہ میری اصلاح ہو) اگر تادیب وتنبیہ نہ ہوگی تو میرے عیب کیسے نکلیں گے، فرمایا بھائی عاقبت کے واسطے نہ رکھو، وہاں کے بدلہ کا تحمل نہیں، عرض کیا حضرت کچھ خیال نہ فرماویں میں تو اس کو اپنا فخر سمجھتا ہوں۔

فرمایا: یاد رکھو! دین کثرتِ نوافل کا نام نہیں ہے۔ تم کو یہ چاہئے تھا کہ جب پکارنے والے نے پکارا تھا تو سبحان اللہ زور سے کہہ دیتے یا قرأت زور سے کرنے لگتے تاکہ اس کو معلوم ہوجاتا کہ دروازہ میں کوئی موجود ہے وہ پریشان نہ ہوتا اور پکارے چلا نہ جاتا، آس پاس کے لوگ بھی پریشانی سے بچ جاتے، محلہ بھر جاگ اٹھا کہ خدا جانے کوئی مرگیا، یا کنویں میں گر گیا یا چور آ گھسے یا یہ کاہے کا غل ہے، عرض کیا میں نے سورہ والفجر شروع کردی تھی جب تک وہ ختم ہوئی یہ تمام غل مچ گیا (حضرت نے فرمایا) سبحان اللہ! یہ اور بڑھ کر ہوئی آپ کی تو قرأت ہوئی اور مریض اور تمام محلہ کو پریشانی ہوئی، چاہئے یہ تھا کہ بقدر ضرورت قرأت کر کے نماز ختم کردیتے اور فوراً دروازہ کھول دیتے، مریض مضطر (مجبور) ہوتا ہے اور اس کے دیر کرنے میں اس کی ایذا ہے اور حدیث میں ہے اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِّسَانِهٖ وَيَدِهٖ (کامل مسلمان وہ ہے جس کی زبان و ہاتھ سے یعنی اس کی کسی تکلیف دہ حرکت سے دوسرے مسلمان محفوظ ہوں) جس فعل سے مسلمان کو ایذا ہو وہ دین نہیں ترک دین ہے بعض موقعوں پر نماز قطع کرنا اور توڑ دینا واجب ہے مثلاً تمہارے سامنے کوئی کنویں میں گرا جاتا ہو اور تم نماز میں ہو تو واجب ہے کہ نماز توڑ کر اس کو بچاؤ ورنہ بجائے ثواب کے گناہ ہوگا۔ اس کے

بعد فرمایا آج سے تم دروازہ پر نہ سویا کرو، میں کسی طالب علم سے خدمت نہیں لیتا ہوں، طالب علم اس واسطے نہیں ہیں، ان کو اپنا ہی کام بہت ہے کسی کی خدمت کریں گے یا پڑھیں گے، نیز اس وجہ سے کہ خدمت کرانے سے مجھ پر ان کا ایک قسم کا دباؤ اور لحاظ ہو جائے گا، پھر اگر تادیب وتنبیہ کی ضرورت ہوگی تو میں نہ کرسکوں گا، نیز اس خیال سے کہ خدمت کر کے کوئی اپنے کو مقرب نہ خیال کرے اور لوگ اس کو بیچ میں نہ ڈالیں اس پر بہت سے مفاسد مبنی ہوتے ہیں جیسا کہ اکثر مشائخ کے یہاں موجود ہے اور ذاکرین کو اس قاعدہ کے ساتھ اور زیادہ خاص کر رکھا ہے، اگر کوئی طالب علم خود کوئی کام میرا کردے تو میں منع بھی نہیں کرتا ہوں لیکن ذاکرین کو اس سے بھی روکتا ہوں ایک تو ذکر کا ادب اور دوسرے اس وجہ سے کہ کوئی ان میں سے میرے اوپر کسی بات پر اصرار کی جرأت نہ کرنے لگے نیز کسی کو یہ خیال نہ ہو جاوے کہ میں مقرب ہو گیا اس سے ذکر وشغل میں کمی کرنے لگے۔

(کمالات اشرفیہ ص ۳۳۸ ملفوظ نمبر ۱۱۴)

معافی تلافی اور صلح صفائی ہو جانے کے بعد بھی دوستی اور تعلقات کا ہونا ضروری نہیں

حدیث: ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کسی شخص کو حلال نہیں کہ اپنے بھائی سے تین روز سے زیادہ قطع تعلق کردے اس طرح سے کہ دونوں کا آمنا سامنا ہو جاوے اور یہ اس سے منہ پھیر لے اور وہ اس سے منہ پھیر لے، اور ان دونوں میں وہ اچھا ہے جو پہلے

سلام کرے، روایت کیا اس کو بخاری و مسلم نے۔

(مشکوٰۃ باب ما ینہی عنہ من التہاجر)

فائدۃ: اس حدیث کی بنا پر اپنے لئے بھی اور اپنے ظالموں کے لئے بھی اور اپنے مظلوموں کے لئے بھی مشترکہ مسئلہ کی تحقیق کرتا ہوں کہ کسی کی خطا معاف کردینے پر اور عذر قبول کر لینے پر یہ لازم نہیں کہ اس سے دوستی و خصوصیت بھی رکھے، بعض اوقات اس پر قدرت نہیں ہوتی اور بعض اوقات بعد تجربہ کے اس میں مصلحت نہیں ہوتی۔

البتہ اتنا ضرور ہے کہ اگر اتفاق سے ملاقات ہوجائے تو باہم سلام کرلیں، اور اگر ایک کی طرف سے کوئی ضروری بات چیت ہو تو دوسرا اس کا مناسب جواب دے دے گو مختصر ہی ہو، اور اگر ضرورت سے زیادہ بات چیت کا سلسلہ ہونے لگے جس سے بے تکلفی پیدا کرنے کا احتمال ہو تو نرمی سے عذر کردے اس حدیث کے حاشیہ لمحات میں سیوطی کے حاشیہ علی الموطا سے ایسا ہی مضمون نقل کیا ہے۔ (اشرف السوانح ۱۳۹ ج ۳، ۱۴۱ ج ۳)

معافی ہوجانے کے بعد بھی بشاشت قلب اور دل ملنا ضروری نہیں

اس کے علاوہ حضرت والا نے معترض کے توبہ نامہ کے جواب میں ایک دقیق مسئلہ کی تعلیم بھی فرمادی کہ معافی اور چیز ہے اور دل ملنا اور چیز ہے کیونکہ بشاشتِ قلب (یعنی دل کا خوش ہوجانا) غیر اختیاری امر ہے جو بعض حالتوں میں

فوت ہونے کے بعد پھر عمر بھر بھی پیدا نہیں ہوتی، چنانچہ حضرت والا اس کی تائید میں حضرت وحشی رضی اللہ عنہ کے واقعہ کو نقل فرمایا کرتے ہیں جو اس باب میں نص صریح ہے، فرمایا کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ کس کا قلب منور ومطہر اور وسیع وعالی ہوسکتا ہے، جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب مبارک میں بھی حضرت وحشی رضی اللہ عنہ کی طرف سے ان کے اسلام لانے کے بعد بھی بشاشت پیدا نہ ہوئی تو ہم لوگ تو چیز ہی کیا ہیں، حالانکہ حضرت وحشی رضی اللہ عنہ کے ظلم کی معافی اسلام لانے کے بعد یقیناً ہوچکی تھی کیونکہ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے اَلْاِسْلَامُ یَھْدِمُ مَا کَانَ قَبْلَہٗ (یعنی اسلام سابقہ تمام گناہوں کو ختم کردیتا ہے) لیکن اس ظلم کی نوعیت ہی ایسی تھی کہ معافی ہوجانے کے باوجود بھی اس کا اثر رنج کی شکل میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب مبارک میں موجود رہا، کیونکہ اسلام لانے سے قبل حضرت وحشی رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کو نہایت بے دردی کے ساتھ غزوہ احد میں شہید کیا تھا، جس کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت وحشی رضی اللہ عنہ پر نظر پڑتے ہی استحضار ہوجاتا تھا (یعنی پورا واقعہ یاد آجاتا اور غم تازہ ہوجاتا تھا) اور ان کی طرف سے قلب مبارک میں انقباض پیدا ہوجاتا تھا، یہاں تک کہ بالآخر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت وحشی رضی اللہ عنہ سے صاف فرمادیا ھَلْ تَسْتَطِیْعُ اَنْ تُغَیِّبَ وَجْھَکَ عَنِّیْ (یعنی کیا تم ایسا کرسکتے ہو کہ میرے سامنے نہ آیا کرو) چنانچہ وہ شام تشریف لے گئے اور پھر جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مرضی مبارک تھی کبھی اپنا چہرہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ دکھایا۔

(اشرف السوانح ص ۷۲ ج ۲)

ضروری تنبیہ

اس موقع پر یہ ضروری تنبیہ قابل غور ہے کہ اس طریق خاص کے اختیار کرنے کا ہر شخص ہرگز اہل نہیں، لہٰذا عام مصلحین اس کے اختیار کرنے کی ہرگز جرأت نہ کریں، ورنہ وہ کورانہ تقلید کر کے اپنا بھی اور طالبین اصلاح کا بھی ناس کریں گے، یہ صرف ان خاص الخاص حضرات ہی کا منصب ہے جو نفسانیت سے بالکل نکل چکے ہیں، اور جو حدود کی حفاظت پر پوری طرح قادر ہیں، محض تقلید سے اس خاص منصب کی اہلیت نہیں پیدا ہو سکتی۔ (اشرف السوانح ص ۳۷ ج ۲)

طبیعتیں مختلف ہوتی ہیں ہر شخص سے الفت ومحبت وبے تکلفی ہونا ضروری نہیں

حدیث شریف میں ہے الارواح جنود مجندة ماتعارف منها ایتلف وماتنا کر منها اختلف. (مشکوٰۃ شریف)

تمام روحیں ایک مجمع لشکر کی صورت میں تھیں پس جن میں باہم اس وقت تعارف اور آشنائی ہو چکی ہے ان میں یہاں الفت ومحبت ہو جاتی ہے، اور جن میں اسی وقت تعارف نہیں ہوا وہ یہاں بھی میل نہیں کھاتے، یہ مضمون محض منقول ہے مشاہد نہیں مگر مخبر صادق (صلی اللہ علیہ وسلم) کی خبر ہے اس لئے ماننا پڑے گا، ہاں بعضے عارفین نے جن کو یہ واقعہ یاد رہا بتلایا ہے کہ عہد الست کے وقت جب ارواح کا اجتماع ہوا تھا تو فلاں شخص ہمارے داہنے تھا، فلاں بائیں طرف تھا، فلاں سامنے تھا۔

نیز اہل کشف نے یہ بھی لکھا ہے کہ اس اجتماع کی چار صورتیں ہوئی تھیں بعض روحوں کا منہ ایک دوسرے کے آمنے سامنے تھا ان میں تو دنیا میں جانبین سے الفت (ومحبت) ہوجاتی ہے، بعض اس طرح کھڑی تھیں کہ ہر ایک کی پشت دوسرے کی طرف تھی ان میں ہر ایک کو دوسرے سے نفرت ہوتی ہے، اور بعض روحیں اس طرح جمع تھیں کہ ایک کا منہ دوسرے کی پشت کی طرف تھا سو ان میں ایک کی طرف سے میلان ہوجاتا ہے دوسری طرف سے نفرت، (سو ایسے لوگوں میں باہم) اتحاد نہیں ہوسکتا ہے۔ یہ قدرتی امر ہے، بعض دفعہ ایک شخص نیک ہوتا ہے مگر ان کی صورت کو دیکھ کر طبیعت میں کشش نہیں ہوتی پس اس پر تعجب نہ کیا جائے کہ نیک آدمیوں میں اختلاف مزاج کیوں ہوتا ہے، (وجہ اس کی ابھی ماقبل میں گذری)

اسی طرح بعض دفعہ واقعی میاں بیوی دونوں نیک ہوتے ہیں مگر باہم نباہ نہیں ہوتا، کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ میاں بیوی دونوں نیک ہوتے ہیں مگر پھر بھی عورت کو طلاق سے مسرت ہوتی ہے کیونکہ طبیعتوں میں مناسبت اور موافقت نہ ہونے کی وجہ سے اجتماع نہیں ہوسکتا، بعض میاں بیوی الگ الگ رہیں تو بہت نیک ہیں مگر اجتماع سے آفت نازل ہوتی ہے۔ (حرمات الحدود، ملحقہ حدود وقیود ص ۱۲۸)

سبّ وشتم کے جواب میں حضرت اقدس تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا مکتوب گرامی

(فرمایا) ایک مقام سے ایک خط آیا ہے جس میں دل کھول کر میرے طریق اصلاح وتربیت پر مجھ کو سبّ وشتم کیا گیا ہے۔ (چند روز بعد ان کا مندرجہ ذیل خط آیا وہو ہذا)

نقل خط

مکرم ومحترم حضرت مولانا صاحب السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ ورضوانہٗ کچھ عرصہ ہوا یہ بدبخت روسیاہ خدمت والا میں بے اجازت چلا گیا، آپ نے اس مستحق کو خوب زجر (تنبیہ) فرمائی، سو آپ حق بجانب تھے، میں نے یہاں آکر مصلح بن کر آپ کو خط لکھا کہ اتنا غصہ اور ہتک (ذلیل) نہ کرنا چاہئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایسا سلوک نہ تھا، اور بہت بے باکانہ الفاظ لکھے، سو اب اس نمک حرام نے آپ کی تصنیف ''تکشف'' سے متشددین اور معاندین کا بیان پڑھا ہے، اور بہت نادم ہے اور شرمسار محروم، میں نے خسران دارین (یعنی دنیا وآخرت کا نقصان) لینے میں بڑی جرأت کی، کیا آپ مجھے للہ گستاخی معاف فرماتے ہیں؟ یا میرا جرم ناقابل تلافی ہے؟ فاعف عنی۔

حضرت اقدس تھانویؒ کا جواب

السلام علیکم:۔ اگر معافی کے یہ معنی ہیں کہ قیامت میں مواخذہ نہ کروں، دنیا میں بددعا نہ کروں، غیبت نہ کروں تو معاف ہے، چنانچہ میں نے کسی کو نام بھی نہیں بتایا، بلکہ بستی کا نام بھی نہیں بتایا کہ کسی کے دل میں بغض نہ ہو جائے، اور اگر (معافی کے) یہ معنی ہیں کہ دوستوں جیسا تعلق رکھوں یا خط وکتابت یا ملاقات کی اجازت دوں تو معاف نہیں تاکہ پھر کسی پر ظلم نہ کرو۔ اشرف علی

گستاخی اور بے ہودہ حرکتوں کا کسی سے تذکرہ نہ کرنا

یہاں ایک امر اور قابل غور عرض ہے کہ باوجود (اس قدر) ناگواری کے جو

معترض کے گستاخانہ لہجہ اور بیہودہ اعتراضات سے پیدا ہوئی تھی حضرت والا نے اتنی رعایت فرمائی کہ نہ معترض کا خط کسی کو سنایا بلکہ اسی وقت اسے چاک فرمادیا جیسا کہ حضرت والا کا معمول ہے، اور نہ معترض کا نام اور پتہ کسی کو بتایا، بلکہ اس درجہ اہتمام کے ساتھ چھپایا کہ ڈاک خانہ کی مہر کو بھی قلم زد فرمادیا اور اس طرح کہ کوئی پڑھ نہ سکے، اور احقر نے صوبہ کا نام دریافت کیا تو وہ بھی نہ بتایا اور فرمایا کہ میں چاہتا ہوں کہ اس صوبہ سے بھی کسی کو بغض نہ ہو، اور وہاں کے رہنے والے محبوبین کو شرمندگی بھی نہ ہو۔ (اشرف السوانح ص ۷۱ ج ۲، ۱۲۲ ج ۲ ۵۲ھ)

جس نوع کی غلطی ہو معافی بھی اسی انداز کی ہونی چاہیے

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ

(ایک مدرسہ کی بابت فرمایا کہ میں فلاں مدرسہ کی سرپرستی سے) مستعفی ہوگیا، اور یہ استعفاء بعض ممبروں کی ایک تحریر کی بنا پر تھا، اس تحریر کے الفاظ ایسے دلآزار اور دلشکن تھے جو تہذیب سے بھی گرے ہوئے تھے، آخر تہذیب اور شائستگی بھی کوئی چیز ہے؟ اور اصل بات تو یہ ہے کہ جس چیز کا تحمل نہ ہو اس سے علیحدہ ہوتا ہی مناسب ہے، مجھے ایسی چیزوں سے مناسبت نہیں، اس تحریر کے بعد یہاں مدرسہ کے ممبران وفد کی صورت میں آئے تھے ان میں وہ صاحب بھی تھے جن کی وہ تحریر تھی، میں نے ان سے صاف کہہ دیا کہ مجھ کو آپ کی اس تحریر سے رنج پہنچا ہے اور ہے اور رہے گا آپ سے اس کی شکایت ہوئی اور ہے اور رہے گی جب تک کہ اس کا تدارک نہ ہوگا، اس پر ان صاحب نے معافی چاہی، میں نے کہا کہ جس درجہ کی غلطی اسی درجہ کی معذرت ہو تب اس کا تدارک ہوسکتا

ہے وہ یہ کہ تحریری غلطی ہے تحریری ہی معذرت ہو، اور چونکہ اس تحریر کا اعلان ہو چکا ہے لہٰذا معذرت (معافی) کا بھی اعلان ہونا چاہئے۔

آخر میں میں نے یہ کہہ دیا کہ نہ میں اس غلطی کے اعلان کا منتظر ہوں نہ مستدعی ہوں، نہ مشتاق ہوں، اگر ساری عمر بھی آپ ایسا نہ کریں تو مجھے کوئی ضرورت نہیں صرف اپنی رضاء کی شرط بتلائی ہے۔ (ملفوظات حکیم الامت ص ۵۹۷ ج ۱ قسط ۵)

اور (مذکورہ قصہ میں) مجھ کو جو کچھ شکایت ہوئی محض اس وجہ سے کہ آپ کو محبت کا دعویٰ ہے اور معاملہ سے بھی اس کا اظہار کیا جاتا ہے، اور زبان سے بھی کہا جاتا ہے اَنَا مُحِبٌّ لَکَ ورنہ میں تو اپنے کو اس سے بھی بدتر سمجھتا ہوں جتنا مجھ کو کہا جاتا ہے، دیکھئے احمد رضا خانصاحب نے مجھ کو ہمیشہ برا کہا مگر مجھ پر ذرہ برابر بھی اثر نہیں ہوا۔

ایک صاحب بولے کہ جس تحریر پر شکایت ہے ان صاحبِ تحریر کی عادت ہی ایسی ہے، ان کی تحریر کا طرز ہی یہ ہے، میں نے کہا آپ کچھ خیال نہ کریں اس جاننے کے ساتھ کہ ان کا یہ طرز ہے یہ بھی جان لینا چاہئے کہ دوسرے کا یہ طرز ہے کہ وہ اس سے دیگر دل گرفتہ ہوتا ہے، ان کا یہ طرز اور ہمارا یہ طرز، پھر ہمارے طرز سے ہم کو کیوں روکا جاتا ہے، اس پر خاموش ہو گئے۔

اور صاحبِ تحریر نے جب مجھ سے معافی مانگی میں نے صاف کہہ دیا کہ معافی تو یہ ہے کہ میں نہ دنیا میں مواخذہ کروں گا نہ آخرت میں لیکن اگر تعلقات بھی ویسے ہی رکھنا چاہتے ہو تو اس کے لئے یہی شرط ہے کہ اپنی غلطی کو چھپوا کر شائع کرو۔

جن صاحب کے ہاتھ کی وہ بے ہودہ تحریر بھیجی تھی جس سے انہوں نے معافی مانگ لی تھی اس معافی کی اشاعت کے متعلق انہوں نے تو کچھ نہیں کہا مگر ان کی

طرف سے ایک صاحب بطور وکیل گفتگو کرنے لگے، کہا کہ وہ مضمون معافی کا ''النور'' یا ''الہادی'' میں شائع کردیا جائے میں نے کہا کہ یہ رسالے تو میری طرف منسوب ہیں ان میں چھاپنے سے وہم ہوگا کہ میں نے استدعاء (خواہش) کی ہے، مستقل (علیحدہ) چھاپو، کہا کہ اخبارات میں مضمون دے دیا جائے، میں نے کہا کہ یہ بھی مناسب نہیں اس لئے کہ اخبارات نااہلوں کے ہاتھ میں جاتے ہیں مجھ کو تو یہ بھی گوارا نہیں کہ ان صاحب تحریر کی اہانت نااہلوں کی نظر میں ہو، غرضیکہ میری طرف منسوب رسالوں میں شائع ہو یہ میری وضع کے خلاف ہے اور اخبارات میں شائع ہو وہ آپ کی شان کے خلاف ہے۔ (شاید متعلقہ دینی رسائل میں اشاعت مناسب ہو)

(ملفوظات حکیم الامت ص ۲۵۸ ج ۱)

ضرورت کے وقت اپنوں کو چھوڑنے اور قطع تعلق کا طریقہ

دیکھئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم ہوا ہے کفار کے چھوڑنے کا مگر کس طرح وَاهْجُرْهُمْ هَجْرًا جَمِيْلًا یعنی ان کو چھوڑ دیجئے خوبی کے ساتھ، یہ معاملہ کفار کے ساتھ ہے اس سے سبق لینا چاہئے کہ مسلمان کو اگر چھوڑنا ہو تو کس طرح چھوڑنا چاہئے، بس نہایت نرم الفاظ میں عذر کردے کہ میں اب آپ سے تعلق نہیں رکھنا چاہتا، اور اس کے ساتھ کسی قسم کی بے ادبی نہ کرے اور ایذاء (یعنی تکلیف) نہ دے، یہ حق ہے صحبت کا۔ (جلاء القلوب ملحقہ ذکر وفکر ص ۳۶۳)

وَاهْجُرْهُمْ هَجْرًا جَمِيْلًا یعنی خوبصورتی کے ساتھ ان سے الگ ہوجاؤ، الگ ہونا یہ کہ کوئی تعلق نہ رکھو اور خوبصورتی سے یہ کہ ان کی شکایت وانتقام کی فکر میں مت پڑو۔ (بیان القرآن سورہ مزمل پ ۲۹)

باب ۹

مخالفین ومعترضین کے جواب میں

اللہ والوں کی مخالفت ہوتی ہی ہے

یہ بات سب کو معلوم ہے کہ یہ سنت اللہ ہے کہ جہاں اللہ والے ہوتے ہیں وہاں ان کے مخالف بھی ہوتے ہیں، مولوی صاحب کے پڑوس میں ایک مخالف بھی رہتے ہیں پھر مخالفین میں بھی بعض کی طبیعتوں میں خبث ہوتا ہے ان کا جی اسی میں خوش ہوتا ہے کہ دوسروں کو تکلیف میں دیکھیں۔

(ملفوظات حکیم الامت ۴۴۱ ج ۱۰)

اہل اللہ میں خودداری کہاں، گالیاں بھی پڑنے لگیں تو ان کو پرواہ نہیں ہوتی گو طبعاً حزن (رنج وغم) ہو، یہ حالت نہیں ہوتی کہ کسی کے برا بھلا کہنے پر اس کے درپے ہوئے گئے، مشورہ کرتے پھر رہے ہیں، ایک طالب علم نے ایک مولوی صاحب کا مقابلہ کیا مگر وہ پھر بھی اس کے درپے نہ ہوئے حالانکہ ان کو اس پر پورا قابو تھا، (بہت کچھ کر سکتے تھے لیکن حلم اور صبر وسکون سے کام لیا یہ اہل اللہ کی شان ہوتی ہے) (ملفوظات کمالات اشرفیہ قدیم ۱۱۴)

معترضین کے اعتراضات بھی حق تعالیٰ کی نعمت ہیں

فرمایا: بعض مہربانوں کی طرف سے جو برا بھلا کہنے اور سب وشتم اور لعن طعن کی بوچھار نظر آتی ہے یہ سب حق بات کے اظہار کی بدولت ہو رہی ہیں، ایسے

حضرات کا شب و روز مشغلہ ہے کہ مجھ پر اور میری تصانیف پر اعتراضات کئے جارہے ہیں اور لوگ تو اس کو دشمنی پر محمول کرتے ہیں اور میں خدا کی ایک بڑی زبردست رحمت اور نعمت پر محمول کرتا ہوں، اگر میں ہزاروں روپیہ بھی صرف کرتا اور اپنی تصنیفات پر اصلاحی نظر کراتا تب بھی اس قدر کامیابی کا ہونا مشکل تھا، جس قدر اب مخالفین کی بدولت کام ہو رہا ہے، یہ سب خدا کا فضل اور رحمت ہے جس کا میں شکر ادا نہیں کرسکتا۔ (ملفوظات حکیم الامت ص ۳۶ ج ۴ قسط ۱)

میں معترضین کو اور ان اعتراضات کو بھی اللہ تعالیٰ کی نعمت سمجھتا ہوں ہزاروں روپیہ صرف کرنے پر بھی یہ بات نصیب نہ ہوتی جو یہ لوگ مفت میں کرتے ہیں، گو ان کی نیت اچھی نہ ہو مگر مجھ کو تو اپنی زلات (لغزشوں) سے آگاہی ہو جاتی ہے اور اس مضمون کی تصحیح ہو جاتی ہے، اللہ کا شکر ہے کہ مخالفین سے وہ کام لے رہے ہیں جو بعض اوقات اپنے بھی نہیں کرسکتے۔

(ملفوظات حکیم الامت ص ۳۲۵ ج ۳ قسط ۳ ملفوظ ۴۷۳)

مخالفین کے طعن و تشنیع کے جواب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا طرز عمل

دیکھو کفار نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نام بجائے محمد کے مذمّم رکھا تھا لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس کا جواب تو کیا دیتے اس سے بڑھ کر یہ کہ صحابہ سے یہ لفظ سنا نہ جاتا اور اس کی گستاخی کے سننے کی تاب نہ لاتے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کی تسلی دیتے اور فرماتے کہ دیکھو حق تعالیٰ نے قریش کے برا بھلا کہنے کو اور سبّ وشتم کو مجھ سے کیسا ہٹایا ہے اور مجھے اس سے کیسا بچایا ہے وہ مذمم کو گالیاں دیتے تھے اور میں تو محمد ہوں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کو اس طرح تھامتے تھے اور بعض صحابہ نے ایسے موقع پر جواب دینا شروع کیا تو یہ آیت اتری وَقُلْ لِعِبَادِیْ یَقُوْلُوا الَّتِیْ ھِیَ اَحْسَنُ اِنَّ الشَّیْطٰنَ یَنْزَغُ بَیْنَھُمْ یعنی آپ کہہ دیجئے میرے بندوں سے کہ وہ بات کہا کریں جو اچھی ہے، مطلب یہ ہے کہ بری بات کے جواب میں بری بات نہ کہیں شیطان چاہتا ہے کہ ان میں لڑائی کرادے، سبحان اللہ کیسی تعلیم ہے۔

اللہ اکبر! کس قدر بچایا ہے بیہودہ مشغلوں سے، ان سب تعلیمات کا حاصل یہی ہے کہ اپنے کام میں لگو فضول جھگڑوں میں نہ پڑو، بری بات کے جواب میں بری بات مت کہو، یہ بھی فضول حرکت ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں اسلام کی خوبی یہ ہے کہ فضول باتوں میں آدمی نہ پڑے، جاہل آدمی کا جواب دینا فضول ہی ہے کیونکہ اس کا حاصل (اور فائدہ) کیا؟ اگر جواب دے ہی دیا اور اس کو خاموش ہی کر دیا تو کتنی رکعت کا ثواب ملا، اپنا جو اصلی کام تھا خوامخواہ اس کا حرج کیا، جاہل کو تو اس کی بات کا جواب بھی نہ دینا چاہئے، یہ تعلیم تو ان کے اقوال کے جواب میں تھی۔ (الباطن ملحقہ اصلاح باطن ص ۱۸۲)

ظالموں کے ظلم کے جواب میں حضور ﷺ کے اخلاق حسنہ

اب ان کے افعال کے مقابلہ میں سنئے کیا جواب دیا جاتا تھا، حضور ﷺ اسلام کی دعوت کے لئے طائف تشریف لے گئے تو ان نامعقولوں نے لڑکوں سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر پتھر پھینکوائے، جس سے جسم مبارک زخمی ہوگیا، یہ حالت گذری کہ کئی وقت کھانے کو نہیں ملا سوائے اس کے کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے پاس کچھ تھوڑی بہت باسی سوکھی روٹی تھی یا کچھ کھجور وغیرہ ہوں گی اس کو کھا کر پانی پی

لیتے مگر ان کے ان افعال کے جواب میں زبان مبارک سے کچھ نہیں فرمایا، بلکہ حدیث میں آیا ہے کہ "ملک الجبال" یعنی فرشتہ جو پہاڑوں پر مقرر کیا ہوا ہے آیا اور عرض کیا کہ مجھ کو خدا تعالیٰ نے بھیجا ہے اگر آپ حکم دیں تو ان کو پہاڑوں کے بیچ میں پیس دوں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا کہ مجھے اور میری قوم کو چھوڑ دو، یہ لوگ ایمان نہیں لائے تو کیا ہے، شاید ان کی نسل میں سے کوئی ایمان لے آئے، اس قدر اختیار میں تصرفات کے باوجود کہ "ملک الجبال" حاضر ہے، حکم کا منتظر ہے ذرا اشارہ ہو تو سب کو خاک میں ملا دے، لیکن ان کی تکلیف کو گوارہ نہیں کیا، یہ ان کے ایسے افعال کا جواب تھا جن کے سننے سے بھی غیظ (غصہ) پیدا ہوتا ہے اور جوش اٹھتا ہے۔

یہ ہیں اخلاق نبوی، سبحان اللہ، واقعی انبیاء دشمنوں کے بھی خیر خواہ ہوتے ہیں، حقیقت میں رسول کی شان یہی ہوتی ہے کہ وہ دشمنوں کا بھی برا نہیں چاہتے، دیکھ لیجئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کس قدر شفیق اور رحیم وکریم ہیں کہ ایسے دشمنوں کو بھی تکلیف پہنچانا گوارا نہ کیا بلکہ ان کے ساتھ خیر خواہی کی، دنیا میں بھی اور دین میں بھی، دنیا میں تو یہ کہ ملک الجبال (پہاڑوں والے فرشتہ) کو ان کے ہلاک کرنے سے منع کر دیا، اور دین کی خیر خواہی دیکھئے کہ ان ہی کے واسطے ان کے افعال کے مقابلہ میں کیا دعا فرماتے ہیں۔ اَللّٰھُمَّ اھْدِ قَوْمِیْ فَاِنَّھُمْ لَایَعْلَمُوْنَ یعنی اے اللہ میری قوم کو ہدایت کر دیجئے یہ لوگ جانتے نہیں۔

دیکھئے دشمنوں کے ساتھ کیا برتاؤ ہے ان کی تکلیف تو کیا گوارا فرماتے ان کو یہ دعاء دیتے ہیں کہ اے اللہ ان کو جنت میں بھیج دیجئے، ہدایت کی دعاء کرنے کا یہی مطلب ہے کہ یہ دوزخ سے بچ جائیں اور جنت میں پہنچ جائیں۔

(غور کیجئے!) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دشمنوں کی تکلیفیں اٹھائیں

،بھوکے رہے، پاؤں مبارک زخمی ہوگئے مگر ذرا بھی پیشانی پر بل نہیں پڑا، نہ ان کا ہلاک ہوجانا چاہا، نہ یہ چاہا کہ وہ اپنے حال پر گمراہی میں رہیں بلکہ یہی دعا فرمائی کہ اے اللہ ان کو ہدایت کردیجئے یہ لوگ ناواقف ہیں۔

یہ ہے طریقہ انبیاء علیہم السلام کا مخالفین کے ساتھ کہ ان کی برائی کا جواب برائی کے ساتھ نہیں دیتے ،ان کے پیروکاروں (خصوصاً علماء کرام کو جو نبی کے جانشین ہیں ان کو) بھی یہی طرز رکھنا چاہئے ،اگر کوئی برا بھلا کہتا ہے کہے وہ اپنا منہ خراب کرتا ہے، کوئی ملاّ نا کہے، دیوانہ پاگل کہے اس سے کچھ تعرض مت کرو، اس نے تو اپنا وقت خراب کیا تم اپنا وقت کیوں خراب کرتے ہو۔

بعض وقت بعض علماء کو یہ خیال ہوتا ہے کہ ان کی بدگوئیوں پر صبر کرنے سے ان کی دلیری بڑھتی ہے لہٰذا کچھ جواب دیا جائے، میں کہتا ہوں کہ ان کو اس کی بھی پرواہ نہیں کرنا چاہئے، ان کی دلیری بڑھے گی تو اپنے واسطے برائی کو بڑھائیں گے ان کا کیا لیں گے، خیر یہ تو اپنی جماعت کو مشورہ تھا۔ (الباطن ملحقہ اصلاح باطن ص ۱۸۴و۱۸۵)

حسن اخلاق اور نرمی برتنے کا تو فائدہ یقینی ہے

حق تعالیٰ کا فرمان ہے وَلَا تَسْتَوِی الْحَسَنَةُ وَلَا السَّيِّئَةُ ادْفَعْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِیْ بَیْنَكَ وَبَیْنَهٗ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهٗ وَلِیٌّ حَمِیْمٌ

(پ۲۴ سورہ سجدہ)

(ترجمہ ومطلب) نیکی اور بدی برابر نہیں ہوتی بلکہ ہر ایک کا جدا اثر ہے، تو آپ نیک برتاؤ سے بدی کو ٹال دیا کیجئے پھر یکایک دیکھ لینا کہ آپ میں اور جس شخص میں عداوت تھی وہ ایسا ہوجائے گا جیسے کوئی دوست ہوتا ہے یعنی برائی کا بدلہ

برائی سے کرنے میں تو عداوت بڑھتی ہے اور نیکی کرنے سے بشرط سلامت (یعنی طبیعت اور مزاج میں سلامتی کی شرط کے ساتھ) دشمن کی عداوت گھٹتی ہے حتیٰ کہ اکثر بالکل عداوت جاتی رہتی ہے (دشمن) دوست کے مشابہ ہو جاتا ہے گو دل سے دوست نہ ہو۔ (بیان القرآن سورہ سجدہ پ۲۴) (ص۵۸ ج۱۰)

شاید یہاں اس آیت کے مضمون پر کسی کو یہ شبہ ہو کہ بعض دفعہ ہم کسی سے بہت ہی نرمی کرتے ہیں مگر پھر بھی دوسرے پر اثر نہیں ہوتا، اس کا جواب یہ ہے کہ تم کو کیا خبر کہ نفع نہیں ہوا، ممکن ہے کہ اگر تم نرمی نہ کرتے تو وہ اس سے زیادہ درپے ہوتا جیسے کوئی شخص دوا استعمال کرے اور پوری شفاء نہ ہو تو یہ نہیں کہہ سکتے کہ نفع بالکل نہیں ہوا، کیونکہ ممکن ہے کہ دوا نہ کرنے سے مرض اور بڑھ جاتا ہے، اسی لئے حق تعالیٰ نے وَلِیٌّ حَمِیْمٌ مطلقاً نہیں فرمایا بلکہ کَاَنَّهٗ وَلِیٌّ حَمِیْمٌ فرمایا ہے۔

اس میں اشکال کا جواب ہے کہ اس نرمی کے برتاؤ سے عداوت (دشمنی) میں کمی آجاتی ہے اور دشمنی کی کمی سے دوستی کی صورت پیدا ہو جاتی ہے اور نرمی کے برتاؤ میں تقلیلِ عداوت (یعنی مخالفت اور دشمنی کم کرنے) کا خاصہ ضرور ہے۔

(الاخوۃ التبلیغ ص۸۸ ج۱۳)

الغرض یہ آیت مخاطب کی سلامتی طبع کے ساتھ مقید ہے اور جن کی طبیعت میں سلامتی نہ ہو ان کے لئے دوسرا حکم ہے، مگر مسلمانوں میں تو زیادہ تر سلیم الطبع ہی ہیں اس لئے تم اپنے مخالفین کو (عام حالات میں) کج طبع نہ سمجھو، اور نہ اپنے کام کا مخالف سمجھو بلکہ ان کی مخالفت کو غلط فہمی پر محمول کرو، مثلاً یہ کہ وہ تمہارے متعلق بڑا بننے اور طالب جاہ ہونے کا خیال کرتے ہیں اس لئے شرکت نہیں کرتے۔ ان کے فعل کو اس پر محمول کر کے ان کے ساتھ نرمی کرو، اور نرمی سے اصلاح کی کوشش کرو۔ (التبلیغ ص۹۸ ج۱۳)

نرمی سے فائدہ نہ ہونے کی صورت میں سختی کی ضرورت

دوسرا جواب یہ ہے کہ یہاں حق تعالیٰ نے اس فعل کی (یعنی نرمی کا برتاؤ کرنے کی) خاصیت بیان فرمائی ہے، اور خاصیت ظاہر ہونے کے لئے کسی مانع کا نہ ہونا شرط ہے جیسے دوا نافع ہے مگر بعض دفعہ کوئی خلط فاسد غالب ہوتی ہے تو (اس عارض کی وجہ سے اس) دوا کا نفع ظاہر نہیں ہوتا، کیونکہ نفع ظاہر ہونے کے لئے کسی خلط فاسد کا غالب نہ ہونا شرط ہے، اسی طرح دَفْعُ سَيِّئَةٍ بِالْحَسَنَةِ (برائی کو بھلائی سے دفع کرنے) کا نفع ظاہر ہونے کے لئے مخاطب کی طبیعت کی سلامتی شرط ہے، اگر مخاطب کی طبیعت میں سلامتی نہ ہوگی تو اس فعل کا اثر ظاہر نہ ہوگا، پس جس طرح طبیب پہلے تقلیل مادہ کی کوشش کرتا ہے، مرہم وغیرہ سے دمل (پھوڑے) کو تحلیل کرتا ہے اور اگر اس سے کام نہ چلے تو پھر نشتر لگاتا ہے، اسی طرح حق تعالیٰ نے امراض باطنہ کے متعلق ہم کو یہی طریقہ تعلیم کیا ہے کہ پہلے تو مخالف کے ساتھ نرمی کرو، اگر اس سے اس کی عداوت کم ہو جائے اور وہ آدمی بن کر رہے تو مقصود حاصل ہو گیا، اور اگر اس سے کام نہ چلے تو یہ ثابت ہوگا کہ اس کا فاسد مادہ بہت غالب ہے اب اس کے لئے نشتر کی ضرورت ہے، چنانچہ دیگر نصوص میں قتال کا امر ایسے ہی لوگوں کے واسطے (خاص حالات میں اور خاص شرائط کے ساتھ) ہے، پس ان نصوص کے ملانے سے معلوم ہو گیا کہ اس جگہ پر جو حکم منصوص ہے یہ حکم عام نہیں بلکہ مخاطب کی طبیعت کی سلامتی کے ساتھ مقید ہے، اور جس کی طبیعت نہایت کج (اور فاسد) ہو اس کا علاج نشتر (اور سختی کرنا) ہے، کیونکہ یہ بھی ایک علاج ہے، فاسد مادہ جب تحلیل کے قابل نہ ہو تو اس کو نکال کر

باہر کردینا ضروری ہے، ورنہ تمام جسم کو خراب کردے گا۔ (الاخوۃ، التبلیغ ص ۸۹ ج ۱۳)

غلط نظریئے کی تردید میں نرم پہلو اختیار کرنے کی ضرورت

اور اس کا فائدہ

ایک اہل علم حضرت حکیم الامتؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنا واقعہ بیان کیا کہ میں فلاں مدرسہ کے جلسہ میں شریک تھا وہاں پر مختلف لوگوں کی تقریریں ہوئی تھیں، میری بھی تقریر تھی ایک صاحب اسی شہر میں دور دراز سے آئے ہوئے تھے ان کی بھی اسی جلسہ میں تقریر ہوئی، انہوں نے اپنی تقریر میں مسلمانوں کو اور علماء کو بہت برا بھلا کہا کہ سب قوموں میں اتفاق ہے مگر مسلمانوں میں اور علماء میں نہیں، اور ہندوؤں کی بہت تعریف کی، ان کی اس تقریر سے حاضرین جلسہ کی بہت دلشکنی ہوئی، جب وہ تقریر کر چکے تو میں کھڑا ہوا اور میں نے کہا کہ یہ صاحب جنہوں نے تقریر کی ہے ہمارے مہمان ہیں اور جو کچھ بھی انہوں نے بیان کیا ہے اپنے نزدیک مسلمانوں کی خیرخواہی سے بیان کیا ہے، اور ان کے طرز بیان کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص معمولی بدپرہیزی کرے اور اس کو کوئی طبیب اس طرح کہے کہ تو نے بہت سخت بدپرہیزی کی ہے تو اس طرز سے اس طبیب کا مقصود اظہار واقعہ نہیں ہوتا ورنہ واقعہ تو یہ ہے کہ موجودہ حالت میں بھی جتنا اتفاق مسلمانوں میں ہے اتنا کسی قوم میں نہیں اور نہ ہوسکتا ہے کیونکہ جو قوم ایک خدا کی قائل نہ ہو ان میں کیا اتفاق ہوسکتا ہے خواہ وہ عیسائی ہو جو تثلیث (تین خدا) کے قائل ہیں یا ہندو جو ہزاروں شرکاء کے قائل ہیں یا ان میں آریے ہوں جو تین

قدیم بالذات کے قائل ہیں، اور عقائد کے علاوہ ہندوؤں کے تو مذہب میں یہ بات داخل ہے کہ باپ بیٹا ایک جگہ بیٹھ کر کھانا نہیں کھا سکتے، اگر اتفاق ہے تو صرف مسلمانوں میں ہے چنانچہ میں نے اپنی تقریر میں کہا کہ خود ہمارے حضرت دام ظلہم العالی کا واقعہ ہے جو خود میرا مشاہدہ ہے کہ جب ایک صاحب نے حضرت کی خدمت میں ایک مولوی صاحب کا ذکر کیا کہ انہوں نے تو جناب کی ہمیشہ مخالفت کی، تو بجائے ان کی شکایت کے یہ فرمایا کہ میں اب بھی یہی سمجھتا ہوں کہ شاید ان کی مخالفت کا منشاء حبِ رسول ہو جس کی وجہ سے وہ اپنے اس فعل میں معذور ہوں۔

اسی طرح مدرسہ دیوبند اتنا بڑا مدرسہ ہے کہ سارے ہندوستان میں اتنا بڑا مدرسہ کوئی نہیں مگر وہاں سے کبھی ایسے مضامین نہیں نکلتے جس کا سبب دوسرے مسلمانوں کے ساتھ تعصب ہو۔

میری اس تقریر کا لوگوں پر بہت اچھا اثر ہوا، حتیٰ کہ وہ مقرر صاحب بھی بہت پشیمان ہوئے اور اقرار کیا کہ مجھ سے غلطی ہوئی جو میں نے ایسی تقریر کی۔

حضرت حکیم الامت تھانویؒ نے اس واقعہ کو سن کر ارشاد فرمایا کہ آپ نے جو طرز جواب اختیار کیا ہے یہی مناسب ہے، معاندانہ طرز اختیار کرنے سے مخالف کو وحشت ہو جاتی ہے اور وہ اس کو اپنی حقارت سمجھتا ہے اور بجائے اس کے کہ وہ اپنی غلطی تسلیم کرے اس کو عداوت اور اپنی غلطی پر اصرار ہو جاتا ہے، لہٰذا جب تک کوئی خاص ضرورت نہ ہو خطاب کے اندر لب ولہجہ نرم ہی اختیار کرنا چاہئے البتہ بات جو کہے وہ صاف ہی کہے۔

(ملفوظات حکیم الامت ص ۳۹۱ ج ۵، ۴)

متعصّبین ومعترضین کے اعتراضوں کے جواب کے سلسلہ میں حضرت تھانویؒ کا طرزِ عمل

حکیم الامت حضرت تھانویؒ ارشاد فرماتے ہیں:

احقر عرض رسا ہے کہ ایک مدت دراز سے مجھ پر عنایت فرماؤں کی طرف سے بے جا اعتراضوں کی بوچھار ہے جس میں سے اکثر کا سبب تعصب وتحزّب (پارٹی بندی) ہے جس کے جواب کی طرف احقر نے اس لئے کبھی التفات نہیں کیا کہ میں نے ان اعتراضوں کو قابل التفات نہیں سمجھا۔

نیز یہ بھی خیال ہوا کہ آج کل جواب دینا اعتراضات کو ختم نہیں کرتا بلکہ اور زیادہ مطول کلام ہوجاتا ہے (یعنی سلسلہ بڑھ جاتا ہے) تو وقت بھی ضائع ہوا اور مقصد بھی حاصل نہ ہوا۔

تیسرے مجھ کو اس سے زیادہ اہم کام اس کثرت سے ہمیشہ رہتے ہیں کہ اس کام کے لئے مجھ کو وقت بھی نہیں مل سکتا تھا۔

چوتھے میں نے جہاں تک دل کو ٹٹولا ایسے اعتراضوں کے جواب دینے میں نیت بہت اچھی نہیں پائی، میں اہل خلوص کو تو کہتا نہیں مگر مجھ جیسے مغلوب النفس کی زیادہ تر نیت یہی ہوتی ہے کہ جواب نہ دینے میں معتقدین کم ہوجائیں گے، شان میں فرق آجائے گا، جس کا حاصل ارضاءِ عوام (یعنی مخلوق کو خوش کرنا) ہے، سو طبعی طور پر مجھ کو اس مقصود سے (یعنی عوام کی رضا کو مقصود بنانے سے) غیرت آتی ہے۔ (اشرف السوانح ص ۱۵۵ ج ۳)

معترضین کے اعتراض اور طعن و تشنیع کے جواب میں حضرت تھانویؒ رحمۃ اللہ علیہ کا معمول

حضرت (اقدس تھانویؒ) پر اگر کوئی کسی قسم کا اعتراض کرتا ہے تو اس سے اپنی براء ت فرمانے کی ہرگز کوشش نہیں فرماتے بلکہ اگر وہ اعتراض علمی رنگ کا ہوتا ہے اور قابل قبول ہوتا ہے تو اس کو قبول فرما کر اپنی سابقہ تحقیق سے بلا تأمل رجوع فرما لیتے ہیں۔

اور اگر اس اعتراض کا قابل قبول ہونا مشکوک ہوتا ہے تو اس اعتراض کو اپنے جواب کے ساتھ ''ترجیح الرجح'' میں شائع فرما دیتے ہیں تاکہ دیکھنے والے خود جس کے قول کو چاہیں ترجیح دے سکیں یہ معاملہ تو علمی رنگ کے اعتراض کے ساتھ فرماتے ہیں۔

اور اگر اعتراض معاندانہ رنگ کا ہوتا ہے (جو طعن و تشنیع پر مشتمل ہوتا ہے) تو اس کے متعلق پرواہ نہیں فرماتے، چنانچہ اگر ایسا اعتراض جوابی خط کے ذریعہ موصول ہوتا ہے تو اپنی براءت فرمانے کے بجائے نہایت استغناء کا جواب تحریر فرما دیتے ہیں، اور ایسے عنوان سے کہ معترض پر یہ ظاہر ہو جائے کہ اس کے اعتراض کو بالکل لغو اور ناقابل التفات سمجھا گیا، مثلاً ایک شخص کو جس نے واہی تباہی اعتراضات لکھ کر بھیجے تھے تحریر فرما دیا کہ مجھ میں اس سے زیادہ عیوب ہیں مگر مجھے تو اپنے عیوب کی اشاعت کی توفیق نہیں ہوئی تم ان کو مشتہر کر دو تاکہ لوگ دھوکہ میں نہ رہیں۔

اور اگر خط جوابی نہیں ہوتا تو اس کو پھاڑ کر ردی میں ڈال دیتے ہیں۔

(حضرت اقدس تھانویؒ نے) معترضین کے مقابلہ میں بھی کبھی رد کی

کوشش نہیں فرمائی بلکہ ان کے اعتراض پر بھی خصوصاً جہاں نیک نیتی کا گمان تھا اس نیت سے نظر فرمائی کہ اگر ان اعتراضات میں کوئی امر واقعی قابل قبول ہو تو اس کو قبول کر کے اس پر عمل کیا جائے۔ (اشرف السوانح ج دوم ج سوم ۱۵۴)

مخالفین کی مخالفت کے جواب میں

حضرت حکیم الامت تھانویؒ کے چند اشعار

فرمایا: مخالفین لوگ خوامخواہ اس کوشش میں پریشان ہیں کہ وہ میرے عیوب پر مخلوق کو مطلع کریں، میں خود ہی اپنی حقیقت منکشف کئے دیتا ہوں اور اس موقع پر یہ شعر پڑھا کرتا ہوں ؎

میں گلہ کرتا ہوں اپنا تو نہ سن غیروں کی بات
ہیں یہی کہنے کو وہ بھی اور کیا کہنے کو ہیں

اور جب کوئی مجھ سے اعتراض کرتا ہے اور میری روک ٹوک اور اصلاح پر ناگواری ہوتی ہے تو پڑھا کرتا ہوں ؎

ہاں وہ نہیں وفا پرست جاؤ وہ بے وفا سہی
جس کو ہو جان و دل عزیز اسکی گلی میں جائے کیوں

اور لوگوں کے برا بھلا اور سب و شتم اور لعن طعن کرنے پر یہ پڑھا کرتا ہوں ؎

دوست کرتے ہیں شکایت غیر کرتے ہیں گلہ
کیا قیامت ہے مجھ ہی کو سب برا کہنے کو ہیں

خیر کہا کریں برا بھلا اور لگاتے رہیں الزام و بہتان اور کریں اچھی طرح بدنام، یہاں تو الحمدللہ یہ مذہب ہے۔

عاشق بدنام کو پروائے ننگ و نام کیا
اور جو خود ناکام ہو اس کو کسی سے کام کیا

خیر کوئی کچھ کہا کرے، کوئی خوش رہے یا ناراض، معتقد ہو یا غیر معتقد یہ کہہ کر الگ ہو جانا چاہئے۔

تمہیں غیروں سے کب فرصت ہم اپنے غم سے کہ خالی
چلو بس ہو چکا ملنا نہ تم خالی نہ ہم خالی

اور صاحب یہ تو بے فکروں کی باتیں ہیں جن کو آخرت کی فکر ہے ان کو ان چیزوں کی فرصت کہاں، انہیں دشمن سے مقابلہ کے واسطے وقت ہی میسر نہیں دوست کی مشغولی ہی کیا کچھ کم ہے۔ (ملفوظات حکیم الامت ص ۳۷ ج ۴ قسط ۱ ملفوظ ۵۳)

حضرت تھانویؒ کا حال

مجھ کو اس وقت اپنی تین حالتیں پیش نظر ہیں ایک محبین (محبت کرنے والوں) کی ملامت اور مخالفین کا اعتراض، دوسرے ان سب اعتراضوں کو ایک جگہ جمع کر دینا، تیسرے اس جمع کرنے میں یہ نیت کہ جس کا جی چاہے تعلق رکھے جس کا جی چاہے نہ رکھے، ان تینوں حالتوں پر تین شعر بے ساختہ ذہن میں آتے ہیں۔

پہلی بات (اپنوں کی ملامت) کے متعلق مومن خاں کا شعر۔

دوست کرتے ہیں ملامت غیر کرتے ہیں گلہ

کیا قیامت ہے مجھ ہی کو سب برا کہنے کو ہیں

دوسری بات (یعنی سب عیبوں کو ایک ساتھ جمع کرنا اس) کے متعلق اسی غزل کا دوسرا شعر۔

میں گلہ کرتا ہوں اپنا تو نہ سن غیروں کی بات

ہیں یہی کہنے کو وہ بھی اور کیا کہنے کو ہیں

تیسری بات کے متعلق غالب کے شعر قدرے تصرف کے ساتھ۔

ہاں وہ نہیں وفا پرست جاؤ وہ بے وفا سہی

جس کو ہو جان و دل عزیز اسکی گلی میں جائے کیوں

وَاُفَوِّضُ اَمْرِیْ اِلَی اللّٰہِ اِنَّ اللّٰہَ بَصِیْرٌ بِالْعِبَادِ ۔ قُلْ یَجْمَعُ بَیْنَنَا رَبُّنَا ثُمَّ یَفْتَحُ بَیْنَنَا بِالْحَقِّ وَھُوَ الْفَتَّاحُ الْعَلِیْمُ۔ (اشرف السوانح ص ۱۵۷، ۱۵۸ ج ۳)

(ترجمہ) اور میں اپنا معاملہ اللہ کے سپرد کرتا ہوں خدا تعالیٰ سب بندوں کا نگراں ہے آپ کہہ دیجئے کہ ہمارا رب ہم سب کو جمع کرے گا پھر ہمارے درمیان میں ٹھیک ٹھیک فیصلہ کر دے گا، اور وہ بڑا فیصلہ کرنے والا اور جاننے والا ہے۔ (بیان القرآن)

اہل محبت کا اصرار اور اس کا جواب

باقی اہل محبت کی یہ توجیہ کہ اعتراض سے عام مسلمانوں کو گناہ ہوتا ہے تو (اعتراضوں کا) جواب دینے سے ان کو اس گناہ سے بچانا ہے (لیکن) غور و فکر

کے بعد یہ توجیہ بھی برائے گفتن ہی معلوم ہوتی ہے، کیونکہ دوسرے مسلمان ہزاروں گناہ ہوں میں مبتلا ہیں ان سے بچانے کا اس قدر اہتمام کیوں نہیں کیا جاتا، نیز دوسرے علماء حقانی سے اگر ایسی ہی بدگمانی ہوجائے اس کے دور کرنے کا وہ اہتمام نہیں ہوتا جو اپنے نفس یا اپنے (شیخ اور بزرگ کے لئے) جن سے اعتقاد ہے ان کے لئے ہوتا ہے، بلکہ اس قدر تو کیا کچھ بھی نہیں ہوتا، بلکہ بعض اوقات (دوسرے) بزرگوں سے چشمک ۔۔۔۔۔۔۔ ہوتی ہے تو نفس میں ایک گونہ سرور پایا جاتا ہے (اور خوشی ہوتی ہے کہ) اچھا ہوا ان کی ذرا رسوائی تو ہوئی۔

دینداری وخیر خواہی کا مقتضیٰ

دینداری اور خیر خواہی کا مقتضی تو یہ تھا کہ اگر اپنے یا اپنے اکابر کے کسی مخالف سے بھی کسی کو بے جا بدگمانی ہو تو اس کو دور کرنے کے لئے ویسا ہی اہتمام ہو جیسا اپنے یا اپنے اکابر کے لئے ہوا ہے، پھر اس توجیہ کو کیسے قبول کیا جاسکتا ہے، اور خیر اگر اپنے کسی بزرگ کے لئے ایسا اہتمام کرے تو اس کو مظلوم کی نصرت (وحمایت) میں بھی داخل کرسکتے ہیں جو کہ طاعت ہے، مگر اپنے نفس کے لئے ایسا کرنا کوئی طاعت بھی نہیں گو جائز ہو، مگر ممکن ہے کہ کسی کو بعض جائز امور سے بھی طبعاً انقباض ہوتا ہو (یعنی جائز کام کرنے کا جی نہ چاہتا ہو)

حکیم الامت حضرت تھانویؒ کا ذوق

چونکہ احقر کو اس سے انقباض ہوتا ہے، بلکہ ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے گویا عوام کی خوشامد ہو رہی ہے کہ ہم سے ناراض مت ہونا ہم کو برا مت سمجھنا، ہماری برائی تم سے

غلط کہی گئی ہے، سو جہاں کوئی دنیوی ضرورت ہو وہاں تو ایسا کرنے میں (یعنی جواب دینے میں بھی) مضائقہ نہیں اور جہاں یہ بھی نہ ہو تو کیوں مشقت میں پڑے، یہ ہے میرا مذاق اس امر میں، پس ان وجوہ کی بنا پر میں نے کبھی اس کا ارادہ نہیں کیا کہ مخالفین ومعترضین کے اعتراضوں کا جواب دیا جائے اور نہ اپنے خاص لوگوں کو اس کی اجازت دی، ہاں اگر کسی بے تعلق شخص نے مجھ سے مشورہ لئے ہوئے بغیر کبھی جواب دے دیا تو نفس کو سرور ضرور ہوا، اور خوشی ہوئی مگر پوچھنے پر مشورہ بھی کسی کو نہیں دیا۔ (کہ میری طرف سے جواب دو) (اشرف السوانح ص ۵۶ ج ۳)

اتحاد واتفاق قائم رکھنے اور اختلاف سے بچنے کی اہم دعائیں

(۱) اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلِیْ وَلِلْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ وَالْمُسْلِمِیْنَ وَالْمُسْلِمَاتِ وَاَصْلِحْھُمْ وَاَصْلِحْ ذَاتَ بَیْنِھِمْ وَاَلِّفْ بَیْنَ قُلُوْبِھِمْ.

(۲) اَللّٰھُمَّ اَلِّفْ بَیْنَ قُلُوْبِنَا وَاَصْلِحْ ذَاتَ بَیْنِنَا وَاھْدِنَا سُبُلَ السَّلَامِ وَنَجِّنَا مِنَ الظُّلُمَاتِ اِلَی النُّوْرِ.

(۳) اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِکَ مِنَ الْبَرَصِ وَمِنَ الشِّقَاقِ وَالنِّفَاقِ وَسُوْءِ الْاَخْلَاقِ وَمِنْ شَرِّ مَاتَعْلَمُ.

(۴) اَللّٰھُمَّ اِنَّا نَعُوْذُبِکَ مِنْ اَنْ نَظْلِمَ اَوْنُظْلَمَ عَلَیْنَا اَوْنَجْھَلَ اَوْیُجْھَلَ عَلَیْنَا اَوْاَضِلَّ اَوْ اُضَلَّ.

(۵) اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِکَ مِنْ خَلِیْلٍ مَّاکِرٍ عَیْنَاہُ تَرَیَانِیْ وَقَلْبُہٗ یَرْعَانِیْ اِنْ رَاٰی حَسَنَۃً دَفَنَھَا وَاِنْ رَاٰی سَیِّئَۃً اَذَاعَھَا.

تمت (منتخب از کتب حدیث بحوالہ مناجات مقبول)

ماخذ ومراجع

حضرت تھانویؒ کی جن کتابوں اور مواعظ وغیرہ سے استفادہ کیا گیا ہے ان کی فہرست

الاتفاق ، الاخوہ
آداب انسانیت
آداب زندگی
الارتباط
ارشادات حکیم الامت
ارضاء الحق
اسباب الفتنہ
اشرف السوانح
اصلاحی نصاب
اصلاح ذات البین
الاعتصام بحبل اللہ
الافاضات الیومیہ
الاقتصاد فی بحث التقلید والاجتہاد
الانسداد للفساد
انفاس عیسیٰ
الباطن
البدائع ، بوادر النوادر
بیان القرآن
التبلیغ
تربیت السالک
تسلیم ورضا
تعلیم الدین
تقلیل الطعام
جزاوسزا
جلاء القلوب
جمال الجلیل
حسن العزیز
حرمات الحدود
حیاۃ المسلمین
خطبات الاحکام
خیر الارشاد
دعوات عبدیت
الدعوۃ الی اللہ
الدین الخالص
ذمّ المکروھات
رجاء اللقاء
رحمت دو عالم
رسالہ قند دیوبند
رطوبۃ اللسان
سفرنامہ لاہور
السوق لاہل الشوق
شریعت وسیاست
طریق القلندر، طلب الجنہ
عمل الذرہ
غوائل الغضب
فروع الایمان
فضائل العلم والخشیہ
کمالات اشرفیہ
المال والجاہ
مجالس حکیم الامت
مقالات حکمت
ملفوظات حکیم الامت
مناجات مقبول
نسیان النفس

امت کے باہمی اختلافات اوران کا حل (۱)

اتحاد واتفاق کی اہمیت اور اختلاف کی مذمت عقل ونقل کی روشنی میں
علماء ومشائخ اور دینی مدارس، اور مختلف جماعتوں کے باہمی اختلافات اوران کا حل

افادات
حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ

انتخاب وترتیب
محمد زید مظاہری ندوی
استاد حدیث دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

ناشر
ادارہ افادات اشرفیہ دوبگا ہردوئی روڈ لکھنؤ

امت کے باہمی اختلافات اور ان کا حل

افادات حکیم الامت حضرت تھانویؒ، انتخاب وترتیب محمد زید مظاہری ندوی

(حصہ اول)

اتحاد واتفاق کی اہمیت اور اختلاف وفساد کی مذمت ☆ اتحاد واتفاق اور اختلاف وفساد کے ظاہری وباطنی اسباب ☆ اتحاد واتفاق کے حدود وقیود ☆ اختلاف کے اصول وآداب ☆ مخالفین ومعاندین کے ساتھ برتاؤ۔

(حصہ دوم)

دینی مدارس اور علماء کے باہمی اختلافات اور ان کا حل ☆ ناظم ومہتمم وشوریٰ کے اختلافات اور ان کا حل ☆ امامت ونیابت اور جانشینی کے اختلافات اور ان کا حل ☆ مختلف جمعیتوں وتنظیموں کے اختلافات اور ان کا حل ☆ علماء اور مفتیوں کے اختلافات اور ان کا حل ☆ حکام وملوک کے اختلافات اور ان کا حل۔

(حصہ سوم)

امت کے مختلف طبقات کے اختلافات اور ان کا حل ☆ ہندو مسلم اختلافات اور ان کا حل ☆ فرقہ وارانہ فسادات اور ان کا حل ☆ عوام وعلماء کا اختلاف اور ان کا حل ☆ مقلدین وغیر مقلدین کا اختلاف اور ان کا حل ☆ اہل تبلیغ واہل مدارس وعلماء کا اختلاف اور ان کا حل ☆ سلفی وغیر سلفی کے اختلافات اور ان کا حل ☆ اہل حق واہل بدعت کا اختلاف اور ان کا حل ☆ ساس بہو کا اختلاف اور ان کا حل ☆ شوہر بیوی کا اختلاف اور ان کا حل ☆ باپ بیٹے، بھائی بہن کا اختلاف اور ان کا حل۔

مقدمۃ الکتاب

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اتحاد و اتفاق اور تالیف قلوب اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں سے بڑی نعمت ہے

حق تعالیٰ کا فرمان ہے:

وَاذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖٓ اِخْوَانًا (پ۴ آل عمران)

اور تم پر جو اللہ تعالیٰ کا انعام ہے اس کو یاد کرو، جبکہ تم دشمن تھے پس اللہ تعالیٰ نے تمہارے قلوب میں الفت ڈال دی سو تم خدا تعالیٰ کے انعام سے آپس میں بھائی بھائی ہو گئے

اور اس نعمت کو برقرار رکھنے کے لئے پوری امت کو حکم دیا گیا کہ اگر کبھی دو گروہوں میں باہم اختلاف ہو جائے تو دوسروں کو چاہئے کہ بیچ میں پڑ کر ان میں صلح کرا دیا کریں تا کہ حق تعالیٰ کی رحمت کے مستحق بن سکیں۔

حق تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَاِنْ طَآئِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اقْتَتَلُوْا فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا ۔

اور اگر مسلمانوں میں دو گروہ آپس میں لڑ پڑیں تو ان کے درمیان اصلاح کر دو۔

وقال تعالیٰ:

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ فَاَصْلِحُوْا بَيْنَ اَخَوَيْكُمْ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ (پ۲۶ حجرات)

مسلمان تو سب بھائی ہیں، سو اپنے دو بھائیوں کے درمیان اصلاح کر دیا کرو اور اللہ سے ڈرتے رہا کرو تا کہ تم پر رحمت کی جائے۔

اور اس صلح کرانے میں بھی حکم دیا گیا کہ خبردار عدل وانصاف کا دامن تم سے نہ چھوٹنے پائے، کہیں ایسا نہ ہو کہ قومیت وعصبیت کی وجہ سے تم حدود سے تعدی کرنے لگو، بجائے حق کے باطل اور ظالم کی حمایت کرنے لگو اس لئے ہدایت کی گئی:

وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَآنُ قَوْمٍ عَلٰى اَلَّا تَعْدِلُوْا اِعْدِلُوْا هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى (پ۶ مائدۃ)	اور کسی خاص قوم کی عداوت تمہارے لئے اس کا باعث نہ ہوجائے کہ تم عدل نہ کرو، عدل کیا کرو کہ وہ تقویٰ سے زیادہ قریب ہے

اس کے خلاف اگر کیا جائے گا تو امت باہم انتشار واختلاف کا شکار ہوگی اور اللہ کی رحمت سے دور ہوجائے گی، آپس کے اختلاف کا یہ نقصان بھی اللہ تعالیٰ نے بیان فرمادیا۔

وَلَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَتَذْهَبَ رِيْحُكُمْ (پ۴ آل عمران)	اور نزاع (یعنی آپس میں جھگڑا) مت کرو، ورنہ کم ہمت ہوجاؤ گے اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس بات کی فکر رہا کرتی تھی کہ میری امت میں اختلاف نہ ہو، چنانچہ مختلف انداز سے آپ نے اس کی قباحت اور مذمت کو بیان کیا، ایک روایت میں آپ نے فرمایا:

ایاکم وفساد ذات البین فانها الحالقة ()	آپس کے اختلاف سے بچوں کیونکہ باہمی اختلاف دین کا بالکل صفایا کرنے والا ہے۔

ایک حدیث پاک میں آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے حضور میں ہفتہ میں دومرتبہ امت کے اعمال پیش ہوتے ہیں پیر اور جمعرات ،سارے بندوں کی مغفرت ہوجاتی ہے سوائے چندلوگوں کے ،ان میں وہ دولوگ بھی ہیں جن میں باہم اختلاف اور عداوت ہوان کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ ان لوگوں کو اپنے حال پر چھوڑ دو، یہاں تک کہ دونوں باہم صلح کرلیں۔

باہم اختلاف کی ایسی نحوست اور بے برکتی ہوتی ہے کہ آدمی بہت سی بھلائیوں سے محروم ہوجاتا ہے حدیثوں میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رمضان المبارک میں اس بات کو بتلانے کے لئے نکلے کہ شب قدر رمضان کی کس تاریخ کو ہوگی لیکن باہر دیکھا کہ دولوگوں میں جھگڑا ہورہا ہے بس جھگڑے کی نحوست کی وجہ سے شب قدر کی تعیین اٹھالی گئی اور امت آج تک اس تعیین کی نعمت سے محروم ہے۔

جس حکومت ،جس طبقہ اور جس ادارہ ،جس خاندان میں بھی اختلاف ہوگا وہ سب اللہ کی رحمت خاصہ سے محروم ہوجائیں گے ،حتیٰ کہ مساجد ومدارس اور دیگر دینی ادارے جہاں ہر وقت حق تعالیٰ کی رحمتوں کا نزول ہوتا ہے اگر وہ بھی باہم ناحق اختلاف کا شکار ہوجائیں وہ بھی اللہ کی رحمت خاصہ سے محروم ہوجائیں گے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دلی خواہش تھی کہ میری امت میں اختلاف نہ ہواور امت آپس میں لڑے جھگڑے نہیں ،ایک مرتبہ آپ نے بہت لمبی نماز پڑھی اور دیر تک دعاء کی خاص طور پر اس میں آپ نے تین دعائیں کیں ان تین میں دو دعائیں آپ کی قبول ہوئیں اور ایک قبول نہیں ہوئی ،آپ نے دعاء کی تھی کہ یا اللہ

میری امت قحط سے ہلاک نہ کی جائے، اوران پر ایسا کوئی حاکم مسلط نہ ہو جو سب کا صفایا کردے یہ دونوں دعائیں آپ کی قبول ہوگئیں، تیسری دعاء آپ نے یہ کی تھی کہ میری امت آپس میں لڑے جھگڑے نہیں، اللہ کو معلوم تھا کہ یہ امت لڑے جھگڑے گی ضرور اس لئے آپ کی یہ دعاء قبول نہیں ہوئی بلکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو اس دعاء سے منع کردیا۔

(مسلم شریف وترمذی شریف ابواب الفتن)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بتلادیا گیا تھا کہ آپ کی امت میں باہم اختلاف ہوگا، لڑائی جھگڑے ہوں گے، لیکن یہ سب تکوینی امور ہیں، تشریعی طور پر بندوں کو مکلّف اسی بات کا بنایا گیا ہے کہ باہم لڑائی جھگڑے سے بچیں، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کو ایسے نسخے بتلادیئے ہیں، ایک دوسرے کے ایسے حقوق بیان فرمائے ہیں کہ اگر ان کو استعمال کیا جائے تو آپس کا اختلاف ختم ہوجائے اور اتحاد واتفاق قائم ہوجائے۔

اختلاف کے مختلف انواع ہوتے ہیں نہ ہر اختلاف مذموم ہوتا ہے اور نہ ہر اتفاق محمود، اختلاف محمود بھی ہوتا ہے اور مذموم بھی، اب رہی یہ بات کہ اختلاف محمود یا مذموم کا معیار کیا ہے، اس کے حدود وقیود کیا ہیں بعض اختلاف ایسے ہوتے ہیں کہ وہ خود رحمت کا مصداق ہوتے ہیں جب کہ بعض اختلافات ایسے ہوتے ہیں کہ جن کی وجہ سے حق تعالیٰ کی رحمت اٹھا جاتی ہے۔

پھر یہ سارے اختلافات کبھی افراد کے درمیان ہوتے ہیں اور کبھی قوموں اور جماعتوں، یا اداروں کے درمیان، اختلاف کے بے شمار انواع ہیں، علماء کے باہمی اختلافات، عوام وعلماء کے اختلافات، ائمہ کے درمیان فقہی اختلافات

،مقلدین وغیر مقلدین کے اختلافات،صوفیوں وتبلیغیوں کے اختلافات ،دینی مدارس اور اداروں کے اختلافات ،سیاسی پارٹیوں اور حکومت کے اختلافات ،ہندو مسلم اختلافات،شوہر بیوی،ساس بہو،باپ بیٹے کے اختلافات وغیرذالک۔

ان سارے اختلافات کے شرعی حدود وقیود کیا ہیں ،اختلاف محمود ومذموم کا کیا معیار ہے،وہ کون سی شریعت کی تعلیمات اوررسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایات ہیں جن کو اختیار کرنے کے نتیجہ میں آپس کا اختلاف ختم اوراتحاد قائم رہتا ہے۔

اس کتاب میں اسی موضوع سے متعلق حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی کی کتابوں سے مضامین چن چن کر جمع اور مرتب کئے گئے ہیں۔

پوری کتاب کو دو حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے پہلے حصہ میں اتحادواتفاق کی اہمیت اختلاف کی مذمت اوراختلاف محمود ومذموم کا معیاراوررسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے وہ نسخے اورشریعت کی بتلائی ہوئی وہ تعلیمات جمع کی گئی ہیں جن سے اتحاد قائم رہتااوراختلاف ختم ہوتا ہے۔

کتاب کے دوسرے حصہ میں مختلف قوموں ،جماعتوں،اداروں اورافراد کے باہمی اختلافات اوروں کا حل علیحدہ علیحدہ بیان کیا گیا ہے،مثلاً دینی مدارس اورعلماء کے باہمی اختلافات اوران کا حل،عوام وعلماء کا اختلاف ،اہل تبلیغ واہل تصوف کا اختلاف،سیاسی اختلافات اوران کا حل،اسی طرح باپ بیٹے،ساس بہو،اورمسلمانوں کے آپسی اختلافات اوران کا حل،یہ حقیقت اب مخفی نہیں رہی کہ دشمنان اسلام کی ہمیشہ سے یہ کوشش رہی ہے کہ مسلمانوں کوآپس میں لڑایا

جائے ،ان میں آپس میں مسلک کی بنیاد پر یا دوسرے وجوہ واسباب کی بناپر اختلاف کرادیا جائے ،چنانچہ امت برسہا برس سے مختلف ممالک میں مختلف اسباب کی بناء پرلڑائی جھگڑوں میں مبتلا ہے، اوراسی میں اپنی صلاحیتوں اور توانائیوں کوصرف کررہی ہیں،ایک دوسرے کی تذلیل وتحقیر بلکہ جان لینےاورخون بہانے کے درپے ہے،ایسی حالت میں ہم کونہایت ہوشمندی اورصبر وتحمل سے کام لینے کی ضرورت ہےاوردشمنان اسلام کی سازشوں سے ہوشیار رہتے ہوئے امت کے طبقات کورسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ان ارشادات پرخاص طور پرعمل کرنا چاہئے جن کوآپ نے امت میں اتحادواتفاق قائم رہنے کے لئے تعلیم فرمایاہے اسی ضرورت کے پیش نظر یہ مجموعہ مرتب کیا گیا ہے،اللہ تعالیٰ محض اپنے فضل سے اس کتاب کوقبول فرمائے اورامت سے اختلاف مٹنے اوراتحادواتفاق قائم ہونے کاذریعہ بنائے۔

محمد زید وظاہری ندوی

استاذ حدیث دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

۲رمحرم ۱۴۳۷ھ